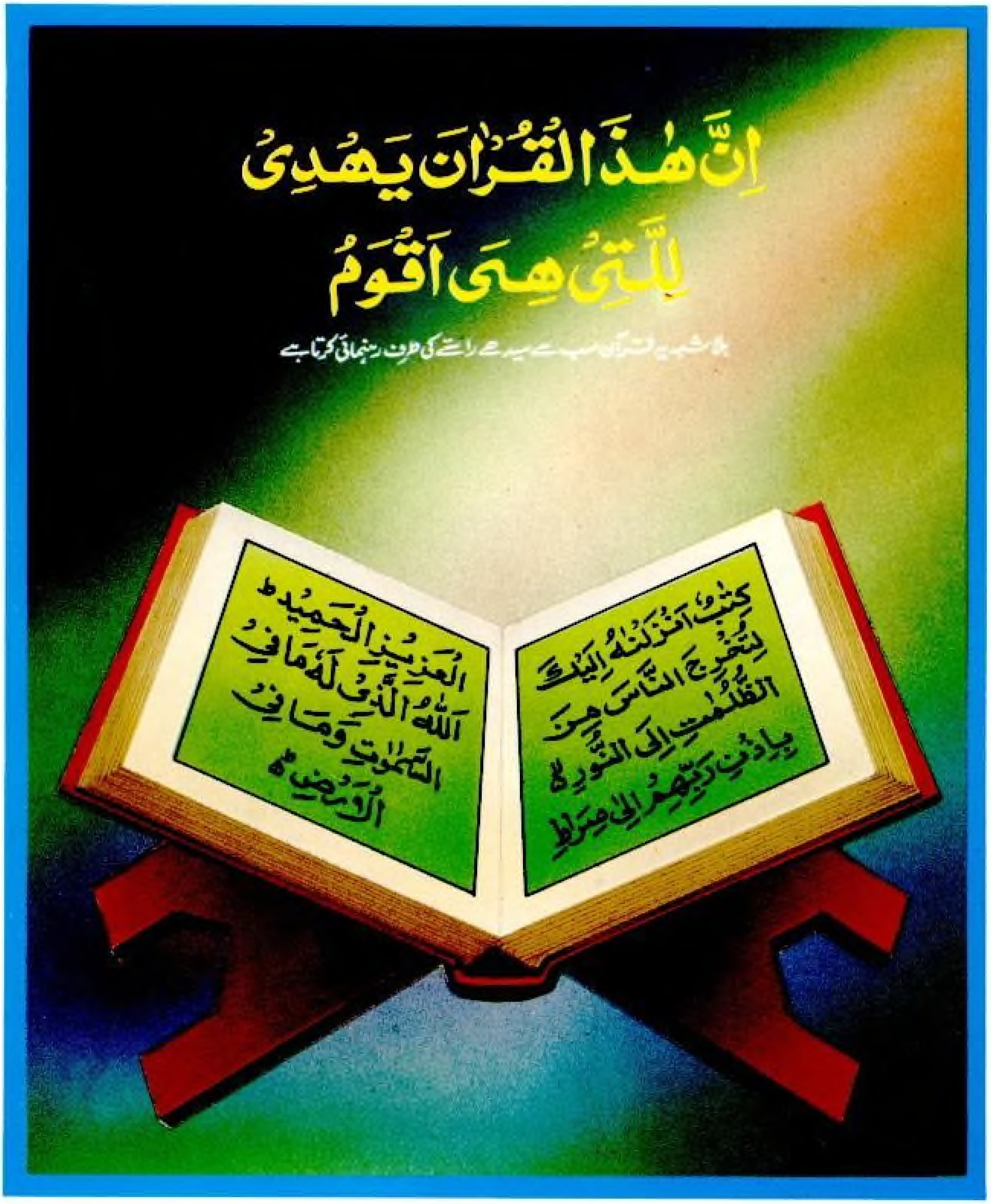
احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔

یہ کتاب (ایسی ہے) جس (کے من جانب اللہ ہونے) میں ذرا بھی شک نہیں ۔ (یہ) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و رہنمائی (کا ذریعہ) ہے ۔

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ سوم

تفسیر سورۃ المائدہ تا سورہ۔اعراف

سید فضل الرحمٰن

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

نام کتاب	:	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ سوم	:	تفسیر سورۃ المائدہ تا سورہ اعراف
تعداد	:	۱۲۰۰
اشاعتِ اول	:	محرم ۱۴۱۷ھ / جون ۱۹۹۶ء
کمپوزنگ	:	بقا کمپوزنگ سروسز، اردو بازار، کراچی
ناشر	:	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ کراچی

ملنے کے پتے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

7-B-11 ، کمرشل ایریا،

ناظم آباد نمبر ۲، کراچی

ادارہ مجددیہ

۵ / ۲۔ ایچ، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی نمبر ۱۸

فہرستِ عنوانات

سورۃ الاعراف ۳۰۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المائدہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کو مائدہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اس مائدہ (خوان) کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ اس کا نام سورۃ عقود بھی ہے کیونکہ اس کی پہلی آیت میں عقود (عہدوں) کو پورا کرنے کی تاکید ہے۔

تعارف: اس میں ۱۶ رکوع، ۱۲۰ آیتیں، ۲۸۴۲ کلمات اور ۱۲۴۶۴ حروف ہیں۔

یہ سورت مدنیہ ہے اور مدینے میں نازل ہونے والی سورتوں میں بھی سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے اس کو قرآنِ کریم کی آخری سورت بھی کہا ہے۔

مستدرکِ حاکم میں حضرت جبیرؓ بن نُفَیر سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا اور وہاں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم سورۃ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ انہوں نے فرمایا کہ سنو! سب سے آخر میں یہی سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جس چیز کو حلال پاؤ تو اس کو حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام پاؤ تو اس کو حرام ہی جانو۔

مسند احمدؒ میں حضرت اسماؓ بنت یزید سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئے تھی کہ آپؐ پر سورۃ مائدہ پوری نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں۔

مسند احمدؒ کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو آپؐ اس پر سے اتر گئے۔

ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ (جب یہ سورت نازل ہوئی) اس وقت آپؐ سفر میں تھے۔ وحی کے بوجھ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی۔

بظاہر یہ حجۃ الوداع کا سفر ہے جو ہجرت کے نویں سال ہوا جیسا کہ بعض روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (ابن کثیر ۲ / ۲)

بنیادی طور پر اس سورت میں ہر قسم کے معاہدے کی پابندی اور اس کو پورا کرنے کی

تاکید ہے ۔ اس کے علاوہ حلال و حرام چیزوں اور شرعی سزاؤں کے احکام اور یہود و نصاریٰ کی بدعہدیوں اور بداعمالیوں کا بیان ہے ۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: سورت کی ابتدائی آیات میں عہدوں کو پورا کرنے اور حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت ہے ۔ پھر شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا گیا ہے اور احرام کھولنے کے بعد شکار کی اجازت کا ذکر ہے ۔ اس کے بعد چند حرام چیزوں کا بیان ہے ۔ پھر دین اسلام کے مکمل ہونے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس امت کے لئے اسلام کو بطور دین پسند کرنے، حلال جانوروں اور اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے اور اہل کتاب سے رشتہ ازدواجیت کی اجازت کا بیان ہے ۔

رکوع ۲: وضو کی فرضیت، تیمم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی پابندی اور عدل و انصاف قائم کرنے کی تاکید ہے ۔ پھر مسلمانوں پر انعام اور کفار پر عذاب کا تذکرہ ہے اور اہل کتاب کو نصیحت ہے ۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے چند انعامات یاد دلائے ہیں ۔

رکوع ۳: بنی اسرائیل سے عہد لینے اور ان کی عہد شکنی پر سزا کا ذکر ہے ۔ پھر نصاریٰ سے عہد اور ان کی بدعہدی کی سزا مذکور ہے ۔ اہل کتاب کو نصیحت اور یہود و نصاریٰ کے غلط عقائد کا بیان ہے ۔

رکوع ۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب، بنی اسرائیل کو ہمت دلانا اور ان کی گستاخی کا ذکر ہے ۔ پھر حضرت موسیٰ کی دعا، اور بنی اسرائیل کی نافرمانی کا انجام مذکور ہے ۔

رکوع ۵: ہابیل و قابیل کی قربانی، ہابیل کی نصیحت اور ہابیل کے قتل کا ذکر ہے ۔ پھر دفن کی تدبیر، انسانی جان کی حرمت، شرعی سزاؤں اور توبہ کی گنجائش کا بیان ہے ۔

رکوع ۶: جہاد کی تاکید، کفر کی سزا اور کفار پر عذاب کا ہمیشہ رہنا، چوری کی سزا اور چور کی توبہ کے قبول ہونے کا ذکر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور کفار کے اسلام نہ لانے پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دلبرداشتہ ہونا، عدل و انصاف قائم کرنے اور یہود کی بداعتقادی کا بیان ہے۔

رکوع ۷: احکاماتِ خداوندی کے بدلنے کی ممانعت اور توریت کے بعض احکامات کا ذکر ہے۔ پھر توریت و انجیل کے اپنے اپنے زمانے میں نافذ العمل ہونے اور قرآن کریم کے قیامت تک واجب العمل ہونے کا بیان ہے۔ آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی نفسانی خواہشات کی پیروی کی ممانعت ہے۔

رکوع ۸: یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت، منافقین کے طرزِ عمل اور ارتداد کے انجام کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کی تاکید ہے۔

رکوع ۹: کفار سے دوستی کی ممانعت اور مسلمانوں کے ساتھ منافقین کے تمسخر کا ذکر ہے۔ پھر یہود و منافقین کی بُری خصلتوں اور دھوکہ دہی کا بیان ہے۔ آخر میں یہود کے نیک لوگوں کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۱۰: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغِ دین کا حکم، قلبی اطمینان پانے والوں کا ذکر، یہود کا انبیاء کو قتل کرنا اور سزا سے بے خوف ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب غلط عقائد کا بیان ہے۔ باطل معبودوں کی عبادت پر تنبیہ اور دین کے بارے میں اہلِ کتاب کی من مانی کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۱: بنی اسرائیل کے کفار پر لعنت، ان کے بُرے افعال کا ذکر اور یہود و مشرکین کی عداوت کا بیان ہے۔ آخر میں حق کو پہچان کر ایمان لانے والوں اور حق پرستی کے اجر اور اصحاب النار کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۱۲: دین میں حد سے تجاوز کی ممانعت، حلال و طیب چیز کھانے کا حکم، قسم کے کفارے اور حرام چیزوں کا بیان ہے۔ پھر شیطان کی فتنہ پردازیوں اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگوں کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۱۳: مومنوں کی آزمائش، حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت اور دریائی شکار کی حلت کا بیان ہے۔ پھر امن و اطمینان کے ذرائع اور تبلیغ دین کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۴: فضول سوالات سے اجتناب کی تاکید، شرکیہ رسومات کا ابطال، کفار کے گمراہ خیالات اور موت کے وقت وصی اور گواہ مقرر کرنے کا بیان ہے۔

رکوع ۱۵: قیامت کا حال، حضرت عیسیٰ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات۔ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی جانب سے آسمانی کھانا طلب کرنا اور حضرت عیسیٰ کی دعا سے آسمان سے کھانے کے نزول کا بیان ہے۔

رکوع ۱۶: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شرک سے برأت، سچے لوگوں کے لئے جنت کی نعمتوں کی بشارت اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اعلان ہے۔

عہد پورا کرنے کی تاکید

۱- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۵

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو

اَلْعُقُوْدِ: اقرار، عہد و پیمان، گرہ لگانے اور ایک چیز کو دوسری کے ساتھ خوب مضبوط باندھنے کا نام عقد ہے۔ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد عُقْدٌ ہے۔

تشریح: معاہدے تین قسم کے ہیں۔

(۱) وہ معاہدے جو انسان نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہیں۔ مثلاً ایمان و اطاعت کا عہد، حلال و حرام کی پابندی کا عہد وغیرہ۔

(۲) وہ معاہدے جو انسان اپنے نفس کے ساتھ کر لیتا ہے مثلاً کسی چیز کی نذر مان لینا یا حلف کر کے کوئی چیز اپنے ذمہ لے لینا۔ وغیرہ

(۳) وہ معاہدے جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے مثلاً نکاح کا معاہدہ، خرید و فروخت، اجارہ، ہبہ وغیرہ۔

اس قسم میں وہ سب معاہدے شامل ہیں جو دو شخصوں یا دو جماعتوں یا دو حکومتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔

اس آیت میں اہل ایمان کو مخاطب فرما کر مضمون کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ حکم عین ایمان کا تقاضا ہے کہ تم ان تمام عہدوں کو پورا کرو جو تم نے باندھے ہیں۔ خواہ ان کا

تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہو یا بندوں سے ہو یا وہ دنیا و آخرت سے متعلق ہوں، سب کو واجب العمل سمجھ کر پورا کرو۔ خلافِ عہد کوئی کام نہ کرو کیونکہ بے وفائی اور عہد شکنی بہت بُری چیز ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝ (الرعد ۲۵)

اور جو لوگ پختہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو توڑ دیتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ انہی کے لئے لعنت ہے اور انہی کے لئے بُرا گھر ہے۔

حلال جانوروں کا بیان

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

تمہارے لئے چوپائے مواشی حلال کر دیئے گئے سوائے ان کے جن کا حکم آگے سنایا جائے گا۔

بَهِيْمَةٌ: چوپائے یعنی اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ جمع بَهَائِمْ۔

بہیمہ ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو عادتاً غیر ذوی العقول سمجھے جاتے ہیں۔ چونکہ لوگ ان کی بولی کو عادتاً نہیں سمجھتے اس لئے ان کی مراد مبہم رہتی ہے۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ بہیمہ کا مطلب یہ نہیں کہ اس جانور کو عقل نہیں اور عقل کی باتیں اس پر مبہم رہتی ہیں، جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عقل و ادراک سے کوئی جانور اور کوئی شجر و حجر خالی نہیں البتہ درجات کا فرق ضرور ہے۔ ان چیزوں میں اتنی عقل نہیں جتنی انسان میں ہے۔ اسی لئے انسان کو احکام کا مکلف بنایا گیا ہے اور جانوروں کو احکام کا مکلف نہیں بنایا گیا ورنہ اپنی ضروریات زندگی کی حد تک تو اللہ تعالیٰ نے ہر جانور اور شجر و حجر کو عقل و ادراک بخشا ہے۔ اسی لئے تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلاَّ یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لاَّتَفْقَہُوْنَ تَسْبِیْحَہُمْ ○ (الاسرا۔ ۴۴)

اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

اگر عقل نہ ہوتی تو حجر و شجر اپنے خالق و مالک کو کس طرح پہچانتے اور کس طرح اس کی تسبیح و تحمید کرتے۔ (معارف القرآن ۱۳ / ۳)

اَلْاَنْعَامِ چوپائے۔ پالتو جانور جیسے اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ۔ واحد نَعَمٌ۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ تم احکام الٰہی کی پابندی کرتے ہوئے پالتو جانوروں مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ اور شکاری جانوروں مثلاً ہرن، چکارا وغیرہ، جن کے پنجے نہیں ہوتے اور جو انسان پر حملہ نہیں کرتے، کو شرعی قاعدے کے مطابق ذبح کر کے کھاؤ۔ مجوسیوں اور بت پرستوں کی طرح مطلقاً، ان جانوروں کے ذبح کو حرام قرار نہ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض اور اس کی نعمت کی ناشکری ہے اور اسی طرح دوسرے گوشت خور فرقوں کی طرح بے قید و آزاد ہو کر ہر طرح کے جانوروں کو نہ کھاؤ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کو تمہارے لئے حلال کیا ہے انہی کو کھاؤ۔ اور جن جانوروں کو اس نے حرام قرار دیا ہے ان سے بچو۔ اللہ تعالیٰ ہی خالقِ کائنات ہے، وہی حاکم مطلق اور حکیم مطلق ہے۔ اس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے ہر جانور کے اندر کچھ خواص اور صفات و اثرات رکھے ہیں۔ پس اس نے جس جانور کو بندوں کے لئے مفید جانا اس کو اپنی رحمت سے حلال کر دیا اور جس کو مضر جانا اس کو حرام کر دیا۔ پس تم بلاچون وچرا اس کے احکام پر عمل کرو۔ (معارف القرآن ۱۳، ۱۴ / ۳)

حرام جانور: پھر فرمایا کہ جن جانوروں کا ذکر آئندہ آیت نمبر ۳ میں آئے گا وہ حرام ہیں۔ مثلاً مردار جانور، خنزیر، ذبح کرتے وقت جن جانوروں پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے لیا گیا ہو، جن جانوروں کو بتوں پر چڑھایا گیا ہو، گلا گھونٹ کر مارے ہوئے جانور، چوٹ کے صدمے سے مرے ہوئے جانور، کسی اونچی جگہ سے لڑھک کر مرے ہوئے جانور اور وہ چوپائے جن کا کچھ حصہ درندوں نے کھالیا ہو یہ سب حرام ہیں۔ اس کے علاوہ باقی جانور حلال ہیں۔

حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت

غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝

مگر احرام کی حالت میں شکار کو حلال نہ سمجھنا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

تشریح: اگرچہ چوپائے اور جنگل کا شکار تمہارے لئے حلال ہیں۔ مگر جب تم حرم میں یا احرام کی حالت میں ہو تو اس وقت شکار کرنا گناہ ہے۔ پس تم اس سے بچتے رہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور حکیم مطلق ہے اس لئے وہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس چیز کو چاہے حرام قرار دے۔ کسی کو حق نہیں کہ اس کے حکم کو ماننے میں چون وچرا کرے یا اس پر اعتراض کرے۔

(حقانی ۲۳۹، ۲۴۰ / ۲، مظہری ۹ / ۳)

شعائر اللہ کی حُرمت

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ نذر کے ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے ڈلے ہوئے ہوں اور نہ بیت الحرام کا قصد کرنے والوں کی، جو اپنے رب کا فضل اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں اور جب تم احرام سے حلال ہو جاؤ تو شکار کر سکتے ہو اور ایسا نہ ہو کہ تم اس قوم پر زیادتی کرنے لگو جس سے تمہیں اس وجہ سے دشمنی ہے کہ انہوں نے تمہیں

مسجد حرام سے روک دیا تھا اور نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

شَعَآئِرَ: نشانیاں، علامتیں۔ یہ شِعَارٌ و شَعِیْرَۃٌ کی جمع ہے، جس کے معنی خاص علامت کے ہیں۔ شعائرِ اسلام، ان اعمال و افعال کو کہا جاتا ہے جو عُرفاً مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے نماز، اذان، حج کے مناسک، ختنہ اور سنت کے مطابق ڈاڑھی وغیرہ۔

اَلْھَدْیَ: قربانی کے جانور مثلاً اونٹ، گائے اور بکری

اَلْقَلَآئِدَ: پٹے، ہار یا وہ چیز جو ہار کی طرح استعمال کی جائے۔ قربانی کے وہ جانور جن کے گلے میں علامت کے طور پر پٹے ڈال دیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے اور کعبہ کو جا رہا ہے اس کا واحد قِلَادَۃٌ ہے۔

آمِّیْنَ: قصد کرنے والے واحد آمٌّ۔ اَمٌّ سے اسم فاعل

اِصْطَادُوْا: تم شکار کرو۔ اِصْطِیَادٌ سے امر۔

یَجْرِمَنَّکُمْ: وہ تمہیں ضرور آمادہ کرتا ہے۔ وہ ضرور تمہارا باعث بنے گا۔ جَرْمٌ و جَرِیْمَۃٌ سے مضارع بانوں تاکید۔

شَنَآنُ: سخت بغض، سخت دشمنی کرنا۔ مصدر سماعی ہے۔ یہاں مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ حدیبیہ کے سال مشرکین مکہ نے تمہیں کعبہ تک پہنچنے سے روک دیا تھا۔ اس لئے تمہیں ان سے بغض اور دشمنی ہو گئی ہے۔ پس یہ بغض و عداوت تمہیں زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ (مظہری ۱۲ / ۳)

صَدُّوْکُمْ: انہوں نے تمہیں روکا۔ صَدٌّ سے ماضی

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حطم کے متعلق ہوا تھا، جس کا نام شریح بن ضبیعہ بکری تھا۔ یہ مدینہ میں آیا اور اپنے سواروں کو پیچھے چھوڑ کر تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ لوگوں کو کس بات کی طرف بلاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں لوگوں کو **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** کے اقرار، پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کی دعوت دیتا ہوں۔ وہ کہنے لگا کہ میرے ساتھ کچھ سردار اور بھی

ہیں جن کے بغیر میں کسی کام کو طے نہیں کر سکتا۔ امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو ساتھ لے کر آؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آنے سے پہلے ہی صحابۂ کرام سے فرما دیا تھا کہ تمہارے پاس قبیلہ ربیعہ کا ایک شخص آئے گا جو شیطان کی زبان سے کلام کرے گا۔ پھر جب شریح آپؐ کے پاس سے چلا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کافر کا منہ لے کر (کفر کے ساتھ) آیا تھا اور عہد شکن پشت (دھوکہ دغاری) کے ساتھ چلا گیا۔

شریح مدینہ سے نکل کر (جنگل میں) اہل مدینہ کے اونٹوں کے پاس سے گزرا تو گلہ کو ہنکا کر لے گیا۔ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا مگر اس کو گرفتار نہ کر سکے۔ پھر اگلے سال وہ بنی بکر کے حاجیوں کے ساتھ حج کے لئے یمامہ سے روانہ ہوا۔ اس وقت اس کے ساتھ بڑا تجارتی مال بھی تھا اور اس نے اونٹوں کی گردنوں میں قلادے بھی ڈال رکھے تھے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حطم حج کے لئے نکلا ہے۔ آپؐ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اس سے نمٹ لیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس نے تو قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنا رکھے ہیں۔ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حرکت تو ہم جاہلیت کے زمانے میں کیا کرتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

واحدی نے بیان کیا کہ حطم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یمامہ سے مدینہ آیا۔ آپؐ نے اس کو اسلام کی دعوت دی مگر اس نے قبول نہیں کی۔ جب حطم مدینے سے نکلا تو وہ راستے میں سے اہل مدینہ کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گیا۔ پھر جب آپؐ قضائے عمرہ کے لئے مدینے سے نکلے تو آپؐ نے یمامہ کے حاجیوں کے لبیک پڑھنے کی آواز سنی اور صحابہ سے فرمایا کہ یہ حطم اور اس کے ساتھی ہیں۔ حطم نے جو اونٹ لوٹے تھے ان کو قلادے پہنا رکھے تھے اور وہ ان کو قربانی کے لئے کعبہ لے جا رہا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۹، ۱۰ / ۳)۔

تشریح: اس آیت میں چند چیزوں کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

(۱) شعائر اللہ کی بے حرمتی۔ شعائر اللہ کی بے حرمتی یہ ہے کہ ان احکام کو جو مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں سرے سے نظر انداز کر دیا جائے یا ان پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے یا عمل میں مقرر حدود سے تجاوز کیا جائے۔ یہاں احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت مراد ہے۔

(۲) حرمت کے مہینے میں قتال کرنا۔ اسلام نے چار مہینوں شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور رجب

کو حرمت والا قرار دیا ہے ۔ جن میں جنگ کرنا شرعاً حرام تھا ۔ قدیم دستور کے مطابق عرب کے لوگ عام مہینوں میں تو جنگ و جدل اور مار دھاڑ کرتے رہتے تھے ۔ مگر حرمت والے مہینوں میں کسی کو کچھ نہ کہتے تھے ۔ مسلمان ان مہینوں میں مشرکین کو روک ٹوک کرنے لگے تھے ، اس لئے اس کی ممانعت کر دی گئی ۔

(۳) ہدی کے جانور کی بے حرمتی کرنا ۔ حرم مکہ میں قربان ہونے والے جانوروں اور خصوصاً ان جانوروں کو جن کے گلے میں قربانی کی علامت کے طور پر قلادہ ڈال دیا گیا ہو ، ان کی بے حرمتی کرنا منع ہے ۔ ان جانوروں کی بے حرمتی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کو حرم تک پہنچنے سے روک دینا یا چھین لینا ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان جانوروں سے قربانی کے علاوہ کوئی دوسرا کام لیا جائے جیسے سواری کے لئے استعمال کرنا یا ان سے دودھ حاصل کرنا ۔ یہ سب صورتیں ناجائز ہیں ۔

اگرچہ قربانی کا جانور بھی شعائر اللہ میں داخل ہے جن کی ممانعت آیت کے شروع میں کی گئی ہے مگر اس احتمال کے پیش نظر کہ لوگ اس کو اپنے مالی فائدے کے لئے لوٹ لیں گے اور غریبوں کی حق تلفی ہوگی ، اس کو خصوصیت کے ساتھ نام لے کر علیحدہ ذکر کیا گیا ۔

(۴) ان لوگوں کی بے حرمتی کرنا جو گھر سے مسجد الحرام کا قصد کر کے حج وغیرہ کے لئے نکلیں اور اس سفر سے ان کا مقصد اپنے رب کا فضل اور رضا حاصل کرنا ہو ۔ ان لوگوں کی حرمت قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سفر میں ان سے مزاحمت نہ کی جائے اور نہ ان کو کوئی تکلیف دی جائے ، نہ ان کو قتل کیا جائے اور نہ لوٹا جائے ۔

(۵) حرم میں اور حالتِ احرام میں شکار کرنا منع ہے ۔ پس جب تم حلال ہو کر احرام کھول دو یا حرم سے باہر نکل جاؤ تو پھر شکار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

(۶) مشرکین نے جو تمہیں مسجد الحرام سے روک دیا تھا تو ان کی دشمنی تمہیں انصاف کی حد سے نکل جانے پر آمادہ نہ کرے کہ تم بھی ان سے قتال کرنے لگو ، ان کو مسجد الحرام میں داخل ہونے اور حج کرنے سے روکنے لگو ۔

پھر فرمایا کہ تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو ۔ یعنی ممنوعاتِ الٰہیہ کا ارتکاب نہ کرو اور نہ اپنی تسکینِ قلب کے لئے انتقام لے کر ظلم کرو ۔

حضرت نواس بن سمعان انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

بِرّ اور اِثم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ بِرّ حسن خلق ہے اور اِثم وہ کھٹک ہے جو تمہارے دل میں پیدا ہو اور لوگوں کا اس سے واقف ہونا تمہیں پسند نہ ہو۔

مسند احمدؒ میں حضرت ابو ثعلبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بِرّ وہ بات ہے جس پر تمہارے دل کو سکون و اطمینان ہو جائے خواہ مفتی تمہیں (اس کے خلاف جواز کا) فتویٰ دے دیں۔ (حقانی ۲۴۱۔ ۲۴۳ / ۲، مظہری ۱۲، ۱۳ / ۳)

حرام اشیاء کا بیان

۳۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ

تم پر مُردار اور خون اور سُور کا گوشت اور (وہ جانور) جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو (لاٹھی یا پتھر وغیرہ کی) چوٹ سے مرجائے اور جو اوپر سے گر کر مرجائے اور جو سینگ لگنے سے مرجائے اور جس (جانور) کو کوئی درندہ پھاڑ کھائے، یہ سب حرام ہیں، مگر جس کو (مرنے سے پہلے) تم ذبح کر لو اور وہ جانور بھی حرام ہے جو بتوں پر ذبح کیا گیا ہو اور فال کے تیروں سے تقسیم کرنا بھی حرام ہے۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے۔ پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔

تشریح: اسی سورت کی پہلی آیت میں اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ کے ذریعہ جن چیزوں کو حلال چیزوں سے مستثنیٰ کیا گیا تھا ان کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ گیارہ چیزیں ہیں۔

(۱) **مَیْتَۃٌ**: مُردار۔ جو بلا ذبح اپنی طبعی موت سے مرجائے۔ جس کا خون جسم کے اندر ہی منجمد ہو جائے۔

بیضاویؒ کہتے ہیں کہ میتہ وہ جانور ہے جس کی روح ذبح کئے بغیر نکل جائے۔

(تفسیر بیضاوی، صفحہ ۸۸)

اس میں کسی جانور کی خصوصیت نہیں خواہ وہ چرند ہو یا پرند، جب تک اس کو ذبح نہ کیا جائے حرام ہے۔ سوائے مچھلی اور ٹڈی کے جیسا کہ امام شافعیؒ، امام احمد ابن حنبلؒ، ابن ماجہؒ، دار قطنیؒ اور بیہقیؒ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو میتہ (مُردار) اور دو خون حلال کر دیئے۔ دو میتہ سے مراد مچھلی اور ٹڈی ہے اور دو خون سے مراد کلیجی اور تلی ہیں۔ (ابن کثیر ۲/۷)

(۲) **وَالدَّمُ**: اور خون حرام ہے۔ قرآن کریم کی دوسری آیت میں **اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا** کے ذریعہ وضاحت فرمادی گئی کہ جو خون حرام کیا گیا ہے وہ، وہ خون ہے جو ذبح کے وقت بہتا ہے۔ وہ خون جو گوشت پر کہیں لگا رہ جائے یا جو کلیجی اور تلی میں ہوتا ہے وہ حرام نہیں۔

(۳) **وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ**: اور سور کا گوشت حرام ہے، خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو۔ اس میں اس کی چربی، بال اور کھال سب شامل ہیں۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ سور نجس العین ہے۔ اس کے کسی جزو سے نفع اٹھانا درست نہیں۔ غذا کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے۔ سور میں بہت سی صفاتِ ذمیمہ پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ نہایت حریص اور پرلے درجے کا بے غیرت ہے۔ چنانچہ جو قومیں سور کا گوشت کھاتی ہیں ان کی بے غیرتی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور مُردار اور خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت فرمادی ہے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مُردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہے، وہ کشتیوں پر لگائی جاتی ہے اور کھالوں پر ملی جاتی ہے اور اس سے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں وہ حرام ہے۔ (ابن کثیر ۲/۸)

بخاری شریف میں ہے کہ ابو سفیان نے ہرقل سے کہا کہ وہ نبیؐ ہمیں مُردار اور خون سے روکتا ہے۔ (ابن کثیر ۲/۸)

(۴) **وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ**: اور جو جانور غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔ خواہ ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیا جائے۔ اگر ذبح کے وقت بھی اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے۔ جب تک کہ نیت شرکیہ سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح

نہیں کیا جائے گا وہ جانور حلال نہیں ہو گا۔

(۵) **وَالْمُنْخَنِقَةُ** : اور جو جانور گلا گھونٹنے سے یا گلا گھٹنے سے مر جائے یا کسی جال میں پھنس کر دم گھٹنے سے مر جائے وہ بھی حرام ہے۔

(۶) **وَالْمَوْقُوذَةُ** : اور وہ جانور جو کسی ایسی چیز کی شدید ضرب کے ذریعہ ہلاک ہوا ہو جو دھار دار نہیں جیسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ، اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ جو جانور بندوق کی گولی سے مارا جائے اس کا شمار بھی موقوذۃ میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

اگر شکاری نے بسم اللہ پڑھ کر تیز دھار دار چیز مثلاً نیزہ، تیر وغیرہ پھینک کر شکار کیا اور تیر یا نیزہ سے جانور کا جسم کٹ کر خون بہہ گیا تو یہ شکار حلال ہے۔ خواہ تیر یا نیزہ جانور کے جسم کے کسی بھی حصہ پر لگے۔ اور خواہ جانور ذبح کرنے سے پہلے ہی مر جائے۔ اسی طرح اگر شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا اور جانور اس کی گرفت میں مر گیا تو وہ بھی حلال ہے۔

(۷) **وَالْمُتَرَدِّيَةُ** : اوپر سے نیچے گر پڑنے کو **تَرَدِّیْ** کہتے ہیں۔ جو جانور کسی پہاڑ یا کسی درخت یا مکان کی چھت یا اونچی عمارت سے گر کر یا کنوئیں وغیرہ میں گر کر مر جائے، وہ بھی ذبح نہ ہونے کے سبب حرام ہے۔

(۸) **وَالنَّطِيْحَةُ** : سینگ مارنے کو **نَطْحٌ** کہتے ہیں۔ پس وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے یا کسی ٹکر اور تصادم سے ہلاک ہو جائے جیسے کسی ریل، موٹر وغیرہ کی زد میں آکر مر جائے تو ذبح نہ ہونے کے سبب وہ بھی حرام ہے۔

(۹) **وَمَآاَكَلَ السَّبُعُ** : اور وہ جانور جس کو کسی درندے (شیر، بھیڑیا، چیتا، کتا وغیرہ) نے پھاڑ کھایا ہو اور وہ اسی حالت میں ذبح کئے بغیر مر گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ : اگر تم ان جانوروں میں سے کسی کو زندہ پالو اور شرعی طریقہ سے ذبح کر لو تو پھر ان کا کھانا حلال اور جائز ہے۔ البتہ یہ استثنا پہلی چار قسموں یعنی نمبر ۱ تا ۴ کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ مُردار اور خون میں تو زندہ پالینے اور ذبح کرنے کا امکان ہی نہیں۔ رہے خنزیر اور ما اُحِلّ لغیر اللہ تو وہ اپنی ذات سے حرام ہیں۔ ان کا ذبح کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ لہذا یہ استثنا پہلی چار صورتیں چھوڑ کر باقی پانچ قسموں، المخنقۃ، الموقوذہ، المتردیۃ، النطیحۃ اور ما اکل السبع کے متعلق ہے۔ ان پانچوں صورتوں میں اگر جانور زندہ پایا گیا اور اسی حالت میں اس کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

(۱۰) **وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ**: اور وہ جانور جو نُصب پر ذبح کیا جائے حرام ہے۔ نصب وہ ان گھڑت پتھر ہیں جن کو مشرکین پوجنے اور نذر و نیاز کے لئے کھڑا کر لیتے تھے۔ جن پتھروں میں کوئی صورت کھدی ہوئی ہو وہ اصنام ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ نصب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن کو عرب کے مشرکین عبادت کے لئے نصب کرتے تھے اور جانوروں کو ان پتھروں کے پاس لے جاکر ذبح کرتے تھے۔ (المفردات ۴۹۴)

ایام جاہلیت میں عرب کے مشرکین پرستش کے لئے کہیں تو ترشے اور کھدے ہوئے پتھر کھڑے کر لیتے تھے اور کبھی ایسے ہی ان گھڑت پتھر کھڑے کر کے ان پر اپنے دیوی اور دیوتاؤں کے نام سے جانور قربان کرتے تھے اور کچھ خون ان پر بھی چھڑک دیتے تھے اور اس کو عبادت سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایسے جانوروں کو بھی حرام قرار دیا، خواہ ان کے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر ہی کہا جائے۔ کیونکہ اس ذبح سے ان کا اصل مقصد اور نیت غیر اللہ کی تعظیم و تقرب تھا۔

(۱۱) **وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ**: اور فال کے تیروں سے تقسیم کرنا بھی حرام ہے۔ قسمت معلوم کرنے یا حصہ مقرر کرنے کا یہ طریقہ فسق اور گمراہی ہے۔

اَزْلَام: زَلَم کی جمع ہے جس کی معنی برابر کرنے کے ہیں۔

ایام جاہلیت میں مشرکین نے جوئے کے تیر رکھے ہوئے تھے۔ انہی کے ذریعہ قربانی کے گوشت اور دیگر چیزوں کو تقسیم کرتے تھے۔ مثلاً کسی تیر پر دو حصے، کسی پر تین حصے لکھتے اور کسی کو خالی رہنے دیتے اور پھر سب ایک تھیلی میں ڈال دیتے پھر تھیلی میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکال لیتے اگر اس پر دو حصے لکھے ہوئے ہوتے تو جس کے نام سے وہ تیر نکالا جاتا اس کو دو حصے ملتے۔ اگر اس تیر پر تین حصے لکھے ہوئے ہوتے تو جس کے نام سے وہ تیر نکالا جاتا اس کو تین حصے ملتے۔ اگر خالی والا تیر نکل آتا تو جس کے نام پر وہ نکلتا اس کو کچھ نہ ملتا۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کاہن سے خبر طلب کی یا قسمت معلوم کی یا سفر سے رک جانے کا شگون لیا تو قیامت کے روز وہ جنت کے اعلیٰ درجات کو نہیں پا سکتا۔

ابو داؤدؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پرندوں کے ناموں سے، آوازوں سے اور گزرنے سے فال حاصل کرنا اور شگون لینا اور کنکریاں مارنا (یعنی ہار جیت یا کرنے نہ کرنے کا حکم معلوم کرنا) کفر سے ہے۔ (مظہری ۸ج/ ۳)

اس کے بعد فرمایا کہ اب کافر تمہارے دین پر غالب آنے سے مایوس ہو چکے ہیں ۔ یہ آیت ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن نازل ہوئی ۔ اس وقت مکہ اور تقریباً سارا عرب فتح ہو چکا تھا ۔ اس سے پہلے کافر مسلمانوں کو ختم کرنے اور کمزور کرنے کے منصوبے بنایا کرتے تھے فتح مکہ کے بعد ان کے حوصلے پست ہو گئے اور قوت ختم ہو گئی ۔ اس لئے اب مسلمانوں کو ان کی طرف سے مطمئن ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جانا چاہئے اور اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنا چاہئے ۔ اب کافروں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ۔

(حقانی ۲۴۴ ۔ ۲۴۷ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۷۵ ۔ ۲۷۷ / ۲)

اِکمالِ دین و اتمامِ نعمت

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا ۔

مقامِ نزول: یہ آیت حجۃ الوداع میں عرفہ کے مقام پر جمعہ کے دن عصر کے بعد نازل ہوئی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی اونٹنی عضباء پر کھڑے تھے کہ وحی کے بار سے اونٹنی کے بازو ٹوٹنے لگے اور یہ آیت نازل ہوئی ۔

بغویؒ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس کو سن کر حضرت عمرؓ رو دیئے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ تم کیوں روتے ہو ۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ بات رلا رہی ہے کہ اب تک تو ہمارا دین ترقی پذیر تھا اور اب کامل ہو گیا تو کمال کے بعد آئندہ نقصان (کے احتمال) کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا ۔ (مظہری ۱۹ / ۳) ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو تین خصوصی انعام عطا فرمانے کی بشارت دی ہے ۔

(۱) **اِکمالِ دین:** یعنی دین حق کے تمام حدود و فرائض اور احکام و آداب مکمل کر دیئے گئے

اب اس میں نہ کسی اضافہ کی ضرورت باقی ہے اور نہ کمی کا احتمال۔ اسی لئے اس کے بعد احکام اسلام (حلال و حرام، فرائض و سنن وغیرہ) میں سے کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا۔ البتہ اس آیت کے بعد جو چند آیتیں نازل ہوئیں، ان میں یا تو ترغیب و ترہیب کے مضامین ہیں یا جو احکام پہلے نازل ہو چکے تھے ان کی تاکید ہے۔

ہر نبی اور رسول کا دین اس کے زمانے کے اعتبار سے کامل و مکمل تھا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ جو دین ایک نبی کے زمانے اور اس کی قوم کے لئے مکمل ہے وہ اس کے بعد کے زمانوں اور قوموں کے لئے مکمل نہ ہوگا۔ لہٰذا بعد والوں کے لئے اس دین کو منسوخ کر کے دوسرا دین و شریعت نافذ کی جائے گی۔ اس کے بر عکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپؐ پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب تاقیام قیامت نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی شریعت۔ شریعتِ محمدی ہی قیامت تک نافذ العمل رہے گی۔ لہٰذا یہ شریعت ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے۔ یہ کسی زمانے، قوم، ملک اور خطہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ہر قوم، ہر ملک، ہر خطہ اور ہر زمانے کے لئے ہے۔

(۲) **اتمامِ نعمت**: اس سے مراد مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کا مغلوب و مفتوح ہونا ہے، جس کا ظہور فتح مکہ سے اور حجۃ الوداع کے سال حج میں کسی مشرک کے شریک نہ ہونے کے ذریعہ ہوا۔

(۳) **دینِ اسلام کا انتخاب**: اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دین اسلام کو منتخب فرما لیا ہے۔ یہ دین ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں نجات اخروی کا انحصار ہے۔ (معارف القرآن ۳۲۔۳۸/ ۳)

حالتِ اضطرار کا حکم

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

پھر جو بھوک کی شدت سے بے قرار ہو جائے۔ بشرطیکہ اس کا میلان گناہ کی طرف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اُضْطُرَّ: وہ بے بس ہو گیا۔ وہ بے تاب ہو گیا۔ اِضْطِرَارٌ سے ماضی مجہول۔

مُخْمَصَةٍ : سخت بھوک ۔ پیٹ کا غذا سے خالی ہونا ۔ اسم ہے ۔
مُتَجَانِفٍ : گناہ کی طرف مائل ہونے والا ۔ جھکنے والا ۔ تَجَانُفٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح : آیت کے شروع میں جن جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے ، یہاں ایک خاص حالت کو اس حرمت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے ۔ پس اگر کوئی شخص بھوک کی شدت سے بیتاب ہو جائے اور اس کی موت کا خطرہ لاحق ہو اور کوئی حلال چیز ملنا محال ہو تو ایسی اضطراری حالت میں اگر وہ مذکورہ بالا حرام جانوروں میں سے کچھ کھالے تو اس کے لئے گناہ نہیں بشرطیکہ وہ پیٹ بھرنے یا لذت حاصل کرنے کے لئے نہ کھائے بلکہ صرف اتنا کھائے کہ اس سے اس کی اضطراری کیفیت ختم ہو جائے ، یعنی اس کی جان بچ جائے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ، وہ خوب جانتا ہے کہ اس بندے نے اس کی حد نہیں توڑی بلکہ اس نے بے بسی اور حالت اضطرار میں ایسا کیا ہے ۔ (معارف القرآن ۳۸ / ۳)

صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ایسا پسند ہے جیسا اپنی نافرمانی سے رک جانا ۔

حلال چیزوں کا بیان

۴ ۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے ۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہیں اور جو شکاری جانور تم نے شکار پر دوڑانے کے لئے سدھائے ہوئے ہیں اور تم ان کو (شکار کرنے کا) وہ طریقہ سکھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں تم اس کو کھالو اور (شکاری جانور کو چھوڑتے وقت) اس پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا

ہے۔

اَلْجَوَارِح: زخمی کرنے والے۔ مراد شکاری جانور خواہ چوپائے ہوں یا پرندے جیسے کتا، چیتا، باز، شاہین وغیرہ۔ جَرْحٌ سے مشتق ہے۔ واحد جَارِحَۃٌ (مظہری ۲۱ / ۳)۔

مُکَلِّبِیْنَ: کتوں اور درندوں کو شکار کی تعلیم دینے والے۔ تربیت دینے والے تَکْلِیْبٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: طبرانیؒ، حاکمؒ، بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت ابو رافعؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے اجازت دے دی مگر حضرت جبرائیل نے داخل ہونے میں تاخیر کی تو آپؐ اپنی چادر لے کر (اوڑھ کر) باہر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ حضرت جبرائیلؑ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم نے تو آپ کو (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت دے دی تھی۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ بیشک (آپؐ نے اجازت دے دی تھی) مگر ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر یا کتا ہو۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک کوٹھڑی میں کتے کا بچہ موجود تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت ابو رافعؓ کو مدینے کے سب کتے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ اس پر کچھ لوگوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت (نوعِ حیوانی) میں سے ہمارے لئے کیا حلال ہے، جس کے قتل کا آپؐ نے حکم دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریرؒ نے عکرمہؒ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کے لئے، حضرت ابو رافعؓ کو بھیجا اور وہ (کتوں کو قتل کرتے کرتے) بالائی مدینے تک پہنچ گئے تو (حضرت) عاصمؓ بن عدی اور (حضرت) سعدؓ بن حتم اور (حضرت) عویمؓ بن ساعدہ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ (یعنی کتوں) میں سے کیسے (کتے پالنا) ہمارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عدی بن حاتم طائی اور حضرت زید بن مہلہل طائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہم لوگ کتوں اور بازوں سے شکار کرتے ہیں اور آل ذریح کے کتے تو نیل گائے، گورخر اور ہرنوں کا شکار کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مُردار کو حرام کر دیا ہے۔ پس ہمارے لئے کیا حلال ہے (یعنی ہم کتوں سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور ان کا کیا ہوا کون سا شکار کھا سکتے ہیں)۔ (مظہری ۲۰، ۲۱ / ۳، جلالین ۳۱۲، ۳۱۴)

تشریح: ایام جاہلیت میں عرب قومیں بعض چیزوں کو پاکیزہ اور حلال سمجھنے کے باوجود محض اپنے وہم اور شبہ کی بنا پر ان کا کھانا حرام جانتی تھیں حالانکہ شریعت نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ یا تو ناپاک، گندی اور نقصان دہ ہیں یا بتوں کے نام منسوب ہونے سے ان میں عارضی طور پر ناپاکی آگئی ہے۔ پس صحابہ کرامؓ بھی اپنے اسی شبہ اور وہم کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و طیب چیزوں کے بارے میں سوال کرتے تھے، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام پاک اور ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں اور جس کتے کو شکار کرنا سکھا دیا جائے اور اس بات کا اطمینان و امتحان ہو جائے کہ وہ تمہارے کہنے سے شکار پر منہ ڈالتا ہے اور منع کرنے سے رک جاتا ہے اور وہ اس شکار کو خود نہیں کھاتا اور اس کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا گیا ہے تو ذبح کئے بغیر بھی اس کا شکار کھانا درست ہے کیونکہ اس کتے کا شکار کو پکڑ کر پھاڑ ڈالنا ہی ذبح کرنا ہے۔ اس میں نجس العین جانوروں کے سوا وہ سب جانور شامل ہیں جو قابل تعلیم ہیں، مثلاً چیتا، باز وغیرہ۔

(حقانی ۲۴۸، ۲۴۹ / ۲)

حضرت عدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم بسم اللہ کہہ کر کتے کو چھوڑو اور کتا جا کر شکار کو پکڑ لے اور تم شکار کو زندہ پالو تو اس کو ذبح کر لو اور اگر کتا اس کو قتل کر چکا ہو مگر اس نے خود اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو تو اس کو کھا سکتے ہو اور اگر کتے نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہو تو تم اس کو نہ کھاؤ، وہ کتے نے اپنے لئے پکڑا ہے۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کتے اور باز وغیرہ کو تم نے سدھا کر اور اللہ کا نام لے کر (شکار پر) چھوڑا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ لے، اس کو تم کھا سکتے ہو۔ میں (عدی) نے عرض کیا خواہ وہ شکار کو قتل کر چکا ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ خواہ اس نے قتل کر دیا ہو بشرطیکہ اس نے کھایا نہ ہو۔ اگر اس نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہو تو تم مت کھاؤ۔ وہ شکار اس نے اپنے لئے پکڑا ہے۔

(مظہری ۲۳ / ۳)

شکار کے احکام

شکاری کتے اور باز وغیرہ کے شکار کو چار شرطوں کے ساتھ حلال کیا گیا ہے۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہوگا۔ ہاں اگر مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر لیا جائے تو مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے قاعدے سے حلال ہوگا۔

(۱) کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور جب تم اس کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار کو پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اور خود اس کو نہ کھائے۔ اگر تم ان کو شکار پر چھوڑنے کے بعد واپس بلاؤ تو وہ فوراً واپس آ جائیں۔ پس ایسے جانوروں کا کیا ہوا شکار خود تمہارا شکار سمجھا جائے گا۔ اگر کسی وقت وہ تمہاری اس تعلیم کے خلاف کریں۔ مثلاً کتا شکار کو خود کھانے لگے یا تمہارے بلانے سے واپس نہ آئے تو ایسے شکار کا کھانا جائز نہیں۔

(۲) کتے یا باز کو تم اپنے ارادہ سے شکار کے پیچھے چھوڑو۔ اس آیت میں لفظ مکلبین سے یہی مراد ہے۔ اگر وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کر لیں تو اس کا کھانا حلال نہیں۔

(۳) شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگے بلکہ وہ اس کو پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے جیسا کہ مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ سے ظاہر ہے۔

(۴) شکاری جانوروں کو بسم اللہ کہہ کر شکار پر چھوڑا جائے۔

یہ چار شرطیں پوری ہونے پر اگر جانور تمہارے پاس آنے تک دم توڑ دے تب بھی وہ حلال ہے۔ اگر وہ تمہارے پاس زندہ حالت میں پہنچ جائے تو پھر اس کو ذبح کر لو۔ ذبح کے بغیر وہ تمہارے لئے حلال نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کرے۔ لفظ جوارح میں اس کا اشارہ ہے۔ (معارف القرآن ۴۰، ۴۱ / ۳)

عام طور پر آدمی دنیوی لذتوں میں منہمک ہو کر اور شکار وغیرہ کے مشاغل میں پڑ کر اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس لئے تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ تم ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور طیبات اور شکار سے نفع اٹھانے میں شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو اور یاد رکھو حساب کا دن کچھ دور نہیں جس میں تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل اور تمہاری زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب ہوگا۔

دائمی حِلت

۵۔ اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ

آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں۔

تشریح: اسلام نے جن جانوروں کو حرام قرار دیا ہے ان میں سے ایک قسم تو وہ ہے جن میں ذاتی طور پر خبث (گندگی) پایا جائے جیسے خنزیر وغیرہ۔ دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جن کی ذات میں تو کوئی خبث نہیں پایا جاتا مگر جانوروں کو ذبح کرنے کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے ان کو اس طریقہ سے ذبح نہیں کیا جاتا یا سرے سے ذبح ہی نہیں کیا جاتا جیسے جھٹکا کر کے مارنا، چوٹ کے ذریعہ مارنا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کرنا۔ یہ سب صورتیں شرعاً ناجائز ہیں۔ ان کی وجہ سے جانوروں میں خبث پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اضطراری حالت کے سوا کسی حالت میں بھی ان کا کھانا حلال نہیں۔ (معارف القرآن ۳/۴۶)

اس آیت میں آج سے مراد دس ہجری عرفہ کا دن ہے جس میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ان کے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دیں، حالانکہ ان پاکیزہ چیزوں میں سے بہت سی چیزیں یہود کی سرکشی اور ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئیں تھیں۔ اب تمام پاکیزہ چیزیں جن میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو یہود پر حرام تھیں، مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے حلال کر دی گئیں۔ یہ حلت اب کبھی منسوخ نہ ہوگی۔ یہ حکم اسی سورت کی پہلی آیت میں بھی آچکا ہے مگر یہاں تاکید کے لئے دہرایا گیا ہے۔

اہلِ کتاب کے کھانے کی حِلت

وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ ز

اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔

تشریح: جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک یہاں کھانے سے مراد ذبیحہ جانور ہیں اور کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو جیسے توریت، انجیل،

زبور، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفے وغیرہ۔ اس آیت میں اہل کتاب کے طعام کو جو حلال قرار دیا گیا ہے اس سے ان کا ہر قسم کا کھانا مراد نہیں بلکہ اس سے ان کے ذبائح اور کھانے کی وہ چیزیں مراد ہیں جو ناپاک اور حرام نہیں۔ (حقانی ۲۵۰ / ۲)

اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور تین شرطوں کے ساتھ حلال ہے۔

(۱) وہ ذبیحہ ان جانوروں میں سے نہ ہو جن کو مسلمانوں کے لئے قرآن و سنت میں حرام قرار دیا گیا جیسے خنزیر کا گوشت۔

(۲) ذبح کے وقت مذبوحہ جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، کیونکہ اہل کتاب کے صحیح عقیدے کے مطابق بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح جائز نہیں۔ اگر اہل کتاب نے حضرت مسیح اور حضرت عزیر کا نام لے کر جانور ذبح کیا تو وہ حلال نہیں۔ اہل کتاب کے سوا کسی اور دین اور مذہب والے کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال نہیں خواہ وہ ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنا بھی معتبر نہیں۔

(۳) ذبح کرنے والا اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو۔ اس لئے کہ مرتد کا ذبیحہ باجماع امت حرام ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۸۸ / ۲)

اہلِ کتاب عورت سے نکاح

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

اور پاکدامن مومن عورتیں اور ان لوگوں کی پاکدامن عورتیں بھی (تمہارے لئے حلال ہیں) جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی جبکہ تم ان کا مہر ادا کر دو اور تمہارا مقصد ان سے نکاح کرنا ہو، علانیہ بدکاری اور خفیہ آشنائی کرنا نہ ہو اور جس نے ایمان کی باتوں سے انکار کیا تو اس کا عمل غارت ہوا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا۔

الْمُحْصَنٰتُ: پاکدامن عورتیں۔ شوہر والی عورتیں۔ اِحْصَانٌ سے اسم مفعول
مُسَافِحِيْنَ: بدکار۔ زنا کرنے والے۔ سِفَاحٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُسَافِحٌ
مُتَّخِذِيْ: پکڑنے والے۔ بنانے والے۔ اِتِّخَاذٌ سے اسم فاعل
اَخْدَانٍ: خفیہ آشنائی کرنے والے۔ واحد خِدْنٌ۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

تشریح: آیت کے اس جملے میں دو جگہ **مُحْصَنٰتُ** کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی عربی لغت و محاورہ کے اعتبار سے آزاد عورتوں (جو کنیزیں نہ ہوں) کے بھی ہیں اور عفیف و پاکدامن عورتوں کے بھی۔ یہاں یہ دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ مگر جمہور علماء و صحابہ و تابعین کے نزدیک یہاں عفیف و پاکدامن عورتیں مراد ہیں۔ پس جس طرح عفیف و پاکدامن مسلمان عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح اہل کتاب کی عفیف و پاکدامن عورتوں سے بھی مسلمان مردوں کا نکاح جائز ہے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں عفیف و پاکدامن عورتوں کی قید کا مطلب یہ نہیں کہ غیر عفیف عورتوں سے نکاح حرام ہے بلکہ اس قید کا منشا بہتر اور مناسب صورت کی ترغیب دینا ہے کہ خواہ تم مسلمان عورت سے نکاح کرو یا اہل کتاب سے دونوں صورتوں میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ جس عورت سے نکاح ہو وہ عفیف و پاکدامن ہو اور بدکار و فاسق نہ ہو کیونکہ بدکار و فاسق عورت سے نکاح کا رشتہ جوڑنا دین و دنیا دونوں کی تباہی و بربادی ہے، لہذا اس سے بچنا چاہئے۔

اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو توریت و انجیل پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو لوگ کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتے ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن و سنت سے ثابت نہ ہو تو وہ لوگ اہل کتاب میں داخل نہیں جیسے مشرکین مکہ، مجوس، بت پرست ہندو، بدھ، آریہ، سکھ وغیرہ۔

اس زمانے میں غیر مسلموں کے جتنے فرقے اور جماعتیں موجود ہیں ان میں سے صرف وہ یہود و نصاریٰ ہی اہل کتاب میں شمار ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں اور توریت و انجیل کو آسمانی کتاب مانتے ہوں۔ باقی مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں خواہ وہ آتش پرست ہوں یا بت پرست ہندو ہوں یا سکھ یا آریہ اور بدھ وغیرہ۔ اسی لئے باجماع امت موجودہ زمانہ کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح

حلال ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور قوم کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام ہے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں ، جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَلَاتَنْکِحُوا الْمُشْرِکَاتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ (البقرۃ آیت ۲۲۱)

اور تم مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں (معارف القرآن ۶۰ ۔ ۶۳ / ۳)

پھر فرمایا کہ تم بھی پاک دامن رہو ، علانیہ یا پوشیدہ بدکاری نہ کرو ۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورتوں کے ساتھ پاک دامنی اور عفت کی شرط لگائی اسی طرح مردوں کے ساتھ بھی لگائی ہے ۔ (ابن کثیر ۲۱ / ۲)

آیت کے آخر میں واضح طور پر بتایا گیا کہ اہل کتاب کے ساتھ یہ رعایت کہ مسلمانوں کے لئے ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کا جواز صرف دنیا کی حد تک ہے ۔ آخرت میں اہل کتاب اور دیگر کفار کے مابین کوئی فرق نہیں ہو گا ، آخرت میں سب کافروں کا ایک ہی حکم ہے ۔ سب کے اعمال اکارت ہیں اور سب نقصان اٹھانے والے ہیں ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۹۳ / ۲)

وضو ، غسل اور تیمم

۶ ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک اپنے

ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں (دھو لیا کرو) اور اگر تم ناپاک (حالت جنابت میں) ہو تو نہا لیا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے (فارغ ہو کر) آئے یا تم میں سے کسی نے عورت کو چھوا ہو (قربت کی ہو) ، پھر تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو اور اس سے اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لیا کرو ۔ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک رکھنا چاہتا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے تاکہ تم شکر گزار رہو ۔

وُجُوْهَكُمْ: چہرے ، منہ واحد وَجْہٌ ۔ اس کی حد پیشانی کے بالوں کی جڑوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک ہے ۔

الْمَرَافِقِ: کہنیاں ۔ واحد مِرْفَقٌ ۔ وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونا چاروں اماموں کے نزدیک واجب ہے ۔

الْكَعْبَيْنِ: دونوں ٹخنے ۔ واحد کَعْبٌ ۔ کعب وہ ہڈی ہے جو پنڈلی اور قدم کے جوڑ کے دونوں طرف ابھری ہوئی ہوتی ہے ۔

الْغَآئِطِ: وسیع نشیبی میدان ۔ قضائے حاجت کی جگہ ۔ جمع غِيَاطٌ و اَغْوَاطٌ

صَعِيْدًا: مٹی ۔ خاک ۔ زمین ۔ صُعُوْدٌ سے صفت مشبہ

حَرَجٍ: حرج ۔ تنگی ۔ گناہ مصدر ہے ۔

ربطِ آیات: سورت کے شروع میں عقود اور عہدوں کو پورا کرنے کی تاکید تھی ۔ پھر کھانے پینے کی چیزوں کی حلت کا بیان اور ان عورتوں کا ذکر تھا جن سے مسلمانوں کو نکاح کی اجازت دی گئی ۔ ان سب چیزوں کا تعلق دنیوی زندگی سے تھا ۔ اس آیت میں نماز کے لئے طہارت حاصل کرنے کی تاکید اور اس کے چند احکام کا ذکر ہے ۔

شانِ نزول: بخاریؒ نے قاسم کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہم مدینہ کی طرف آرہے تھے کہ میرا ہار کہیں صحرا میں گر پڑا ، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑاؤ کرنا پڑا ۔ (لوگ ہار تلاش کرنے لگے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر سو گئے ۔ اتنے میں ابو بکرؓ آئے اور مجھے مکے مارنے لگے اور فرمانے لگے کہ تو نے ایک ہار کے لئے لوگوں کو روک رکھا ہے ۔ کچھ دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور صبح کی نماز کا

وقت آگیا۔ وضو کے لئے پانی تلاش کیا گیا مگر پانی نہ ملا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت اُسَید بن حُضَیرؓ نے کہا کہ اے ابو بکر کے گھرانے والو! تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو برکت عطا فرمائی۔ طبرانی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے ایک حدیث بیان کی جس میں اتنا زائد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور حضرت ابو بکرؓ نے (حضرت عائشہؓ سے) فرمایا کہ بلاشبہ تو برکت والی ہے۔ (مظہری ۳۹ / ۳)

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے آپ کو کفر و معصیت کی نجاست و گندگی سے بچاؤ۔ حلال و طیب چیزیں کھاؤ، نیک اور پاکدامن عورتوں سے نکاح کرو۔ پھر جب تم دربار خداوندی میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز پڑھنے لگو تو حلال و طیب چیزیں کھانے اور پاکدامن عورتوں کے ساتھ اختلاط سے جو تمہاری باطنی طہارت میں خلل واقع ہو جاتا ہے، اس کو وضو یا غسل یا تیمم کے ذریعہ دور کرو۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۹۴ / ۲)۔

وضو کی فرضیت

اس آیت میں وضو کے چار فرض بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ **چہرے کا دھونا۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ:** لغت میں کسی عضو پر پانی بہانے کو غسل کہتے ہیں۔ کسی عضو کو محض تر کرنے کا نام غسل نہیں۔ غسل کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ عضو پر سے پانی بہہ کر اس کے کچھ قطرے نیچے ٹپک جائیں۔ اس اعتبار سے اگر کسی نے برف کے ڈلے کو منہ اور دیگر اعضا پر وضو کی غرض سے پھرایا اور ہوا کی گرمی یا جسم کی حرارت سے برف پگھل کر پانی کے کچھ قطرے منہ اور دیگر اعضاء کے اوپر سے بہہ کر نیچے ٹپک گئے تو وضو ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

وضو کے اعضاء کو وضو کے وقت ایک بار دھونا فرض ہے اور تین بار دھونا سنت ہے۔ ماتھے کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک کے حصے کو چہرہ کہتے ہیں۔ وضو میں اس تمام حصہ کا دھونا فرض ہے۔ کان اور ڈاڑھی کے درمیان خالی حصہ بھی چہرے

میں شامل ہے ، اس لئے جمہور کے نزدیک اس کا دھونا بھی فرض ہے ۔ اگر چہرے کا یہ حصہ دھونے سے رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا ۔ گھنی ڈاڑھی میں بالاتفاق بالوں کی جڑیں دھونا ضروری نہیں البتہ ڈاڑھی میں خلال کرنا مستحب ہے ۔ جیسا کہ ابن ماجہ اور ترمذی کی روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی میں خلال کیا کرتے تھے ۔ (حقانی ۲۵۳ / ۲)

اگر کسی کی ڈاڑھی میں بال کم ہوں اور بالوں میں سے جلد نظر آتی ہو تو جلد تک پانی پہنچانا ضروری ہے اور اگر ڈاڑھی گھنی ہو اور بالوں میں سے جلد نظر نہ آتی ہو تو جلد تک پانی پہنچانا ضروری نہیں بلکہ ڈاڑھی کی اوپر کی سطح کو دھو لینا کافی ہے ۔

۲۔ ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا ۔ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ : دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا فرض ہے ۔ جمہور کے نزدیک اس میں کہنیوں کا دھونا بھی شامل ہے ۔ آیت میں اس بات کی تشریح نہیں کہ پہلے دائیں ہاتھ کو دھوئے یا بائیں کو مگر مسنون یہ ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کو دھوئے ، پھر بائیں کو اور دھونے کی ابتدا ہاتھ کی طرف سے کرے ، کہنیوں کی طرف سے پانی ڈالنا شروع نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ اور خلافِ حدیث ہے ۔

۳۔ سر کا مسح کرنا ۔ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ : ہاتھ کو پانی سے تر کرکے کسی چیز کو لگانے کو مسح کہتے ہیں اور لغت میں عموماً چھونے کو مسح کہتے ہیں ۔ اس آیت میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ پورے سر کا مسح کیا جائے یا نصف کا یا چوتھائی کا ۔ اس لئے ائمہ عظام کا اس میں اختلاف ہے ۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور گردن کا شمار سر میں ہوتا ہے اس لئے کانوں کی طرح اس پر مسح کرنا بھی مستحب ہے ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سر کے چند بالوں کے مسح سے بھی فرض ادا ہو جائے گا ۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے ۔

۴۔ پاؤں دھونا ۔ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ : وضو میں دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا فرض ہے ۔ ہر پاؤں کو تین دفعہ دھونا اور دائیں طرف سے شروع کرنا سنت ہے ۔

وضو کی نیت کرنا ۔ پہلے پہنچوں تک ہاتھ دھونا ، کلی کرنا ، مسواک کرنا ، ناک میں پانی ڈالنا ، ہر عضو کو تین بار دھونا اور دائیں طرف سے شروع کرنا اور ترتیب کا خیال رکھنا یہ سب باتیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت ہیں اور سنت و مستحب شمار ہوتی ہیں۔
(حقانی ۲۵۳-۲۵۵ / ۲)

وضو کے طریقے کے بارے میں حضرت علیؓ کی حدیث اس طرح ہے کہ آپ نے تین کلیاں کیں، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ چہرہ دھویا اور تین مرتبہ دونوں بانہیں (دونوں ہاتھ کہنیوں تک) دھوئیں اور ایک مرتبہ سر کا مسح کیا پھر ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھوئے پھر کھڑے ہو گئے اور وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا۔ (مظہری بحوالہ ترمذی و نسائی ۵۳ / ۳)

مسند احمدؒ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن آپؐ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج آپؐ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر قصداً کیا ہے۔ (ابن کثیر ۲۱ / ۲)

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز میری امت کو بلایا جائے گا۔ ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص (اپنے چہرے اور ہاتھ پاؤں کی) چمک کو جس قدر بڑھا سکے، بڑھائے۔ (مظہری ۵۹ / ۲)

غسل کی فرضیت

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ط

اگر تم ناپاکی کی حالت میں ہو تو طہارت حاصل کرو، یعنی غسل کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا طریقہ اپنے فعل سے بیان فرمایا کہ پہلے نجاست دھو ڈالو، پھر وضو کر کے تین مرتبہ تمام جسم پر پانی بہا دو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غسل کے وقت کلی کرنا، اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے اور وضو میں سنت ہے۔ کیونکہ وضو میں صرف چہرہ کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے اور غسل میں **فَاطَّهَّرُوْا** کہا گیا جو مبالغہ کا صیغہ ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ جسم کے دھونے میں اتنا مبالغہ

کرو کہ ایک بال بھی باقی نہ رہے۔ (حقانی ۲۵۶ / ۲)

تیمم کا حکم

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى ..... وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ

تیمم وضو اور غسل کا قائم مقام ہے۔ اگر تم بیمار ہو جاؤ اور بیماری کی وجہ سے پانی کا استعمال تمہارے لئے نقصان دہ ہو یا تم سفر میں ہو اور پانی دستیاب نہیں اور بیماری یا سفر کے دوران تمہیں وضو یا غسل کی ضرورت پیش آجائے تو دونوں صورتوں میں پاک مٹی سے تیمم کر لو، جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر اپنے چہرہ کا مسح کر لو، پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کر لو۔

پھر فرمایا کہ اگر ہر حال میں تمہیں وضو اور غسل کا حکم دیا جاتا تو تم تنگی میں پڑ جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تو تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر پانی نہ ملے تو مٹی سے طہارت حاصل کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم نازل کر کے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ گزشتہ امتوں کو تیمم کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر اس کا شکر ادا کرو۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۰۲ / ۲)

ایفائے عہد

۷۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

اور اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے اور اس کے اس عہد کو بھی (یاد کرو) جو تم سے لیا گیا ہے جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بلاشبہ وہ دلوں کی باتیں خوب جانتا ہے۔

تشریح: اس آیت میں دو باتوں کا بیان ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کو یاد دلایا ہے جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرماکر اور ان کے ذریعہ عظیم دین اسلام کو پہنچا کر اس امت پر کیا۔

(۲) مسلمانوں کو اس عہد پر مضبوط رہنے کی ہدایت کی ہے جو انہوں نے بیعت کے وقت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی تابعداری اور مدد کرنے، دین اسلام پر قائم رہنے، اسے قبول کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لئے کیا تھا۔ اسلام لاتے وقت ہر مومن اپنی بیعت میں انہی باتوں کا اقرار کرتا تھا۔

بعض کے نزدیک یہاں عہد سے مراد عہد الست ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی ذریت کو آدمؑ کی پشت سے نکالنے کے بعد سب سے لیا تھا اور فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، اس وقت سب نے اقرار کیا تھا کہ ہم اس پر گواہ ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اس سے عہد امانت مراد ہے جس کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ

(الاحزاب ۷۲)

بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اس امانت کو انسان نے اٹھالیا۔

پھر فرمایا کہ احسان فراموشی اور عہد شکنی سے پرہیز کرتے رہو۔ ظاہری اعمال کا تو ذکر ہی کیا اللہ تعالیٰ تو ان اچھے یا برے خیالات سے بھی خوب واقف ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ (ابن کثیر ۳۰/ ۲)

عدل و انصاف کی تاکید

۸۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ

لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف سے گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کرو (اور) عدل کیا کرو یہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

يَجْرِمَنَّكُمْ: وہ تمہیں ضرور آمادہ کرتا ہے۔ وہ ضرور تمہارا باعث بنے گا۔ جَرْمٌ و جَرِيْمَةٌ سے مضارع بانون تاکید۔

شَنَاٰنٌ: دشمنی کرنا۔ عداوت رکھنا، مصدر سماعی۔

ربطِ آیات: گزشتہ آیات میں عبادات اور ان احکام کا ذکر تھا جن کا تعلق مکلف کی ذات سے تھا۔ اس آیت میں عدل و انصاف اور شہادتِ حق کے احکام کا بیان ہے جن کا تعلق دوسروں سے ہے۔ نظام عالم کا دارو مدار عدل و انصاف اور سچی شہادت پر ہے، اس لئے کہ عدل و انصاف اور سچی شہادت سے تمام مظالم و مفاسد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

تشریح: یہ مضمون تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ سورۂ نساء آیت ۱۳۵ میں بھی گزر چکا ہے۔ بنیادی طور پر دونوں آیتوں میں مسلمانوں کو ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کا یہی تقاضا ہے کہ دوست و دشمن کے ساتھ یکساں عدل و انصاف کیا جائے، نہ کسی کے ساتھ رعایت ہو اور نہ کسی کی حق تلفی۔

انسان کو عدل و انصاف سے روکنے اور ظلم و جور میں مبتلا کرنے کے عموماً دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک اپنے نفس یا اپنے دوستوں، عزیزوں کی طرف داری، دوسرے کسی شخص کی دشمنی اور عداوت، سورۂ نساء کی آیت کا روئے سخن پہلے مضمون کی طرف ہے اور سورۂ مائدہ کی اس آیت کا روئے سخن دوسرے مضمون کی طرف ہے۔ اسی لئے سورۂ نساء میں **شُهَدَآءَ لِلّٰهِ** کے بعد **وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ** فرمایا یعنی عدل و انصاف پر قائم رہو خواہ عدل و انصاف کا حکم خود تمہارے ہی خلاف ہو یا تمہارے والدین اور عزیز و اقارب کے خلاف ہو اور یہاں سورۂ مائدہ میں **شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ** کے بعد فرمایا **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا** یعنی کسی قوم کی عداوت و دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف کے خلاف کرنے لگو۔ مختصر یہ کہ مذکورہ دونوں آیتوں میں دو باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

(۱) خواہ معاملہ دوستوں سے ہو یا دشمنوں سے ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنا چاہئے ۔ کسی سے کسی قسم کے تعلق کی بنا پر اس میں کمزوری نہیں آنی چاہئے اور نہ کسی دشمنی اور عداوت کی بنا پر اس میں کوتاہی کی جائے ۔

(۲) سچی شہادت اور حق بات بیان کرنے سے گریز نہ کیا جائے تاکہ منصف کو صحیح فیصلہ کرنے میں دشواری پیش نہ آئے ۔

قرآن کریم میں کئی جگہ اس کی تاکید آئی ہے کہ سچی گواہی دینے میں کوتاہی اور سستی نہ کی جائے چنانچہ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۳ میں نہایت صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ

اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص اس کو چھپائے گا، اس کا دل گنہگار ہو گا ۔

گویا سچی گواہی دینا واجب اور اس کا چھپانا سخت گناہ ہے ۔ اس کے ساتھ ہی قرآن کریم میں یہ تاکید بھی فرمادی گئی کہ ۔

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ (بقرہ آیت ۲۸۲)

معاملے کی تحریر لکھنے والوں اور گواہوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے ۔ یعنی ان کو بلاوجہ پریشان نہ کیا جائے اور کم سے کم وقت میں ان کا بیان لے کر فارغ کر دیا جائے ۔

گواہی کی چند صورتیں

ڈاکٹری سرٹیفکٹ: عرف عام میں تو شہادت و گواہی کا مفہوم صرف کسی مقدمے میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینا ہے ۔ مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت یعنی گواہی کا بہت وسیع مفہوم ہے ۔ مثلاً اگر کوئی ڈاکٹر کسی بیمار کو یہ سرٹیفکٹ دے کہ یہ شخص کام کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کے قابل نہیں تو یہ بھی ایک شہادت ہے ۔ اگر ڈاکٹر نے واقعہ کے خلاف سرٹیفکٹ دیا تو جھوٹی شہادت ہو گی جو گناہ کبیرہ ہے ۔

امتحانی پرچوں پر نمبر لگانا: یہ بھی ایک شہادت ہے ۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے کسی کے نمبروں میں کمی بیشی کر دی گئی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے ۔ یہ حرام اور سخت گناہ ہے ۔ کامیاب ہونے والے طالب علم کو سند دینا اس بات کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت

وصلاحیت رکھتا ہے ۔ اگر واقعتاً وہ شخص ایسا نہیں ہے تو اس سند پر دستخط کرنے والے تمام لوگ شہادتِ کاذبہ کے مجرم ہوں گے ۔

اسمبلیوں کے انتخاب: اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے ۔ گویا ووٹ دینے والا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے نزدیک وہ امیدوار جس کو وہ ووٹ دے رہا ہے اپنی استعداد وقابلیت اور دیانت وامانت کے اعتبار سے قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے ۔ اس لئے ووٹ خوب سوچ سمجھ کر دینا چاہئے ۔

قرآن کریم کی رو سے ووٹ ایک سفارش بھی ہے کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے کہ فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے ۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۔ (نساء آیت ۸۵) ۔

جو شخص کسی نیک کام کی سفارش کرتا ہے تو اسے بھی اس کا حصہ ملے گا اور جو برے کام کی سفارش کرے گا اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے ۔

پس جو شخص اپنی ممبری کی مدت کے دوران غلط اور ناجائز کام کرے گا، ان سب کا وبال ووٹ دینے والے پر بھی پڑے گا ۔

شرعی اعتبار سے ووٹ کی ایک حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنی نمائندگی کے لئے وکیل بناتا ہے ۔ یہ وکالت ایسے حقوق سے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے ۔ اس لئے اگر کسی نااہل کو ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر ہے ۔ اس لئے ہر مسلمان ووٹر کا فرض ہے کہ وہ ووٹ دینے سے پہلے پوری تحقیق واطمینان کرلے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے ۔ اس میں کام کی صلاحیت اور دیانت وامانت ہے یا نہیں ۔ محض غفلت ولاپرواہی سے ایسے عظیم گناہ کا ارتکاب نہ کرے ۔

(معارف القرآن ۶۸ ۔ ۷۳ / ۳)

اہلِ جنت واہلِ دوزخ

۱۰۹ ۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کر لیا ہے ۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ اہل جہنم ہیں ۔

تشریح: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی بخشش اور ان کے لئے اجر عظیم یعنی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے ۔ یہ عدل و انصاف کا تقاضا بھی ہے اور مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و انعام اور مہربانی بھی ہے ۔ کیونکہ جنت نیک اعمال کے سبب اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ملے گی ۔

اس کے برعکس جن لوگوں نے کفر کیا ، اللہ تعالیٰ کے صاف و صریح احکام کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک اور اس کی آیتوں کی تکذیب ایسا ظلم عظیم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظلم اور بے انصافی نہیں ۔ اس لئے اس کی سزا کے طور پر کافروں کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رکھنا اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف اور اس کی حکمت ہے ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۳۰۴)

فتح و نُصرت کا راز

۱۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا جبکہ ایک قوم (اہل مکہ) نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے ۔

هَمَّ: اس نے ارادہ کیا ۔ اس نے قصد کیا ۔ ھَمٌّ سے ماضی

یَبْسُطُوْا: وہ بڑھائیں گے۔ وہ پھیلائیں گے۔ بَسْطٌ سے مضارع
فَکَفَّ: پس اس نے روک دیا۔ پس اس نے باز رکھا۔ کَفٌّ سے ماضی

شانِ نزول: اس آیت کے شانِ نزول میں کئی واقعات ہیں جن میں کوئی تضاد نہیں اور وہ سب کے سب مذکورہ آیت کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

(۱) بغویؒ نے اپنے سلسلہ سند سے مجاہدؒ، عکرمہؒ، کلبیؒ اور ابن بشارؒ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر ساعدیؓ کو مہاجرین و انصار کے تیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بنی عامر بن صعصعہ کی طرف (تبلیغ اسلام کے لئے) بھیجا۔ حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہو گئے اور بنی عامر کے ایک چشمہ پر پہنچ کر جس کا نام بیرِ معونہ تھا، بنی عامر بن طفیل سے مقابلہ ہوا۔ حضرت منذر اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے۔ صرف تین مسلمان بچے جو گمشدہ اونٹ کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک عمروؓ بن امیہ ضمری تھے۔ یہ دیکھ کر کہ پرندے آسمان پر چکر کاٹ رہے ہیں اور ان کی چونچوں سے خون کے لوتھڑے زمین پر گر رہے ہیں، ان تینوں کو اندیشہ ہوا اور ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے ساتھی قتل کر دیئے گئے اور پھر وہ اپنے (مقتول) ساتھیوں کی طرف رخ کر کے دوڑنے لگے۔ راستہ میں ایک آدمی سے مقابلہ ہوا۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ آخر ان کے ایک کاری ضرب لگی تو انہوں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا اللہ اکبر۔ خدا کی قسم میں جنت میں داخل ہو گیا۔ ان کے دونوں ساتھی بھی اسی طرف چل دیئے۔ ان کا مقابلہ بنی سلیم کے دو آدمیوں سے ہوا (بنی سلیم بنی عامر کی ایک شاخ تھی) ان دونوں نے اپنا نسب بنی عامر سے ملایا تو دونوں مسلمانوں نے ان کو کافر سمجھ کر قتل کر دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی سلیم سے صلح کا معاہدہ کر چکے تھے۔ اس لئے بنی سلیم والے خون بہا مانگنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (خون بہا ادا کرنے کے لئے پیسہ نہ تھا، لہذا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو ساتھ لے کر کعب بن اشرف یہودی اور بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ تاکہ دیت ادا کرنے میں ان سے مالی مدد لیں کیونکہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا کہ یہودیوں اور مسلمانوں میں لڑائی نہ ہوگی اور (اگر مسلمانوں کو ضرورت ہوئی تو) خون بہا ادا کرنے میں مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر یہودیوں نے کہا کہ اے ابو القاسم! پہلے ہم آپ کو کھانا کھلائیں گے، پھر جو کچھ

آپ کا مطالبہ ہو گا وہ ہم آپ کو دے دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر آج تمہارے قریب ہیں آئندہ اتنے قریب کبھی نہیں آئیں گے۔ اس وقت اگر کوئی اس مکان کی چھت پر چڑھ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک بڑا پتھر گرا دیتا تو (ہمیشہ کے لئے) سکون ہو جاتا۔ (نعوذ باللہ)۔ یہ گفتگو سن کر عمر بن حجاش نے کہا کہ یہ کام میں کروں گا۔ چنانچہ وہ ایک بڑی چکی کا پاٹ گرا دینے کے ارادے سے چلا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ باندھ دیئے اور جبرائیل امین نے آکر آپؐ کو ان کے ارادے کی خبر دے دی اور آپؐ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینے واپس آنے کے ارادہ سے باہر آ گئے۔ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اگر میرے رفقاء میں سے کوئی شخص تمہارے پاس آکر میرے بارے میں معلوم کرے تو کہہ دینا کہ وہ مدینے کو گئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل کی یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب نکل آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابو نعیمؒ نے دلائل النبوۃ میں حضرت حسن بصریؒ کے طریق سے حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بنی محارب کے ایک آدمی نے جس کو غویرث بن حارث کہا جاتا تھا اپنی قوم والوں سے جاکر کہا کہ میں جاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آپؐ کی طرف آیا۔ اس وقت آپؐ بیٹھے ہوئے تھے اور تلوار گود میں رکھی ہوئی تھی۔ غویرث نے کہا کہ ذرا میں آپ کی تلوار دیکھوں۔ آپؐ نے فرمایا لو دیکھ لو۔ غویرث تلوار نیام سے کھینچ کر ہلانے لگا اور کہنے لگا کہ کیا آپؐ کو مجھ سے ڈر نہیں لگتا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ وہ کہنے لگا کہ میرے ہاتھ میں تو تلوار ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری حفاظت کرے گا، تجھ سے۔ یہ سن کر اس نے تلوار نیام میں رکھی اور آپؐ کو واپس کر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بیہقیؒ نے دلائل میں قتادہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ آیت کا نزول عربوں کے ایک قبیلہ کے بارے میں ہوا تھا۔ جس نے دھوکہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کے ارادے سے ایک بدو کو بھیجا۔ وہ بدو آپؐ کے پاس اس وقت پہنچا جب آپؐ کسی پڑاؤ پر آرام فرما رہے تھے۔ بدو آپؐ کی تلوار قبضے میں لے کر کہنے لگا کہ اب مجھے آپؐ (کو قتل کرنے) سے کون روک سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ۔ فوراً اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ مگر آپؐ نے اس کو سزا

نہیں دی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کو قتل کرنے کے ارادے سے زہر ملا کر کھانا تیار کیا اور آپؐ کی اور صحابہ کرام کی دعوت کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مطلع کر دیا اور آپؐ بچ گئے۔

بعض صحابہؓ کرام سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپؐ کو قتل کرنے کی سازش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کی اطلاع کر دی اور ان کی سازش خاک میں مل گئی۔ (مظہری ۶۱ - ۶۳ / ۳، ابن کثیر ۳۱ / ۲)

تشریح: اس آیت میں ایک بات تو خاص طور پر یہ بتائی گئی کہ دشمنوں نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو مٹا دینے اور قتل و غارت کر دینے کے منصوبے بنائے اور تیاریاں کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر ان کو ناکام و نامراد اور خائب و خاسر کر دیا۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ غیبی نصرت و امداد اور حفاظتِ خداوندی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس نصرت و امداد اور غیبی حفاظت کا دارو مدار تقویٰ اور توکل پر ہے۔ پس جو قوم یا فرد جس زمانے اور جس جگہ، تقویٰ اور توکل کو اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی ایسی ہی نصرت و امداد اور غیبی حفاظت و حمایت ہوگی۔

اس آیت میں یہ بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی فتح و نصرت صرف ظاہری ساز و سامان کی مرہون منت نہیں بلکہ ان کی اصل طاقت کا راز تقویٰ اور توکل میں مضمر ہے۔

(معارف القرآن ۷۴ - ۷۶ / ۳)

عہد و میثاق کی اہمیت

۱۲۔ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ○

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں ۔ اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور تم ان کی مدد کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو خوش دلی سے قرض دیتے رہے تو میں تمہارے گناہ ضرور تم سے دور کر دوں گا اور میں تمہیں ضرور ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ۔ پھر تم میں سے جس شخص نے اس کے بعد کفر کیا تو وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہوا ۔

نَقِیْبًا: سردار ۔ نَقَابَۃٌ سے صفت مشبہ جمع نُقَبَاءُ. یہاں نَقِیْبٌ سے مراد بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں سے ہر خاندان کا ایک سردار ہے جو اپنی قوم کے احوال کا نگران و ذمہ دار تھا ۔

عَزَّرْتُمُوْھُمْ: تم نے ان کی مدد کی ۔ تم نے ان کو قوت پہنچائی ۔ تَعْزِیْرٌ سے ماضی ۔

قَرْضًا حَسَنًا: قرض حسن ۔ وہ قرض جو لینے والے پر احسان رکھنے سے خالی ہو ، اپنے محبوب و مرغوب اور پاک و صاف مال میں سے اخلاص کے ساتھ دیا گیا ہو ، اس میں غرور و دکھاوا نہ ہو اور ان تمام امور سے پاک ہو جن سے عمل اکارت جاتا ہے ۔

ربطِ آیات: اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عہد و پیمان کی وفاداری ، حق پر قائم رہنے اور عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا ۔ اس آیت میں اس عہد و میثاق کی حقیقت و کیفیت کا بیان ہے جو سابقہ بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا ۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ عہد و میثاق لینا صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ان سے پہلے دوسری امتوں سے بھی اسی قسم کے میثاق لئے گئے تھے ۔ مگر وہ اپنے میثاق میں پورے نہیں اترے ، اس لئے ان پر طرح طرح کے عذاب مسلط کئے گئے ۔

بنی اسرائیل سے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک عہد لیا تھا جس کی صورت یہ تھی کہ بنی اسرائیل کی پوری قوم بارہ خاندانوں پر مشتمل تھی ان کے ہر خاندان سے ایک سردار چنا گیا ۔ جس نے اپنے خاندان کی طرف سے میثاق الٰہی کی پابندی کی ذمہ داری لی ۔ اس طرح بنی اسرائیل کے بارہ سردار اس بات کے ذمہ دار ٹھہرے کہ وہ خود بھی اس میثاق کی پابندی کریں گے اور اپنے خاندان سے

بھی کرائیں گے ۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے خود اس یثاق کی پابندی کی اور دوسروں سے بھی پابندی کرانے کا عزم کیا تو میری مدد و نصرت تمہارے ساتھ رہے گی اور تم ہر قدم پر اس کا مشاہدہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے اور اس یثاق کی نگرانی فرما رہا ہے ۔ تمہارا ہر فکر و خیال ، عزم و ارادہ اور حرکت و عمل اس کے علم میں ہے ۔ وہ تمہاری نیتوں اور ارادوں سے خوب واقف ہے ۔ یثاق کی خلاف ورزی کر کے تم کسی طرح بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتے ۔

یثاق کی چند اہم دفعات

(۱) نماز قائم کرنا، (۲) زکوٰۃ ادا کرنا: دوسرے قرآنی اشارات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کے فرائض صرف بنی اسرائیل ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ہر پیغمبر اور ہر شریعت میں ہمیشہ عائد رہے ۔

(۳) رسولوں پر ایمان لانا: اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان لانا اور ان کے مقصد رشد ہدایت میں ان کی تائید و مدد کرنا اور ان میں باہم تفریق نہ کرنا کہ کسی کو ماننے اور کسی کو نہ ماننے ۔ بنی اسرائیل میں چونکہ بہت سے رسول آنے والے تھے اس لئے خصوصیت سے ان کو اس کی تاکید فرمائی گئی ۔

(۴) اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے پیغمبروں کی حمایت میں اخلاص کے ساتھ اپنا محبوب مال خرچ کرنا اور اس میں کوئی دنیوی غرض شامل نہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو، قرض دینے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح قرض کا بدلہ قانوناً اور اخلاقاً واجب الادا سمجھا جاتا ہے ۔ اسی طرح یہ یقین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے کہ اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔

زکوٰۃ اور قرض حسن کے علیحدہ علیحدہ ذکر سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات و خیرات ہیں اور زکوٰۃ کے علاوہ کچھ دوسرے مالی حقوق بھی انسان کے ذمہ ہیں ۔ یثاق کی دفعات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر تم نے یثاق کی پابندی کی تو اس کی جزا

کے طور پر تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور تمہیں دائمی راحت و عافیت کی بیمثال جنت میں رکھا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی نے ان واضح ہدایات وارشادات کے بعد بھی سرکشی اختیار کی تو وہ سیدھی راہ چھوڑ کر اپنے ہی ہاتھوں تباہی کے گڑھے میں جا گرا۔

(معارف القرآن ۷۷۔۸۰ / ۳)

یہود کی محرومی

۱۳۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

پھر ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ (توریت کے) الفاظ کو ان کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ اس نصیحت میں سے ایک بڑا حصہ بھول گئے، جو ان کو کی گئی تھی اور ان میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع آپ کو ہمیشہ ملتی رہے گی۔ سو آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر فرمائیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

نَقْضِهِمْ: ان کا توڑنا۔ ان کا عہد شکنی کرنا۔

قٰسِيَةً: سخت ہونے والی۔ سیاہ ہونے والی۔ قَسْوٌ وقَسَاءٌ سے اسم فاعل۔

اِصْفَحْ: تو منہ پھیر لے۔ تو درگزر کر۔ صَفْحٌ سے امر۔

تشریح: یہود نے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو پس پشت ڈالا اور اللہ کے فرائض سے روگردانی کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عہد شکنی اور سرکشی پر ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اب نہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان میں نرمی آتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی آیات و تنبیہات کا ان پر کوئی اثر ہوتا ہے۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ وہ توریت میں

معنوی اور لفظی تحریف کرتے ہیں ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف توریت میں بیان کئے گئے ہیں وہ ان کو بدل دیتے ہیں اور الفاظ کے غلط معنی بیان کرتے ہیں اور ان کو جو نصیحت کی گئی تھی وہ اس کا ایک بڑا حصہ بھول گئے ۔ یعنی بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی معرفت ان کو اتباع محمدی کا جو حکم دیا گیا تھا اس کو بنی اسرائیل نے ترک کر دیا اور خیانت و غداری ان کی عادت میں داخل ہے ۔ ان کے بزرگ بھی اپنے زمانے کے پیغمبروں سے غداری کرتے رہے اور یہ بھی آپ سے غداری کرتے رہتے ہیں ۔ مگر ان یہود میں سے تھوڑے سے لوگ اس خیانت سے مستثنیٰ ہیں ۔ جیسے عبد اللہؓ بن سلام وغیرہ ۔ ایسے ہی نیک لوگ حضرت موسیٰؑ کے عہد نبوت میں ان پر ایمان لائے تھے ۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے بعد انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کی تھی اور اب آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپؐ پر ایمان لائے ۔

آپؐ کو درگزر کا حکم: آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپؐ کی ذات کو دکھ دینے اور ارادہ قتل کا جو جرم ان سے سرزد ہوا ہے، آپؐ اس سے درگزر فرمایئے اور ان کی حرکتوں کا مواخذہ نہ کیجئے بلکہ ان سے وہی سلوک کیجئے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۔ (مظہری ۶۴ ۔ ۶۶ / ۳)

نصاریٰ کو بد عہدی کی سزا

۱۴۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا ۔ پھر وہ بھی اس نصیحت کا ایک حصہ بھول گئے، جو ان کو کی گئی تھی ۔ سو ہم نے قیامت تک ان میں عداوت اور کینہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ۔

اَغْرَيْنَا: ہم نے بھڑکا دی، ہم نے ڈال دی ۔ (بصلہ ۔ بین) اِغْرَاءٌ سے ماضی

اَلْبَغْضَاءَ: بغض ۔ عداوت ۔ کینہ ۔ بُغْضٌ سے اسم مصدر

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے تھے ، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے ذریعہ ان سے بھی پختہ عہد لیا تھا کہ تم انجیل میں دی ہوئی بشارت کے مطابق اس رسول پر ایمان لانا جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو گا ۔ اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئیں گے ، ان کی مدد کرنا اور ان کی ہدایات پر عمل کرنا ۔ پھر وہ بھی اس نصیحت کا ایک حصہ بھول گئے ۔ جو ان کو انجیل میں کی گئی تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان پر ایمان لانے کی بجائے ، یہود کی طرح انہوں نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ۔ اس بد عہدی کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان میں آپس میں عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی ۔ اس عداوت کے نتیجہ میں ان میں بے شمار فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر و ملعون کہتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنے عبادت خانوں تک میں نہیں آنے دیتے ۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کفر و معصیت ، نصیحت کو بھلا دینے ، اللہ تعالیٰ کے ذمہ تہمتیں لگانے ، اس کے لئے بیوی اور اولاد مقرر کرنے ، آسمانی کتابوں کی خلاف ورزی اور انبیاء کی تکذیب جیسے جرائم کی سزا میں ان کو بری طرح پکڑے گا اور ان کو بتا دے گا کہ ان کی یہ تمام حرکتیں گمراہی کی تھیں ۔ (ابن کثیر ۲/۳۳ ، مظہری ۳/۶۷،۶۶)

اہلِ کتاب کو نصیحت

۱۶،۱۵۔ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌۙ۝ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا جو تمہیں بہت سی وہ باتیں صاف صاف بتاتا ہے جو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے ۔ بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور

روشن کتاب آچکی ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے طلب گار ہیں اللہ ان کو
اس کے ذریعہ سلامتی کا راستہ بتاتا ہے اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے
روشنی کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھی راہ پر چلاتا ہے ۔

شانِ نزول: ابن جریرؒ نے عکرمہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ یہودی رجم (سنگساری) کا حکم معلوم کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارا سب سے بڑا عالم کون ہے ۔ یہود نے ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا ۔ آپؐ نے ابن صوریا کو اس خدا کی قسم دی جس نے (حضرت) موسیٰ پر توریت نازل کی تھی اور بنی اسرائیل کے سروں پر کوہ طور کو بلند کر کے (توریت پر عمل کرنے کا) پختہ وعدہ لیا تھا ۔ پھر آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری کتاب میں رجم کی سزا ہے ۔ اگر ہے تو تم لوگوں نے اسے کس طرح ترک کر دیا ۔ ابن صوریا نے جواب دیا کہ جب ہمارے اندر زنا کی کثرت ہو گئی (اور سنگسار کرنا دشوار ہو گیا) تو ہم نے خود سو کوڑے مارنے اور سر مونڈنے کی سزا جاری کر دی ۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دے دیا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیتیں نازل فرمائیں ۔ (مظہری ۶۷ / ۳)

تشریح: یہاں تمام اہل کتاب کو مخاطب کر کے نصیحت کے طور پر فرمایا کہ دیکھو ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت و رسالت کے دلائل اور معجزے اور دین حق کے ساتھ تمہارے پاس آگئے ہیں ۔ تمہیں ایک عرصہ سے ان کا انتظار تھا اور ان کی صفات و بشارتیں تمہاری کتابوں توریت و انجیل میں موجود ہیں ۔

ان کی نبوت و رسالت کے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امی ہونے کے باوجود وہ تمہاری کتابوں کے مخفی علوم کو تمہارے سامنے ایسے حرف بحرف صحیح بیان کرتے ہیں کہ تمہیں اس کے انکار کی مجال نہیں ۔ مثلاً رجم اور قصاص کے وہ احکام جن کو تم چھپاتے تھے ۔ ظاہر ہے کسی ان پڑھ کا ان تمام علوم و احوال کو تمہاری کتابوں سے حاصل کرنا محال ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم و احوال وحی الٰہی کے ذریعہ بتائے گئے ہیں ۔

ان کے حلم و بردباری کا یہ حال ہے کہ وہ تمہاری بہت سی نامناسب و ناگوار باتوں اور احوال و واقعات سے درگزر کرتے ہیں اور علم ہونے کے باوجود ان کے اظہار سے چشم پوشی کرتے ہیں ۔ تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ایک نور ہدایت یعنی قرآن کریم

بھی نازل کیا ہے جو گمراہی کو مٹاتا اور ہدایت کو واضح کرتا ہے۔ رضائے الٰہی اور اس کی خوشنودی چاہنے والوں کو اللہ تعالیٰ اس کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کے ضابطے اور احکام بتاتا ہے اور اپنے فضل وارادے اور توفیق و تائید سے ان کو کفر و معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر راہ ہدایت پر لگادیتا ہے۔ پس اے اہل کتاب! تم بھی اس نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اس پر نازل ہونے والی کتاب مبین کو قبول کرکے اپنے کفر وجہالت کی تاریکی کو دور کرو اور ہدایت کی روشنی میں آجاؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور نجات ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۱۰، ۳۱۱ / ۲، ابن کثیر ۳۴ / ۲)

نصاریٰ کا باطل عقیدہ

۱۷۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀

بیشک وہ تو کافر ہی ہوگئے جنہوں نے یہ کہا کہ بیشک اللہ تو مسیح بن مریم ہی ہے آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ، مسیح بن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور سب زمین کے رہنے والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو پھر اللہ کے آگے کس کا بس چلے گا اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب پر اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تشریح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کا کفر بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے مخلوق کو خدائی کا درجہ دے رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ تمام مخلوقات، جن وانس چرند و پرند، حیوان وحشرات، شجر و حجر، زمین وآسمان، چاند وسورج، خشکی وتری، آگ وہوا وغیرہ سب اسی کی محکوم و مملوک ہیں اور سب فانی ہیں۔ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ بھی اللہ تعالیٰ کی

مخلوق اور قابل فنا تھے ۔ ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار سے باہر نہیں تھا ۔ بھلا جو فانی اور مخلوق ہو وہ کیسے خالق ہو سکتا ہے ؟

اگر اللہ تعالیٰ ، حضرت عیسیٰ ان کی والدہ اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہیے تو کسی کی مجال نہیں کہ آگے آکر اسے روک سکے اور ان کو فنا ہونے سے بچا سکے ، کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے اور کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرأت کر سکے ۔ تمام موجودات و مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے ۔ وہ جو چاہے کرے ۔ کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں ۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا ۔ اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے ۔ اس کی عظمت و عزت بہت بلند ہے ، وہ عامل و غالب ہے جسے جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور فنا کرتا ہے ۔ وہ سابق مادے کے بغیر بھی پیدا کرتا ہے جیسے آسمان اور زمین کو محض عدم سے وجود میں لایا ۔ اور غیر جنس کے مادے سے بھی پیدا کر سکتا ہے جیسے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور صرف نر سے بھی پیدا کر سکتا ہے جیسے حضرت حوا کو حضرت آدمؑ سے پیدا کیا اور صرف مادہ سے بھی پیدا کر سکتا ہے ۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت مریم سے پیدا کیا اور نر و مادے کے جوڑے سے بھی پیدا کر سکتا ہے جیسے اکثر جانوروں اور انسانوں کو پیدا کرتا ہے ۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ زندہ کرنا بھی اس کی قدرت میں ہے اور مار دینا بھی اس کی قدرت میں ہے ۔ (ابن کثیر ۳۴ / ۲ ، مظہری ۶۸ / ۳)

یہود و نصاریٰ کے دعوے کی تردید

۱۸۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں آپ کہہ دیجئے کہ پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے ۔ بلکہ اس کی مخلوق میں سے تم بھی ویسے ہی آدمی ہو (جیسے اور لوگ) ۔ وہ جس کو چاہتا

ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب پر اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

شانِ نزول: محمد بن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ نعمان بن حی اور بحری بن عمرو اور شاس بن عدی یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ گفتگو کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوالوں کے جواب دیئے اور ان کو اسلام کی دعوت پیش کی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔ اس پر یہودی بھی عیسائیوں کی طرح کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ ہمیں کس چیز سے ڈراتے ہیں۔ بخدا ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور چہیتے ہیں (وہ ہمیں عذاب کیسے دے گا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶۸ / ۳)

تشریح: یہود و نصاریٰ، اپنی نفسانی اغراض کے تحت، توریت و انجیل کی عبارتوں میں تحریف و تاویل کے ذریعہ ان کا مطلب الٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسی قسم کی تحریف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے لاڈلے فرزند ہیں۔ اس لئے وہ ہمیں عذاب نہیں دے گا۔ ان کے اس دعوے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارا گمان صحیح ہے تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں اور نافرمانیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے، حالانکہ باپ تو اپنی اولاد کو عذاب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تو تمہیں قتل، قید، ذلت اور صورتیں مسخ ہونے کے عذاب دیئے اور تم خود یہ دعویٰ کرتے ہو کہ آخرت میں تمہیں چند روز کے لئے دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ تم نہ تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہو اور نہ لاڈلے، بلکہ تم بھی دوسرے عام آدمیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہو۔ تمہیں بھی دوسروں کی طرح نیکی اور بدی کی جزا یا سزا دی جائے گی۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے کفر سے کم درجے کے گناہ، جس کے چاہے گا معاف فرما دے گا اور جس کو چاہے گا انصاف کے تقاضے کے تحت، ان گناہوں پر عذاب دے گا۔ وہ اس پر قادر ہے کہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے پکڑ لے، اس کے کسی حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے اور آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی مخلوق، اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے اور بیٹے ملک نہیں ہو سکتے۔ لہذا نہ تو حضرت عزیرؑ اللہ

تعالیٰ کے بیٹے تھے اور نہ حضرت عیسیٰ ۔ اس کے بعد فرمایا کہ آخر کار سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔ وہ ظالم نہیں عادل ہے ۔ وہ بندوں کے اعمال کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کرے گا اور سب کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا ۔

مسند احمدؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، صحابہ ۔ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ جارہے تھے ۔ راستہ میں ایک چھوٹا سا بچہ کھیل رہا تھا ۔ اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی طرف آرہی ہے تو اسے بچے کے کچلے جانے کا اندیشہ ہوا اور وہ میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی اور فوراً بچے کو گود میں اٹھالیا ۔ اس پر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عورت اپنے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی ۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے ۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا ۔

(مظہری ۶۸، ۶۹ / ۳، ابن کثیر ۳۴ / ۲)

اہلِ کتاب کو تنبیہ

۱۹۔ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا جو رسولوں کا آنا بند ہونے کے بعد تمہیں (ہمارے احکام) صاف صاف بتاتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا ۔ پس اب تمہارے پاس (ثواب کی) خوش خبری دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا آگیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

فَتْرَةٍ: سست ہونا ۔ موقوف ہونا ۔ کسی کام کو معطل کر دینا ۔

شانِ نزول: محمد بن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت اور ترغیب دی ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اے یہود کے گروہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔ بخدا تم ضرور جانتے ہو کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ۔ بعثت سے پہلے تو تم ہم سے آپؐ کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپؐ کے اوصاف بیان کرتے تھے ۔ اس کے جواب میں رافع بن حریملہ اور وہب بن یہودا کہنے لگے کہ ہم نے تم سے یہ نہیں کہا تھا اور (حضرت) موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی اور نہ (حضرت) موسیٰ کے بعد کسی شخص کو پیغمبر بنا کر بھیجا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔
(مظہری ۶۹ / ۳)

زمانہ فترت: شرعی اصطلاح میں کچھ عرصہ کے لئے نبوت و انبیاء کا سلسلہ بند رہنے کو زمانہ فترت کہتے ہیں اور یہ حضرت عیسیٰ کے بعد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کا زمانہ ہے ۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا زمانہ ہے ۔ اس تمام مدت میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ برابر جاری رہا، اس میں کبھی فترت نہیں ہوئی ۔ اس عرصہ میں صرف بنی اسرائیل میں سے ایک ہزار انبیاء مبعوث ہوئے اور غیر بنی اسرائیل میں سے جو انبیاء ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں ۔ پھر حضرت عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان صرف پانچ سو سال کا عرصہ ہے ۔ اس عرصہ میں انبیاء کا سلسلہ بند رہا، اس لئے اس کو زمانہ فترت کہتے ہیں ۔ اس سے پہلے کبھی اتنا زمانہ انبیاء کی بعثت سے خالی نہیں رہا ۔ بعض نے اس مدت کو ساڑھے پانچ سو برس بتایا ہے اور بعض اس کو پانچ سو چالیس برس کہتے ہیں ۔ امام بخاریؒ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ چھ سو سال کا تھا ۔ اس پوری مدت میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا ۔ یہی مشہور قول ہے ۔
(معارف القرآن ۹۰ / ۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے ۔ ان کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا ۔ آپؐ کی بعثت ایسے وقت ہوئی جب رسولوں کی تعلیمات مٹ چکی تھیں اور دنیا توحید کو بھلا چکی تھی ۔ جگہ جگہ مخلوق کی پرستش ہو رہی تھی ۔ مثلاً سورج، چاند، بت اور آگ وغیرہ کی پوجا ہوتی تھی ۔ کفر کی تاریکی ایمان کے نور پر چھا چکی تھی ۔ دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی کی زد میں تھا ۔ عدل و انصاف فنا ہو چکا تھا ۔ علم اور دین کی روشنی ناپید تھی ۔ ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا ۔ چند لوگوں کے

سوا زمین پر اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ تھا۔

اس تاریک ترین زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپؐ کے ذریعہ لوگوں کو سرکشی اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر راہ راست پر لگایا اور ایک روشن و ظاہر شریعت عطا فرمائی تاکہ لوگوں کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا، نہ ان کو کسی نے خوش خبری سنائی اور نہ کسی نے خبردار کیا۔ پس قادر مطلق نے اپنے برگزیدہ پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیج دیا تاکہ کسی کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ وہ اپنے فرماں برداروں کو ثواب دینے اور نافرمانوں کو عذاب دینے پر قادر ہے۔

جہاد کی ترغیب

۲۰، ۲۱۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے، جبکہ اس نے تم میں بہت سے نبی پیدا کئے اور اس نے تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو دنیا جہاں میں کسی کو بھی نہیں دیا۔ اے میری قوم! تم اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور پیٹھ پھیر کر واپس نہ لوٹو ورنہ خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

تَرْتَدُّوْا: تم پھر جاؤ۔ تم لوٹ جاؤ۔ اِرْتِدَادٌ سے مضارع

اَدْبَارِكُمْ: تمہاری پیٹھیں۔ تمہاری پشتیں۔ واحد دُبُرٌ

فَتَنْقَلِبُوْا: پس تم پھر جاؤ گے۔ پس تم پلٹ جاؤ گے۔ اِنْقِلَابٌ سے ماضی۔

ربطِ آیات: گزشتہ آیتوں میں اس عہد و میثاق کا ذکر تھا جو بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے بارے میں لیا گیا تھا۔ پھر ان کی عام عہد شکنی اور میثاق کی خلاف ورزی اور اس پر سزاؤں کا بیان تھا۔ ان آیتوں میں ان کی عہد شکنی کا ایک خاص واقعہ مذکور ہے۔

تشریح: جب فرعون اور اس کا لشکر دریا میں غرق ہو گئے اور حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے نجات پاکر مصر کی حکومت کے مالک بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید انعام فرمانے اور ان کا آبائی وطن ملک شام بھی ان کے قبضہ میں دینے کے لئے ان کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ جہاد کی نیت سے ارض مقدس یعنی ملک شام میں داخل ہوں اور ساتھ ہی ان کو اس جہاد میں فتح کی خوشخبری بھی سنادی۔ اس کے باوجود انہوں نے نافرمانی کی۔

ان آیتوں میں حضرت موسیٰ کی طرف سے اپنی قوم کو اسی جہاد کے لئے ترغیب دلانے اور آمادہ کرنے کا بیان ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلا کر، اطاعتِ خداوندی کی طرف مائل کرنے کے لئے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو کہ اس نے تم میں تمہیں میں سے ایک کے بعد ایک نبی بھیجا جو تمہیں دعوتِ توحید و ایمان دیتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کے ذریعہ تمہیں ہدایت و عزت عطا فرمائی اور تمہارے اندر بادشاہ بنائے اور تمہیں جاہ و حشم اور خادموں والا بنایا اور تمہیں وہ سب کچھ عطا فرمایا جو تمہارے زمانے میں کسی اور کو نہیں دیا۔

نبوت سے بڑھ کر کوئی دینی نعمت نہیں اور بادشاہت سے بڑھ کر کوئی دنیوی نعمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان دونوں نعمتوں سے نوازا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل فرعون کے غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نہ صرف ان کو فرعون کی غلامی سے نجات دی بلکہ ان کو ان کے ملک اور ان کی تمام املاک کا مالک بھی بنادیا اور اس کے علاوہ اس زمانے کے جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ نعمتیں بھی ان کو عطا فرمائیں۔ مثلاً انبیاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونا، دنیا میں عزت و بزرگی ملنا، من و سلویٰ اترنا، بادلوں سے سایہ کرنا، دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، پتھر سے بارہ چشمے برآمد ہونا، ان کے دشمنوں پر طرح طرح کے عذاب نازل ہونا۔ یہ سب وہ انعامات ہیں جو اس زمانے میں بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو عطا نہیں فرمائے۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ارض مقدس میں داخل ہو کر وہاں کے

لوگوں سے جہاد کرو ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور تمہیں اس سرزمین کا قبضہ پھر مل جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس سرزمین میں داخل ہونا تمہارے لئے لکھ دیا ہے ۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتے ہوئے مصر کی طرف یا کسی اور طرف پشت پھیر کر نہ لوٹو ورنہ تم دونوں جہاں کے ثواب سے محروم ہو جاؤ گے ۔

(حقانی ۲۶۵ / ۲، مظہری ۷۰ / ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۱۸ / ۲)

یہود کا اظہارِ بزدلی

۲۲، ۲۴ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا
حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝
قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا
ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ ۵
وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا
لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ
فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝

انہوں نے کہا: اے موسیٰ! بلاشبہ وہاں تو ایک زبردست قوم ہے اور ہم وہاں ہرگز داخل نہیں ہوں گے ۔ یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل جائیں ۔ پس اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو بیشک ہم وہاں داخل ہو جائیں گے ۔ اس پر ان دو شخصوں نے کہا جو اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور جن پر اللہ نے فضل کیا تھا کہ تم ان پر حملہ کر کے دروازے کی طرف سے داخل ہو جاؤ ۔ پھر جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے ۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو ۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! ہم تو ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ۔ پس تو اور تیرا رب دونوں جاکر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ۔

جَبَّارِيْنَ: بڑے زبردست ۔ سرکش لوگ ۔ طاقتور لوگ ۔ جَبْرٌ سے مبالغہ ۔ بغویؒ نے لکھا

ہے کہ جبار اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی زبردستی نہ کر سکے اور اس کا مقابلہ ممکن نہ ہو۔ (مظہری)

اَبَدًا: کبھی۔ ہمیشہ

هٰهُنَا: اس جگہ۔ یہاں یہ لفظ حرف تنبیہ (ھَا) اور اسم ظرف قریب (هُنَا) سے مرکب ہے۔

قٰعِدُوْنَ: بیٹھنے والے۔ قَعْدٌ و قُعُوْدٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت موسیٰ سے ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم سن کر بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اے موسیٰ، اس سرزمین پر تو بڑے قد آور اور طاقت ور لوگ رہتے ہیں، ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم اس شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ پس اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم وہاں جانے کے لئے تیار ہیں ورنہ آپ کے حکم کی تعمیل ہماری طاقت سے باہر ہے۔

بنی اسرائیل نے جب اپنے نبی کا حکم نہ مانا اور ان سے سخت کلامی اور بے ادبی کی تو دو شخص جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام و اکرام تھا ان کو سمجھانے لگے، کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ کہیں بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آجائے۔ انہوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو گے اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی مدد و تائید کے ذریعہ تمہیں ان پر غالب کر دے گا اور تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ ہم نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ ڈیل ڈول والے ہونے کے باوجود دل کے کمزور ہیں۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کے وعدے کا یقین رکھتے ہوئے دروازے تک تو چلو، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور غالب کرے گا، ان دونوں شخصوں کے سمجھانے کے باوجود بنی اسرائیل اپنی نافرمانی پر مضبوطی سے قائم رہے اور حضرت موسیٰ سے کہنے لگے کہ اس زبردست قوم کی موجودگی میں، ہم کسی صورت بھی اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔ پس تم اور تمہارا رب جا کر ان سے لڑ لو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے ان کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔ (ابن کثیر ۳۸/ ۲، مظہری ۷۳/ ۳)

حضرت موسیٰ کی التجاء

۲۵۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○

(حضرت) موسیٰؑ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں۔ پس تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی کر دے

تشریح: جب بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی سے کسی طرح باز نہ آئے اور ارض مقدس میں داخل ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ان سے بیزاری کا اظہار کیا کہ اے میرے رب! مجھے تو صرف اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ ان نافرمانوں پر میرا بس نہیں چلتا کہ ان کو تیری فرماں برداری پر مجبور کر سکوں۔ پس تو میرے اور میری قوم کے ان فاسق و بدکار لوگوں کے درمیان جدائی کر دے۔

نافرمانی کا انجام

۲۶۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پس اب یہ لوگ چالیس برس تک اس ملک سے محروم رہیں گے۔ یہ یونہی زمین میں سرگرداں رہیں گے۔ سو آپ اس نافرمان قوم پر رنجیدہ نہ ہوں۔

یَتِیْهُوْنَ: وہ سرگرداں رہیں گے۔ وہ پریشان پھریں گے۔ تَیْهٌ سے مضارع

تَاْسَ: تو افسوس کرتا ہے تو رنجیدہ ہوتا ہے۔ اَسیٌ سے مضارع

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ اب یہ لوگ اس سرزمین سے محروم کر دیئے گئے۔ نہ صرف یہ کہ یہ لوگ ملک شام نہ جا سکیں گے بلکہ اب اگر یہ اپنے وطن مصر کی طرف لوٹنا چاہیں گے تو وہاں بھی نہ جا سکیں گے اور چالیس سال تک اسی وادی تیہ میں

سرگرداں رہیں گے۔ ان کو کسی طرح بھی اس وادی کی حدود سے نکلنے کا راستہ نہ ملے گا۔

چنانچہ یہ لوگ چالیس سال تک اس وادی تیہ سے نکلنے کی تگ و دو کرتے رہے مگر نہ تو یہ اس سے نکل کر اپنے وطن مصر جاسکے اور نہ ارض مقدس پہنچ سکے۔ ہوتا یہ تھا کہ سارا دن سفر کے بعد جب شام ہوتی تو معلوم ہوتا کہ گھوم پھر کر وہ اسی مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صبح کو چلے تھے، حالانکہ اس میدان کا رقبہ بعض روایتوں میں ۳۰× ۹ فرسخ بتایا گیا ہے جو تقریباً ۹۰× ۲۷ مربع میل کے برابر ہوتا ہے اور بعض روایتوں میں اس کا رقبہ ۳۰× ۱۸ مربع میل بتایا گیا ہے حضرت مقاتلؒ کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل کی تعداد ۶ لاکھ تھی۔ (مظہری ۷۴، ۷۵ / ۳)

جب بنی اسرائیل کو وادی تیہ میں بھٹکتے ہوئے چالیس سال ہوگئے اور ان کی سزا کی میعاد پوری ہو گئی اور بنی اسرائیل کا من و سلویٰ سے دل بھر گیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سبزیوں، ترکاریوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ یہ تو عام سی چیزیں ہیں کسی بھی بستی سے مل جائیں گی۔ لہذا اپنی مطلوبہ اشیاء حاصل کرنے کے لئے کسی بستی میں چلے جاؤ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۶۱ میں ارشاد ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے (حضرت) موسیٰ سے کہا کہ ہم ایک طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے۔ پس اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے زمین سے اگنے والی سبزی اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کرے۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ کیا تم اعلیٰ درجے کی چیز کو ادنیٰ درجہ کی چیز سے بدلنا چاہتے ہو۔ (اگر تم یہی چاہتے ہو تو) کسی شہر میں اترو۔ پس جو تم نے سوال کیا ہے۔ (وہ سب) تمہارے لئے وہاں موجود ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر ایک بستی کی طرف روانہ ہوگئے۔
(جلالین صفحہ ۱۳، مواہب الرحمن ۱۷۶ / ۱)

بستی کے قریب پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ جس بستی

کا تم نے قصد کیا ہے اب تم اس میں سجدہ کرتے ہوئے اور لفظ حِطَّۃٌ کہتے ہوئے (گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے) داخل ہو جاؤ۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۵۸ میں ارشاد ہے:

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ اور بستی کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ اور عنقریب ہم نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔

پس اگر تم نے ہماری ہدایت پر عمل کیا اور اپنی پستی اور گناہوں اور میری نعمتوں کا اقرار کیا اور مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش طلب کی تو، چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت پسند ہیں، اس لئے میں تمہاری خطاؤں کو معاف کر دوں گا اور تمہارے حق میں اپنی نعمت زیادہ کر دوں گا اور تمہیں ارض مقدس عطا کر دوں گا۔ مگر بنی اسرائیل کو ثواب و مغفرت کے مقابلے میں سبزیوں، ترکاریوں اور گیہوں وغیرہ کی زیادہ خواہش تھی، اس لئے وہ ہٹ دھرمی اور نافرمانی پر قائم رہے اور بستی میں داخل ہوتے وقت وہ حِطَّۃٌ (بخشش مانگتے ہوئے، توبہ کرتے ہوئے) کی بجائے حِنْطَۃٌ (گیہوں) کہنے لگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کی نافرمانی اور فسق و فجور کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرمایا اور وہ اپنے کفر اور بداعمالیوں کی بنا پر نہ صرف ثواب و مغفرت سے محروم رہے بلکہ ان کو ارض مقدس میں داخل ہونا بھی نصیب نہ ہوا۔ (ابن کثیر ۹۹ / ۱، مظہری ۷۴ / ۱)

ہابیل و قابیل کی قربانی

۲۷۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

اور آپؐ ان کو (حضرت) آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک

ٹھیک پڑھ کر سنا دیجئے جب دونوں نے ایک قربانی پیش کی۔ سو ان میں سے ایک کی (قربانی) تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی (قربانی) قبول نہ ہوئی۔ وہ (قابیل) کہنے لگا کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ اس (ہابیل) نے جواب دیا کہ اللہ تو صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول فرماتا ہے۔

ربطِ آیات: گزشتہ آیتوں میں اہل کتاب کے اس فخر و دعوے کا رد فرمایا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لاڈلے بیٹے ہیں۔ آئندہ آیتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا واقعہ مذکور ہے۔ یہ دونوں حضرت آدمؑ کے صلبی بیٹے تھے، مگر جس نے اطاعت کی وہ مقبول ہوا اور جس نے نافرمانی کی وہ مردود ہوا اور حضرت آدمؑ کا بیٹا ہونا اس کے کچھ کام نہ آیا۔ لہٰذا یہ گھمنڈ کے ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں ذرا بھی فائدہ مند نہیں۔ نیز اس واقعہ سے بنی اسرائیل کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ حسد کا انجام برا ہوتا ہے۔ لہٰذا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کمال پر حسد کرنے کی بجائے اس پر نظر کرو کہ آپؐ بالکل امی ہیں۔ کسی کتاب کو پڑھ بھی نہیں سکتے مگر اس کے باوجود تمہارے سامنے توریت و انجیل کے مخفی علوم اور بنی اسرائیل کے گزشتہ واقعات کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ تمہارے علماء فضلاء کو انکار کی مجال نہیں۔ آخر غور تو کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے سوا کس نے بتائیں۔

تشریح: حضرت حواؑ کے بطن سے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور ان کے لئے حکم یہ تھا کہ ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی سے نکاح کر دیں۔ جڑواں بہن بھائی کا آپس میں نکاح حلال نہ تھا۔ سب سے پہلے لڑکے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بہت خوبصورت تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ خوبصورت نہ تھی۔ دستور کے مطابق حضرت آدمؑ نے ہابیل کی بہن کا قابیل کے ساتھ اور قابیل کی بہن کا ہابیل کے ساتھ نکاح کرنا چاہا مگر قابیل اس پر راضی نہ ہوا اور وہ ہابیل کا دشمن ہو گیا اور اصرار کرنے لگا کہ جو لڑکی اس کے ساتھ پیدا ہوئی ہے وہی اس کے نکاح میں دی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو اس سے منع فرما دیا اور کہا کہ یہ تیرے لئے حلال نہیں مگر وہ نہ مانا۔

حضرت آدمؑ نے اختلاف رفع کرنے کے لئے یہ صورت تجویز فرمائی کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی قربانی پیش کرو۔ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اسی کو دی جائے گی۔ اس زمانے میں قربانی قبول ہونے کی واضح علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آکر قربانی کو کھا لیتی تھی

جس قربانی کو آسمانی آگ نہ کھاتی وہ نامقبول سمجھی جاتی تھی ۔ چنانچہ دونوں نے قربانی کی ۔ ہابیل کے پاس بھیڑ، بکریاں تھیں اس لئے اس نے خوش دلی کے ساتھ ایک نہایت عمدہ اور فربہ دنبہ قربانی کر کے پہاڑ پر رکھ دیا ۔ قابیل کاشتکاری کرتا تھا اس لئے اس نے کچھ غلہ قربانی کے لئے پیش کیا ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے خراب غلہ قربانی کے لئے پیش کیا اور وہ بھی بے دلی سے ۔ پھر آسمان سے آگ نے آکر ہابیل کی قربانی کو تو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو یونہی چھوڑ دیا اور وہ قبول نہ ہوئی ۔ اس سے قابیل کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا اور بھائی کو قتل کی دھمکی دی ۔ ہابیل نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کی قربانی قبول فرماتا ہے ۔ اگر تم پرہیز گاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی بھی قبول ہو جاتی ۔ تم نے ایسا نہیں کیا اس لئے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی ۔ اس میں میرا کیا قصور ہے ۔

(مظہری ۷۸، ۷۹ / ۳، ابن کثیر ۴۱، ۴۲ / ۲)

ابن ابی الدنیا نے حضرت علیؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی (چھوٹا اور تھوڑا سا) عمل بھی قلیل نہیں ہوتا ۔ پس جو عمل قبول ہو جائے وہ قلیل کیسے ہو سکتا ہے ۔

ابن ابی حاتمؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ اگر یہ امر ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری نماز قبول فرمائی تو یہ بات میری نظر میں ساری دنیا اور موجودات دنیا سے زیادہ محبوب ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ صرف تقویٰ والوں کا عمل قبول فرماتا ہے ۔

ابن عساکرؒ نے فرمایا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر میرے علم میں آجائے کہ اللہ تعالیٰ میرا ایک عمل قبول فرما رہا ہے تو یہ بات میرے لئے زمین بھر سونے سے زیادہ محبوب ہو گی ۔ (مظہری ۷۹ / ۳)

ہابیل کا قتل

۲۸، ۳۰ لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا

الظّٰلِمِيْنَ ○ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ ہرگز نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر لے لے، پھر تو اہل دوزخ میں سے ہو جائے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ پس (قابیل) کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ پھر اس نے اس کو قتل کر ہی دیا اور وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

بَسَطْتَّ : تو نے دراز کیا۔ تو نے اٹھایا۔ بَسْطٌ سے ماضی۔

تَبُوْٓاَ : تو کمائے۔ تو حاصل کرے۔ تو اپنے سر لے لے۔ بَوْءٌ وَبَوَاءٌ سے مضارع

فَطَوَّعَتْ : پس اس نے رغبت دلائی۔ پس اس نے آمادہ کیا۔ تَطْوِيْعٌ سے ماضی۔

فَاَصْبَحَ : پس وہ ہو گیا۔ اِصْبَاحٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

تشریح : ہابیل اپنے بھائی قابیل کے مقابلے میں خوب تنومند اور طاقتور تھا۔ مگر تقویٰ اور خوف خدا نے اس کو دست درازی سے باز رکھا، اس نے صبر کیا اور اپنے بھائی کا ظلم و زیادتی برداشت کر لی اور اس پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ پھر ہابیل نے اپنے بھائی قابیل کو نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف دلایا کہ اس کام سے باز آجا ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کروں گا نہیں اور تو اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ میرے قتل اور خون ناحق کا سارا گناہ بھی اپنے سر لے گا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ہابیل کی اس نصیحت کے باوجود قابیل کے نفس نے اس کو دھوکہ دیا اور بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ آخر قابیل نے غصے اور حسد میں آکر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

قابیل نے جب ہابیل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کس طرح قتل کرے۔ ابن جریج کا بیان ہے کہ اس وقت شیطان بھیس بدل کر اس کے سامنے آیا اور ایک پرندے کو پکڑ کر پرندے کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر مار دیا۔ قابیل نے بھی یہ سب کچھ دیکھا اور پھر ہابیل کا سر پتھر پر رکھ کر کچل دیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قابیل نے سوتے میں ہابیل کو پتھر مار کر قتل کیا۔ پھر قتل کے اس جرم کی بنا پر وہ خسارہ اٹھانے والوں میں

سے ہو گیا ۔ دنیا میں بھی ساری عمر مارا مارا پھرتا رہا اور آخرت کے اعتبار سے بھی جنت کی بجائے دوزخ حاصل کی ۔ (مظہری ۸۰ ۔ ۸۲ / ۳)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ظلم سے قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ حضرت آدمؑ کے پہلے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ہوتا ہے کیونکہ قتل کا دستور سب سے پہلے اسی نے ایجاد کیا ۔

(مظہری بحوالہ بخاری شریف ۸۴ / ۳)

دفن کی تدبیر

۳۱ ۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیج دیا جو زمین کو کریدنے لگا تاکہ وہ اس کو دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے ۔ پھر وہ کہنے لگا کہ افسوس میری حالت پر میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا پھر وہ پشیمان ہو گیا ۔

غُرَابًا: کوا ۔ جمع اَغْرُبٌ ۔

یَبْحَثُ: وہ کھودتا ہے ۔ وہ کریدتا ہے ۔ بَحْثٌ سے مضارع

یُوَارِیْ: وہ ڈھانکتا ہے ۔ وہ چھپاتا ہے ۔ مُوَارَاةٌ سے مضارع

سَوْءَةً: لاش، عیب، رسوائی، جمع سَوْاٰتٌ

تشریح: اس سے پہلے چونکہ کوئی انسان نہ اپنی طبعی موت مرا تھا اور نہ قتل ہوا تھا اس لئے قتل کے بعد قابیل کی سمجھ میں نہ آیا کہ بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جس نے زمین کھود کر اس میں ایک مرے ہوئے کوے کو رکھ کر اس پر مٹی ڈال دی ۔ کوے کے فعل کو دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی بات آگئی اور وہ اپنے نفس پر ملامت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ ہائے افسوس میں اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش کو نہ چھپا سکا، پھر

وہ اس پر پشیمان ہو گیا ۔ بعض نے کہا کہ وہ بھائی کی جدائی پر پشیمان ہوا اور بعض نے قتل پر پشیمان ہونا مراد لیا ہے ۔ تاہم قتل پر پشیمان ہونے سے یہ مراد نہیں کہ اس کو اپنے جرم پر ندامت ہوئی اور اس نے اپنے فعل کو گناہ تصور کیا، بلکہ ندامت اس بات پر ہوئی کہ اس فعل کے ارتکاب سے ماں باپ کی ناراضگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا ۔ پھر اس نے ایک گڑھا کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو اس میں دفن کر دیا ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کوے کو قابیل کا معلم و رہنما اور قابیل کو اس کا شاگرد بنا دیا اور یہ کہ قابیل اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوے سے بھی زیادہ حقیر تھا ۔ (مظہری ۸۲ / ۳)

حیاتِ انسانی کی عظمت

۳۲ ۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ ۚ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ز ثُمَّ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ○

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ جو کوئی کسی کو مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے کے یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا ۔ اور جس نے کسی کو بچا لیا تو گویا اس نے سب کو بچا لیا اور بیشک ہمارے رسولؑ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے ۔ پھر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ دنیا میں زیادتی کرتے پھرتے ہیں ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ کے اس لڑکے کے بیجا قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ مقرر کر دیا کہ جو شخص کسی ایک شخص کو قتل کر دے جس نے نہ کسی کو قتل کیا ہو اور نہ زمین میں فساد پھیلایا ہو تو گویا اس نے بدامنی اور خون ناحق کا دروازہ کھول کر سب لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کے قتل سے باز رہے اور اسے حرام جانے تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا اور اپنے عمل سے امن و حیات کا دروازہ کھولا ۔ پس کسی شخص کے قتل سے باز رہنے یا کسی کو کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچا لینے کا ثواب اتنا ہے جتنا کہ

سارے جہاں کے لوگوں کو زندہ کرنے کا۔

بنی اسرائیل چونکہ قتل و خونریزی سے نہیں ڈرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم یاد دلایا اور کہا کہ تم ہزاروں نبیوں کو قتل کر چکے ہوں اور اب اللہ تعالیٰ کے رسول برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی فکر میں ہو۔ بلاشبہ ہمارے پیغمبران کے پاس صاف صاف احکام اور کھلے معجزے لے کر آچکے ہیں، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ فتنہ و فساد اور ظلم و تعدی سے باز نہیں آتے۔

ابن ماجہ میں حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک (کل) دنیا کی تباہی ایک مومن کے ناحق خون کے مقابلے میں حقیر ہے۔

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ، "میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ تو کیسا پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کیسی اچھی ہے، تیری عظمت کس قدر بڑی ہے، تیری عزت کتنی عظیم ہے۔ لیکن قسم ہے اس کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے، مومن کے مال و خون کی عزت و حرمت تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔ (مظہری ۸٦ / ۳)۔

شرعی سزائیں

۳۳، ۳۴۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں تو ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل

کر دیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں تو ان کے لئے بڑا ہی سخت عذاب ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں اس سے پہلے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

یُحَارِبُوْنَ: وہ جنگ کرتے ہیں۔ وہ لڑتے ہیں۔ مُحَارَبَۃٌ سے مضارع۔ محاربہ حَرْبٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کے اصل معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں۔ محاورہ میں طاقت کے ساتھ بدامنی پھیلانے اور سلامتی کو سلب کرنے کا نام محاربہ ہے۔ ظاہر ہے اکاد کا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا بلکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی طاقت ور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے۔ اس لئے فقہا نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکہ ڈالے اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو ڈاکو یا باغی کہا جاتا ہے۔ انفرادی جرائم کرنے والے چور یا گرہ کٹ اس میں داخل نہیں۔ اسی طرح مقاتلہ خونریز لڑائی کو کہا جاتا ہے، خواہ اس میں کوئی قتل ہو یا نہ ہو اور خواہ اس میں ضمناً مال بھی لوٹ لیا جائے۔ (معارف القرآن ۱۱۹ / ۳)

یُنْفَوْا: وہ نکال دیئے جائیں گے۔ نَفْیٌ سے مضارع مجہول

خِزْیٌ: ذلت، خواری، رسوائی مصدر ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کے سبب نزول میں مختلف روایتیں ہیں۔ ابن جریرؒ نے یزید بن ابی حبیب کی روایت سے لکھا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حضرت انسؓ کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور اس آیت کے متعلق آپ سے دریافت کیا۔ حضرت انسؓ نے جواب میں لکھا کہ اس آیت کا نزول عرینہ والوں کے متعلق ہوا تھا، جنہوں نے مرتد ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا تھا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے تھے۔

امام بخاریؒ وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے مگر مدینہ کی آب و ہوا

ان کو موافق نہ آئی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ صدقے کے اونٹوں کے (پڑاؤ کے) پاس جاکر رہیں اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پئیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی جب تندرست ہو گئے تو مرتد ہو کر چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں آدمی بھیجے۔ جب وہ گرفتار ہو کر آئے تو آپؐ نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر ان کو حرہ میں پھنکوا دیا۔ وہ انتہائی تشنگی (کی حالت) میں پانی مانگتے تھے مگر ان کو پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ آخر اسی حالت میں مر گئے۔ ابو قلابہ نے کہا کہ انہوں نے قتل بھی کیا تھا، مال بھی چرایا تھا، اللہ کے رسول سے جنگ بھی کی تھی اور زمین پر تباہی مچانے کی کوشش بھی کی تھی۔ سلیمان یتمی نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اس لئے سلائی پھروائی تھی کہ انہوں نے بھی چرواہوں کی آنکھیں پھوڑی تھیں۔

ضحاکؒ نے کہا کہ اس آیت کا نزول اہل کتاب میں سے ایک قوم کے متعلق ہوا جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا مگر انہوں نے معاہدہ توڑ دیا۔ راستے لوٹے اور زمین پر فساد پھیلایا۔

کلبیؒ نے لکھا کہ اس آیت کا نزول ہلال بن عویمر کے قبیلے کے حق میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن عویمر یعنی ابو برزہ اسلمی سے معاہدہ کیا تھا کہ ابو برزہ کی قوم نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دے گی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی دشمن کو مدد دے گی اور قبیلہ ہلال بن عویمر کا کوئی آدمی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرے گا تو وہ مامون رہے گا اور اس سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور اس کو چھیڑا نہ جائے گا۔

ایک بار قبیلہ کنانہ کے کچھ لوگ اسلام لانے کے ارادے سے چلے اور قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کی طرف سے ان کا گزر ہوا۔ قبیلہ اسلم، ہلال بن عویمر کا قبیلہ تھا۔ ہلال اس وقت موجود نہ تھا۔ بنی اسلم نے بنی کنانہ والوں پر چڑھائی کر دی اور مال چھین کر ان کو قتل کر دیا۔ (حضرت) جبرائیل امین یہ خبر لے کر آئے اور ان آیات کا نزول ہوا۔ (مظہری ۸۸،۸۷ / ۳)

تشریح: ان آیتوں میں قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی اور چوری کی شرعی سزاؤں کا بیان ہے۔ قرآن کریم کا یہ حکیمانہ اسلوب ہے کہ وہ دنیا کی تعزیرات کی کتابوں کی طرح صرف جرم و سزا کے بیان پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ہر جرم و سزا کے ساتھ خوفِ خدا اور آخرت کے تصور کو مستحضر کر کے

انسان کا رخ ایک ایسے عالم کی طرف موڑ دیتا ہے جس کا تصور اس کو ہر عیب و گناہ سے پاک کر دیتا ہے ۔ قرآن کریم کے اسی حکیمانہ اسلوب نے دنیا میں انقلاب برپا کیا اور ایسے انسانوں کا ایک معاشرہ پیدا کیا جو اپنے تقدس میں فرشتوں سے بھی اونچا مقام رکھتے ہیں ۔

شرعی سزاؤں کی قسمیں: شریعت اسلام میں جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں ۔

۱۔ **حدود:** قرآن کریم نے جن جرائم کی سزاؤں کو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر متعین کر کے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں ۔ ان کی پوری تفصیل و تشریح خود قرآن کریم نے بیان کر دی ہے ۔

حدود کے معاملے میں کسی حاکم و امیر یا حکومت کو ادنیٰ سے تغیر و تبدل یا کمی بیشی کا بھی اختیار نہیں اور نہ زمان و مکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے ۔ حتیٰ کہ صاحبِ حق انسان کے معاف کر دینے سے بھی حد ساقط نہ ہو گی ۔ مثلاً اگر کسی نے کسی کا مال چوری کیا ہے تو جس کا مال چوری کیا ہے اس کے معاف کر دینے سے بھی چوری کی شرعی سزا یعنی حد معاف نہ ہو گی ۔ شریعتِ اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں ۔

(۱) ڈاکہ، (۲) چوری، (۳) زنا، (۴) تہمت زنا، (۵) شراب خوری

ان پانچ قسم کے جرائم کی سزاؤں کو حدود کہا جاتا ہے ان میں سے پہلی چار سزائیں تو قرآن کریم میں منصوص ہیں ۔ پانچویں حد جو شراب خوری کی ہے وہ اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہے ۔ جس طرح حدود کی سزائیں اور ان کے نفاذ کا قانون سخت ہے اسی طرح ان جرائم کے ثبوت کی تکمیل کے لئے شرائط بھی نہایت سخت اور کڑی رکھی گئی ہیں ۔ ان شرائط میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے بلکہ اگر ثبوت میں ادنیٰ سا شبہ بھی پایا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے ۔

ڈاکہ و رہزنی کی شرعی سزا: پہلی آیت میں ان لوگوں کی سزا کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ و محاربہ کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں ۔ لہٰذا یہ سزا ان ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امن عامہ کو برباد کریں اور حکومت کے قانون کو علانیہ توڑنے کی کوشش کریں، مال لوٹنا، آبرو پر حملہ

کرنا، قتل و خونریزی کرنا، بدامنی پھیلانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔

قرآن کریم نے ڈاکہ اور رہزنی کی چار سزائیں ذکر کی ہیں:

(۱) ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جائے، (۲) ان کو سولی چڑھا دیا جائے، (۳) ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں، (۴) ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

ان میں سے پہلی تین سزاؤں کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ تینوں مبالغہ کے صیغے اور باب تفعیل سے ہیں جو فعل کی تکرار اور شدت پر دلالت کرتا ہے۔ نیز تینوں سزاؤں کے لئے جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، جو اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ ان لوگوں کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا عام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو اسی کو سزا دی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بدامنی پھیلانے والے گروہ کے ایک فرد سے بھی یہ جرم سرزد ہو گیا تو پورے گروہ کو قتل یا سولی یا ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ نیز یہ شرعی سزا حد کے طور پر نافذ کی جائے گی۔ لہذا اگر وہ لوگ جن کو نقصان پہنچا ہے اس کو معاف کر دیں تب بھی شرعاً یہ سزا معاف نہ ہوگی۔ ان سزاؤں میں امام یا امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرم کی شدت و خفت کو سامنے رکھ کر یہ سزائیں جاری کر سکتا ہے۔

چوتھی سزا زمین سے نکالنا ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے ان کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ایسے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو اس شہر سے نکال کر، جہاں جرم سرزد ہوا ہے، دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ وہاں لوگوں کو ستائے گا۔ اس لئے اس کو قید خانہ میں بند کر دیا جائے۔ یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا چاروں سزاؤں کی تفسیر و تشریح میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ جمہور نے حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے رہزنوں اور لٹیروں کے متعلق فرمایا کہ اگر لٹیروں نے قتل کیا ہو اور مال لیا ہو تو ان کو قتل کیا جائے اور صلیب دی جائے اور اگر صرف قتل کیا ہو مال نہ لیا ہو تو ان کو قتل کیا جائے، صلیب نہ دی جائے اور اگر صرف مال لیا ہو قتل نہ کیا ہو تو ان کے مخالف سمت کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور اگر راہ گیروں کو صرف خوفزدہ کیا ہو اور ان سے مال نہ چھینا ہو تو ان کو جلا وطن کر دیا جائے۔

ہدایہ میں ہے کہ جب رہزن قتل کا ارتکاب بھی کریں اور اموال بھی لوٹیں تو امام کو سزا میں اختیار ہے کہ پہلے مخالف سمتوں سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے اور بعد میں قتل کرے یا سولی پر چڑھا دے یا چاہے تو صرف قتل کرے یا سولی پر لٹکا دے۔ (کتاب السرقہ باب قطع الطریق)

۲۔ قصاص: اسلام نے جن جرائم کی سزاؤں کو بندے کے حق کے طور پر جاری کیا ان کو قصاص کہتے ہیں۔ قصاص کو بھی خود قرآن کریم نے پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام کا عادلانہ قانون یہ ہے کہ جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہو اسی کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ آزاد کے بدلے میں آزاد، غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت کو قتل کیا جائے۔ اسی طرح زخم کے بدلے میں مساوی زخم کی سزا دی جائے۔ اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلے میں قتل کرنا یا اگر قاتل غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد آدمی کا قتل کرنا ظلم عظیم ہے۔

قرآن و سنت نے قصاص میں بندے کے حق کی حیثیت کو غالب قرار دیا ہے اس لئے قاتل پر قتل کا جرم ثابت ہونے کے بعد اس کو مقتول کے ولی کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ وہ چاہے تو اس کو قصاص میں قتل کرا دے اور چاہے معاف کر دے۔ اس کو دونوں طرح کا اختیار ہے۔

ابی شریح خزاعیؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے: (۱) قصاص یعنی بدلہ لے لے، (۲) معاف کر دے، (۳) دیت یعنی جرمانہ لے لے۔ اور اگر (ان تین باتوں کے علاوہ) کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو۔ اگر ان (تین) میں سے ایک کام کر چکنے کے بعد وہ زیاتی کرے تو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا۔

۳۔ تعزیر: جن جرائم کی سزاؤں کا تعین نہیں فرمایا بلکہ حکام کی صوابدید پر رکھا گیا ہے ان کو شرعی اصطلاح میں تعزیر کہا جاتا ہے۔ تعزیری جرائم کی تفصیلات کے بیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حکام وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تعزیری سزائیں حالات کے تحت ہلکی بھی کی جا سکتی ہیں اور سخت بھی اور معاف بھی کی جا سکتی ہیں۔ ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں۔

تعزیر کی کم سے کم مقدار ۳ کوڑے ہے اور زیادہ سے زیادہ مقدار طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ۳۹ کوڑے ہے۔ (ہدایہ کتاب الحدود۔ فصل تعزیر)

آیت کے آخر میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لئے یہ شرعی سزائیں تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہے۔ آخرت میں جو سزا ان کو دی جائے گی وہ اس سے بھی سخت اور دیرپا ہوگی۔

دوسری آیت میں ایک استثنا کا ذکر ہے کہ اگر یہ ڈاکو اور باغی، حکومت کے گھیرے میں آنے اور ان پر قابو پانے سے پہلے پہلے جبکہ ان کی قوت و طاقت بحال ہو، توبہ کرلیں، رہزنی اور بغاوت سے باز آجائیں تو ڈاکہ کی یہ شرعی حد ان سے ساقط ہو جائے گی مگر گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں، مثلاً اگر کسی نے گرفتاری سے پہلے توبہ کرلی تو شرعی حد جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے معاف ہو جائے گی، البتہ بندے کا حق اگر اس کے ذمہ ہے تو وہ ادا کرنا پڑے گا۔ یعنی اگر اس نے کسی کا مال لیا ہے تو وہ مال واپس کرنا پڑے گا یا اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے تو قصاص لازم ہوگا۔ البتہ مال معاف کرنے کا حق صاحبِ مال کو اور قصاص معاف کرنے کا حق مقتول کے اولیاء کو ہوگا۔ اگر توبہ کے بعد مقتول کا ولی قاتل کو معاف نہ کرے بلکہ قتل کرے تو یہ قتل بطور حد نہ ہوگا بلکہ بطور قصاص ہوگا۔

رہزنی کی حد کے علاوہ باقی چار حدود یعنی چوری، زنا، تہمت زنا اور شراب خوری توبہ سے معاف نہیں ہوتیں خواہ توبہ گرفتاری سے قبل ہو یا بعد میں۔ البتہ آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ حدود کے معاملے میں نہ تو سفارش کرنا جائز ہے اور نہ سفارش کا سننا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

(معارف القرآن ۱۱۶۔ ۱۲۲ / ۳، مظہری ۹۱ / ۳)

قربِ الٰہی

۳۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ (اس کا قرب) تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اَلْوَسِيْلَةَ: یہ وُسُلٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ملنے اور جڑنے کے ہیں۔ یہ لفظ سین اور صاد دونوں سے تقریباً ایک ہی معنی میں آتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وصل مطلق

ملنے اور جڑنے کے معنی میں ہے اور وسل، رغبت و محبت کے ساتھ ملنے کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ اسی لئے وصیلہ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کو ملانے اور جوڑنے کا کام دے، خواہ وہ ملانا اور جوڑنا رغبت و محبت سے ہو یا کسی اور وجہ سے ۔ اور وسیلہ کے معنی اس چیز کے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے سے محبت و رغبت کے ساتھ ملا دے ۔

(معارف القرآن بحوالہ لسان العرب و مفردات راغب ۱۲۶ / ۳)

تشریح: اس آیت میں اہل ایمان کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے ہوئے اعمال صالحہ کو قربِ خداوندی کا ذریعہ اور وسیلہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خوب جہاد کرو، بنی اسرائیل کی طرح کم ہمت اور بزدل نہ بنو ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ اور زمین میں فساد پھیلانے کے مترادف ہے ۔ اس لئے تم اس کی نافرمانی سے بچتے رہو اور اس کی راہ میں ظاہری اور باطنی دشمنوں سے، خواہ وہ نفس ہو یا شیطان یا کفار، سب سے اس کی خوشنودی کے لئے جہاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ، یعنی اللہ تعالیٰ کی خالص عبدیت، کمال تقویٰ اور اس کا تقرب تمہیں حاصل ہو جائے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے اور جہاد ظاہری و باطنی قربِ خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے ۔

حاکمؒ نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ وسیلہ سے مراد قربت و اطاعت ہے ۔ فریابیؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن المنذرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی بھی یہی تفسیر نقل کی ہے کہ وسیلہ کے معنی تقرب کے ہیں ۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال سے اس کا قرب حاصل کرو ۔ ان آئمہ مفسرین نے اس آیت میں لفظ وسیلہ کے جو معنی بیان کئے ہیں ان پر گویا سب مفسرین کا اجماع ہے ۔ پس تقویٰ اور اعمال صالحہ کو قربِ خداوندی کا ذریعہ بناؤ ۔

وسیلہ، جنت کے اس اعلیٰ ترین مقام کا نام بھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے اور عرش سے بہت زیادہ قریب ہے ۔

امام احمدؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وسیلہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک درجہ ہے جس سے اونچا کوئی درجہ

نہیں ۔ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ وہ درجہ مجھے عطا فرما دے ۔

مسلمؒ نے حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جو لفظ وہ کہتا ہے وہی تم بھی کہو ۔ پھر (اذان کے بعد) مجھ پر درود پڑھو ۔ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرمائے گا ۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو ۔ وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا ۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں ۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی ۔

طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے وسیلہ عطا فرمائے ۔ جو شخص دنیا میں میرے لئے یہ دعا کرے گا، قیامت کے روز میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی بن جاؤں گا ۔

(مظہری ۹۴ / ۳، ابن کثیر ۵۳ / ۲) ۔

کفر کا انجام

۳۶، ۳۷ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعاً وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ○

بے شک جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس وہ سب کا سب ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر قیامت کے عذاب سے چھوٹ جائیں تو وہ ہرگز ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۔ وہ اس بات کی خواہش کریں گے کہ وہ دوزخ سے نکل آئیں حالانکہ وہ اس سے کبھی نہیں نکلیں گے اور ان کے لئے تو ہمیشہ کا عذاب ہے ۔

لِيَفْتَدُوْا: تاکہ وہ فدیہ دیں ۔ تاکہ وہ بدلہ دے کر چھوٹ جائیں ۔ اِفْتِدَاءٌ سے مضارع ۔

مُقِیْمٌ: دائی۔ ابدی۔ اٹل، اِقَامَۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ان آیتوں میں کافروں کے برے انجام کا بیان ہے کہ کافر چند روزہ زندگی اور اس کی لذت و راحت کے لئے جن چیزوں کو ہزاروں جتن کر کے جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں پھر بھی وہ سب جمع نہیں ہو پاتیں۔ اس ناجائز ہوس کا انجام یہ ہے کہ قیامت کے روز جب انہیں سخت برا عذاب دیا جائے گا تو اس وقت اگر وہ روئے زمین کے تمام مال و دولت اور خزانوں اور دفینوں کے مالک ہوں اور اس کے ساتھ ہی اتنا ہی اور ان کو مل جائے اور پھر وہ تمام مال و دولت اور خزینے اور دفینے، اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے فدیہ میں دے دیں تو ان کا اس قدر فدیہ بھی ان کو عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ کیونکہ آخرت کی کامیابی رشوت و فدیہ سے نہیں بلکہ تقویٰ و تقربِ الٰہی اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔

کافر اس روز فلاح و کامرانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کی انتہائی تمنا اور آرزو ہوگی کہ وہ دوزخ کی آگ سے باہر نکل جائیں مگر ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکے گی اور یہ لوگ کسی صورت بھی عذاب سے نجات نہ پائیں گے۔ ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس دوزخی سے جس کو سب سے کم عذاب ہو گا پوچھے گا کہ اگر ترے پاس ساری دنیا کا (مال و متاع) ہو تو کیا تو اس عذاب سے چھوٹنے کے لئے اس کو اپنے فدیے میں دے دے گا، تو وہ کہے گا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان چیز طلب کی تھی کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، میں تجھے دوزخ میں داخل نہیں کروں گا بلکہ جنت میں داخل کروں گا مگر تو نے اس آسان چیز کو قبول نہ کیا (لہٰذا آج تجھ سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا)۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۲۹ / ۲، ابن کثیر ۵۳ / ۲)

چوری کی شرعی سزا

۳۸۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

اور جو کوئی مرد یا عورت چوری کرے تو (سزا کے طور پر) ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کئے کی سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

کَسَبَا: ان دونوں نے کمایا، ان دونوں نے کیا۔ کَسْبٌ سے ماضی

نَکَالاً: عذاب۔ سزا۔ عبرت

تشریح: قرآن کریم میں اکثر مواقع پر عورتوں کے احکام مردوں سے علیحدہ بیان نہیں کئے گئے بلکہ مردوں کے ذکر میں عورتوں کا حکم بھی شامل ہوتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر احکام میں قرآن کریم کا یہی اسلوب ہے۔ مگر یہاں اور زنا کی حد کے موقع پر صرف مردوں کے ذکر پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ دونوں صنفوں کو الگ الگ ذکر کر کے صراحت کے ساتھ حکم دیا تاکہ دونوں کے معاملہ میں کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہو۔ اس لئے کہ حد کے معاملے میں محض شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر حد کے موقع پر صراحت کے ساتھ عورت کا ذکر نہ ہوتا تو شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید عورتوں کے لئے یہ حدود نہیں ہیں۔ اسی لئے دونوں جگہ صراحت کے ساتھ عورتوں کا علیحدہ ذکر فرمایا۔ (مظہری ۹۶ / ۳)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ چوری کا جرم خواہ مرد سے سرزد ہو یا عورت سے دونوں صورتوں میں سزا کے طور پر عبرت و تنبیہ کے لئے ان کے ہاتھ، پہنچے پر سے کاٹ دیئے جائیں۔ چور کو دی جانے والی یہ سزا چوری کئے ہوئے مال کا عوض اور بدلہ نہیں بلکہ یہ چوری کے فعل کی سزا ہے تاکہ دوسرے چور اس سے عبرت حاصل کریں۔ گزشتہ زمانوں سے جہاں کہیں بھی یہ سزا جاری ہوئی وہاں ایک دو آدمیوں کے ہاتھ کٹنے کے بعد مکمل طور پر چوری کا انسداد ہو گیا۔ جب سے یہ سزا موقوف ہوئی اس وقت سے چوری کا دروازہ چوپٹ کھل گیا۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ کونسا ہاتھ کاٹا جائے اور کس جگہ سے کاٹا جائے۔ لیکن صحیح احادیث اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ چور کا داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی عزت و حکمت والا ہے کہ چور خواہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ اس عزیز و حکیم کی مقرر کردہ سزا (ہاتھ کٹنے) سے نہیں بچ سکتا۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ امن عالم اور ملک کے باشندوں کے اموال و املاک کی حفاظت کے لئے وہ ہاتھ ہی کاٹ دیا جائے جو اس جرم عظیم کا ارتکاب کرے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲ / ۳۳۰)

سرقہ کی تعریف: قاموس میں ہے کہ سرقہ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے اس کی اجازت کے بغیر چھپ کر لے لے ۔ سرقہ کی شرعی تعریف بھی یہی ہے اور اس تعریف کی رو سے سرقہ ثابت ہونے کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں ۔

(۱) مسروقہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو ۔ اس میں چرانے والے کی ملکیت نہ ہو اور نہ ہی اس میں اس کی ملکیت کا شبہ ہو اور نہ مسروقہ مال ایسی چیزوں پر مشتمل ہو جن میں عوام کے مساوی حقوق ہوں جیسے رفاہِ عام کے ادارے اور ان کی اشیاء ۔ پس اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہو یا جس میں عوام کے حقوق مساوی ہوں تو اس پر سرقہ کی حد جاری نہیں کی جائے گی، البتہ حاکم اپنی صوابدید سے تعزیری سزا دے سکتا ہے ۔

(۲) مال کا محفوظ ہونا: مسروقہ مال کا مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگران چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہونا ۔ اگر مال کسی جگہ محفوظ نہ ہو اور اس کو کوئی شخص اٹھا لے تو اس پر سرقہ کی حد جاری نہیں ہو گی ۔ مثلاً مسجد، عید گاہ، پارک، اسٹیشن، ریل، جہاز وغیرہ عام جگہوں پر رکھے ہوئے مال کو اگر کوئی چرالے یا درختوں پر لگے ہوئے پھل چرالے تو اس پر سرقہ کی حد جاری نہیں ہو گی ۔ اگر مال کے محفوظ ہونے میں شبہ بھی ہو جائے تب بھی حد ساقط ہو جائے گی، البتہ تعزیزی سزا دی جا سکتی ہے ۔

(۳) بلا اجازت ہونا: اگر کسی کو مال لینے کی یا اٹھا کر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہو اور وہ اس کو بالکل لے جائے تو اس پر بھی سرقہ کی حد جاری نہیں ہو گی ۔ اسی طرح اگر کسی کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہو خواہ وہ نوکر ہو یا مزدور یا معمار یا کوئی دوست یا عزیز ہو تو اگر وہ کوئی چیز لے جائے تو اس کو ہاتھ کاٹنے کی شرعی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ آپ کے گھر میں آپ کی اجازت سے داخل ہوا ۔ لہذا اس کے حق میں حفاظت مکمل نہیں ۔ اگر اجازت کا شبہ بھی ہو جائے تب بھی حد ساقط ہو جائے گی ۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی کی جیب کاٹ لی، زیور یا نقدی چھین لی یا دھوکہ دے کر کچھ وصول کر لیا یا امانت لے کر مکر گیا تو ان سب صورتوں میں حد جاری نہیں ہو گی بلکہ ان کو تعزیری سزا دی جائے گی جو حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے ۔

(۴) چھپا کر لینا: اگر کسی کا مال علانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، جس کی سزا

پہلے بیان ہو چکی ہے۔ پس اگر چوری خفیہ نہ ہو تو سرقہ کی حد جاری نہیں ہو گی۔

جس چوری میں مذکورہ بالا تمام شرائط پائی جائیں صرف اسی میں سرقہ کی شرعی حد جاری ہو گی۔ چوری کی باقی تمام قسموں میں جن میں مذکورہ بالا تمام شرطیں یا کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو ان میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ بلکہ حاکم وقت اپنی صوابدید سے اس کو تعزیری سزا دے سکتا ہے۔ (معارف القرآن ۱۳۰۔۱۳۵ / ۳)

حد کے لئے چوری کی مقدار: اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ کس قدر مال کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹنا لازم ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس درہم کی چوری پر امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک چوتھائی دینار یا تین درہم کی یا ان دونوں میں سے کسی کے برابر قیمت کا مال ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ (دس درہم ۲ تولے ساڑھے سات ماشے چاندی کے برابر ہے)۔ (مظہری ۱۰۲ / ۳)

چور کی توبہ

۳۹،۴۰۔ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لی اور (اپنی) اصلاح کر لی تو بیشک اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر چور اپنی بدکرداری اور چوری سے باز آجائے اور اپنے عمل کی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے جرم کو معاف فرما کر اس کو آخرت کی سزا سے نجات دے دے گا۔ البتہ اس کی دنیوی سزا برقرار رہے گی یعنی اگر چور اپنی گرفتاری سے پہلے یا بعد میں

چوری سے توبہ کرلے تو سرقہ کی حد جو دنیوی سزا ہے وہ تو معاف نہیں ہوگی البتہ توبہ سے چوری کا گناہ معاف ہو کر اس کو آخرت کے عذاب سے نجات مل جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ (معارف القرآن ۱۳۲ / ۳)

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف سزا یا عذاب ہی نہیں دیتا بلکہ معاف بھی فرمادیتا ہے اور اس معافی یا سزا کا مدار اس کی حکمت پر ہے۔ اس لئے کہ جس طرح وہ مالک مطلق و قادر مطلق ہے، اسی طرح وہ حکیم مطلق بھی ہے۔ جس طرح اس کی قدرت و سلطنت کا احاطہ کوئی انسانی طاقت نہیں کر سکتی اسی طرح اس کی حکمتوں کا پورا احاطہ بھی انسانی عقل و دماغ نہیں کر سکتے۔ لہذا گنہگاروں میں سے جس کو وہ عذاب دینا چاہے گا عذاب دے دے گا، خواہ اس کے گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، کیونکہ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ گناہ کی سزا دی جائے۔ اسی طرح وہ اپنے فضل سے جس کے گناہ معاف فرمانا چاہے گا معاف فرمادے گا، خواہ اس نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو، کیونکہ یہ اس کے فضل کا تقاضا ہے اور چونکہ وہ قادر مطلق ہے اس لئے اس کو عذاب دینے پر بھی پوری قدرت ہے اور معاف کر دینے پر بھی۔ (مظہری ۱۱۴ / ۳)

یہود کی خیانت

۴۱، ۴۲ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ
هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا
فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ
تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ
يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ
جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ
عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

بِالْقِسْطِ ۭاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لوگ کفر کی طرف دوڑتے ہیں آپ ان کے لئے رنجیدہ نہ ہوں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل ایمان نہیں لائے اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو یہودی ہیں۔ یہ لوگ جھوٹی باتوں کی جاسوسی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس قوم کے جاسوس ہیں جو آپ تک نہیں آئی۔ یہ (لوگ) الفاظ کو ان کے مواقع سے ہٹا کر بدل ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم ملے تو قبول کر لو اور اگر نہ ملے تو بچتے رہنا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہے تو آپ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں کہ ان کے دل پاک ہوں۔ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یہ جھوٹی باتوں کی جاسوسی کرتے ہیں اور بڑے حرام کھانے والے ہیں۔ پھر اگر یہ آپؐ کے پاس آئیں تو ان میں فیصلہ کر دیجئے یا ان سے کنارہ کشی کر لیجئے اور اگر آپؐ ان سے کنارہ کشی کریں گے تو وہ آپ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر آپ ان میں فیصلہ کریں تو انصاف سے کیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

فِتْنَتَهٗ: اس کی آزمائش۔ اس کا امتحان۔ اس کی گمراہی۔ مصدر ہے

تَمْلِكَ: تو مالک بنتا ہے۔ تو اختیار رکھتا ہے۔ مِلْكٌ سے مضارع۔

سُحْتِ: حرام۔ رشوت۔ اس کے معنی کسی چیز کو جڑ بنیاد سے کھود کر برباد کرنے کے ہیں۔ یہاں مراد رشوت ہے جو نہ صرف لینے اور دینے والوں کو برباد کرتی ہے بلکہ پورے ملک اور ملت کی جڑ بنیاد اور امن عامہ کو برباد کر دیتی ہے۔

(معارف القرآن ۱۵۱ / ۳)

شانِ نزول: امام احمدؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے بیان کیا کہ ایک یہودی جس کو کوڑوں کی سزا دے کر منہ کالا کر دیا گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرا۔ آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری کتاب میں زانی کی شرعی سزا یہی ہے

یہودی نے جواب دیا، جی ہاں ۔ آپؐ نے ایک یہودی عالم کو طلب فرمایا اور اس سے فرمایا کہ میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے (حضرت) موسیٰ پر توریت نازل فرمائی تھی ۔ کیا زانی کی شرعی سزا تمہیں اپنی کتاب میں یہی ملتی ہے ؟ یہودی عالم نے کہا نہیں ۔ خدا کی قسم (توریت میں زنا کی حد یہ نہیں ہے)، اگر آپؐ مجھے قسم نہ دیتے تو میں آپ سے بیان نہ کرتا ۔ ہماری کتاب میں زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے ۔ مگر ہمارے بڑے آدمیوں میں جب زنا کی کثرت ہو گئی تو ہمارا طریقہ یہ ہو گیا کہ بڑا آدمی پکڑا جاتا تو ہم اس کو سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے اور کمزور پکڑا جاتا تو اس پر شرعی حد جاری کرتے ۔ آخر ہم نے آپس میں کہا کہ کوئی ایسی سزا تجویز کر لینی چاہیئے جو ہم اونچے اور نیچے دونوں طبقوں کو دے سکیں ۔ چنانچہ اتفاق رائے کے بعد ہم نے یہ سزا تجویز کی کہ زانی کا منہ کالا کر کے اس کو کوڑے مارے جائیں ۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ ! ان لوگوں نے تو تیرا حکم مردہ کر دیا، سب سے پہلے میں ہی تیرے حکم کو زندہ کر رہا ہوں ۔ اس کے بعد آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا اور اس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیات ۴۱ تا ۴۵ نازل فرمائیں ۔ (مظہری ۱۱۴ / ۳) ۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ سنگساری کے بارے میں تمہاری کتاب میں کیا لکھا ہوا ہے ۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ (ہماری کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ) ہم ان کو رسوا کریں اور کوڑے لگائیں ۔

عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا کہ تم نے جھوٹ کہا ۔ توریت میں رجم کی آیت موجود ہے ۔ لوگ توریت لے آئے ۔ ایک آدمی نے توریت کھول کر تلاوت شروع کی تو رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اس سے پہلی اور بعد کی (عبارت) ملا کر پڑھ دی ۔ حضرت عبد اللہؓ نے اس سے ہاتھ ہٹانے کو کہا ۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو رجم کی آیت سامنے آگئی ۔ آخر یہودی بول اٹھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے ۔ توریت میں رجم کی آیت موجود ہے ۔ پھر آپؐ نے حکم دے کر دونوں کو سنگسار کرا دیا ۔
(مظہری ۱۱٦ / ۳، ابن کثیر ۵۸ / ۲)

امام احمدؒ اور امام ابو داؤدؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یہودیوں کے دو گروہوں کے حق میں نازل فرمائی ۔ ایام جاہلیت میں ایک گروہ کو دوسرے

گروہ پر فوقیت حاصل تھی۔ دونوں گروہوں میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب فریق کا کوئی شخص اگر مغلوب فریق کا کوئی آدمی مار ڈالے گا تو پچاس وسق دیت ہوگی۔ اور اگر مغلوب گروہ کا کوئی آدمی غالب گروہ کے کسی آدمی کو قتل کر دے تو سو وسق دیت ہوگی۔ ان میں یہی رواج چلا آرہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری کے بعد ایک واقعہ پیش آیا کہ مغلوب گروہ میں سے کسی نے غالب گروہ کے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ غالب گروہ نے اس پر سو وسق دیت طلب کی۔ مغلوب گروہ نے جواب دیا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے، ایک ہی دین، ایک ہی نسب اور ایک ہی شہر کے ہیں۔ پھر ہماری دیت کم اور تمہاری دیت زیادہ کیوں ہو۔ چونکہ اب تک ہم تم سے دبے ہوئے تھے اس لئے اس ناانصافی کو بادل ناخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عادل بادشاہ یہاں آگئے ہیں اس لئے ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دیتے ہو۔ اس تنازع پر بات بہت بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ جنگ چھڑنے ہی والی تھی کہ دونوں فریق اس پر راضی ہوگئے کہ تنازع کا فیصلہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سونپ دیا جائے۔ پھر غالب گروہ کے سمجھدار لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے کہا کہ دیکھو خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اس سے دوگنا (دیت) دلوانے والے نہیں، جو تم ان کو دیتے ہو، اور ان کی یہ بات سچ ہے کہ انہوں نے دب کر اس کو منظور کیا تھا۔ پس اب تم کسی کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجو کہ وہ ان کی رائے معلوم کر کے آئے۔ اگر وہ تمہاری منشا کے مطابق تمہارا حق تمہیں دیں تو ان کو حکم بنالو اور اگر وہ نہ دیں تو تم الگ رہو اور ان کو حکم نہ بناؤ۔ چنانچہ انہوں نے کچھ منافقوں کو جاسوس بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ پھر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے واقع اور ان کے ارادے کی خبر کر دی اور یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَایَحْزُنْکَ سے الْفَاسِقُوْنَ تک سات آیتیں نازل فرمائی۔

(ابن کثیر ۶۰ / ۲، مظہری ۱۱۷ / ۳)

تشریح: یہاں منافقوں کی دو خصلتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جھوٹی باتیں جلد قبول کرتے ہیں یعنی جو لوگ اسلام کی مذمت میں بے اصل باتیں کہتے ہیں، یہ لوگ ان کو فوراً مان لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں

ہوئے، یہ منافق ان کو دوری سے بہکاتے اور اسلام سے بد گمان کرتے ہیں۔ کفر میں کوشش کرنے سے ان کی یہی باتیں مراد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ان ناشائستہ حرکتوں سے ملال خاطر ہوتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کے لئے رنجیدہ اور مغموم نہ ہوں جو بے تکلفی اور رغبت کے ساتھ کفر کی طرف دوڑ رہے ہیں خواہ وہ منافق ہوں جو اپنے منہ سے تو جھوٹ موٹ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ان کے دل مسلمان نہیں اور خواہ وہ یہود ہوں۔ امر حق کی مخالفت کرنا ان دونوں گروہوں کا شیوہ ہے اور یہ اپنے علماء اور سرداروں سے جھوٹی باتیں سننے اور ان کو قبول کرنے کے عادی ہیں۔ اگر کبھی یہ لوگ آپ کی مجلس میں آجاتے ہیں تو ان کا مقصد آپ کی باتیں سننا نہیں ہوتا بلکہ یہ دوسروں کے جاسوس بن کر آپ کے پاس آتے ہیں تاکہ ان کے تحریف شدہ احکام کی تائید میں آپ کی کوئی بات حاصل کریں۔

یہ لوگ حق کی عداوت میں توریت کے کلمات میں تحریف کر ڈالتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جس کسی کو آپ کی خدمت میں بھیجتے ہیں تو اس کو پہلے ہی تاکید کر دیتے ہیں کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے تمہیں ہمارے تحریف کئے ہوئے حکم کے موافق کوئی چیز ملے تو اسے قبول کر لینا ورنہ اسے قبول نہ کرنا، یعنی اگر تمہیں زنا کی حد میں کوڑے لگانے کا حکم ملے تو اس کو قبول کر لینا ورنہ نہیں۔ گویا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو اپنی نفسانی خواہشات کے تابع رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں کیونکہ یہ ازلی گمراہ ہیں ان کے دلوں کا نجاستوں اور خباثتوں سے پاک ہونا، ان کی تقدیر ہی میں نہیں۔ لہٰذا آپ ان کے بارے میں رنجیدہ اور فکرمند نہ ہوں۔ ان کے لئے تو دنیا میں بھی بڑی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب عظیم مقرر کر دیا گیا ہے۔

یہ لوگ حق کو سننے اور سچ کو ماننے والے نہیں بلکہ یہ تو جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے اور بڑے حرام خور ہیں۔ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور رشوت لے کر حرام کو حلال کر دیتے ہیں۔ پس اگر ایسے لوگ اپنا کوئی مقدمہ لے کر آپ کے پاس آئیں اور آپ سے اس کا فیصلہ کرانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ خواہ آپ ان کے مقدمے کا فیصلہ کر دیں یا ان سے کنارہ کشی کرتے ہوئے ان کا معاملہ انہی کے علماء کے سپرد کر دیں۔ ایسے جاہلوں اور خود غرضوں سے تو اعراض ہی مناسب ہے۔ اس صورت میں یہ لوگ آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ و نگہبان ہے۔ اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کرنا چاہیں تو پھر آپ بلا

خوف و خطر، عدل و انصاف اور قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کر دیجئے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۔

مسلمؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے ۔

(حقانی ۲۷۵ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۳۵، ۳۳۶ / ۲)

اللہ کا اظہارِ تعجب

۴۳، ۴۴ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ
ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّآ
اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ
الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا
اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا
النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ
يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

اور وہ آپ کو کس طرح حکم (منصف) بنائیں گے، حالانکہ ان کے پاس تو توریت ہے ۔ جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے ۔ پھر وہ اس کے بعد بھی روگردانی کرتے ہیں اور وہ تو سرے سے ہی مومن نہیں ۔ بیشک ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان بردار انبیاء یہود کو اسی پر چلنے کا حکم دیتے تھے، اور مشائخ اور علماء بھی (اسی پر چلنے کا حکم دیتے تھے) کیونکہ وہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ خود اس پر گواہ تھے ۔ پس (اے یہود) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت پر فروخت نہ کرو اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق حکم نہ کرے سو وہی (لوگ) کافر ہیں ۔

يُحَكِّمُوْنَكَ : وہ آپ کو حکم (ثالث) بناتے ہیں ۔ تحکیم سے مضارع

الرَّبّٰنِيُّوْنَ : اللہ والے۔ درویش۔ واحد رَبَّانِیٌّ

الْاَحْبَارُ : علماء، دانا لوگ واحد حِبْرٌ

ثَمَنًا : قیمت۔ دام جمع اَثْمَانٌ

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے طرز عمل پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہ لوگ توریت کے پیرو کار ہوتے ہوئے، اس کے احکام پر نہ چلنے کے لئے، آپ کو حکم بناتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ آپ کو تو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان کے پاس جو توریت ہے اس میں بھی زنا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم صراحت کے ساتھ موجود ہے اور یہ لوگ اس توریت کو اللہ کی کتاب بھی مانتے ہیں اور اس پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ پھر یہ اس کے احکام سے انحراف کیوں کرتے ہیں۔ پھر مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ آپ کو حکم بناتے ہیں اور پھر آپ کے فیصلے سے اعراض بھی کرتے ہیں۔ پس جن لوگوں کا اپنی کتاب کے بارے میں یہ حال ہو تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حق سے چشم پوشی کرنے میں ان کا کیا کچھ حال نہ ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب پر بھی ان کا ایمان نہیں۔ نہ یہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ توریت کو۔ اگر توریت پر ان کا ایمان ہوتا تو یہ اس پر عمل کرتے اور جو کتاب (یعنی قرآن) توریت کی تصدیق و تائید کرتی ہے، اس پر بھی ان کا ایمان ہوتا۔

بلاشبہ توریت کسی شخص کی تصنیف کردہ کتاب نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس میں ہدایت و نور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیاء علیہم السلام آئے، سب کے سب توریت کے احکام پر عمل کرتے رہے، ان کے لئے کوئی علیحدہ شریعت نازل نہیں کی گئی تھی۔ یہ تمام انبیاء جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے اور یہود کے مشائخ و علماء سب یہود کے معاملات کا اسی توریت سے فیصلہ کرتے تھے۔ وہ لوگ اسی کتاب کے محافظ و نگہبان ٹھہرائے گئے تھے۔ یہ کیسے ناخلف ہیں کہ اپنے انبیاء اور علماء کے طریقے کو چھوڑ کر توریت کے احکام سے نہ صرف روگردانی کرتے ہیں بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ان میں تحریف بھی کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اے یہود تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ میری کتاب اور میرے احکام کو ترک کرنے میں مجھ ہی سے ڈرو اور توریت کے احکام کو لوگوں کے سامنے بلا خوف و خطر ٹھیک

بیان کرو اور دنیا کے حقیر فائدے کے لئے احکام خداوندی میں تحریف نہ کرو۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کرے بلکہ ان میں اپنی طرف سے رد و بدل کر کے فیصلے کرے تو ایسے ہی لوگ احکام الٰہی کے منکر ہیں۔ (حقانی ۲۷۶، ۲۷۷ / ۲)

ابن عساکرؒ اور ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر آدمی کسی آدمی سے ڈرے تو اس شخص پر اسی آدمی کو مسلط کر دیا جاتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے اور اگر آدمی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی کو اس پر قابو نہیں دیتا اور جو آدمی کسی آدمی سے کوئی امید رکھتا ہے اس کو اسی سے وابستہ کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امید نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سوا کسی اور کے سپرد نہیں کرتا۔ (مظہری ۱۲۴ / ۳)

توریت میں قصاص کا حکم

۴۵۔ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ○

اور ہم نے اس (توریت) میں ان پر یہ بات فرض کر دی تھی کہ جان کے بدلے میں جان اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ اور ناک کے بدلے میں ناک اور کان کے بدلے میں کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے میں ویسے ہی زخم اور جو کوئی اس بدلے کو معاف کر دے تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو کوئی اس کے مطابق حکم نہ دے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی (لوگ) ظالم ہیں

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہود نے اپنی کتاب کے احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے جس طرح زنا کی سزا کو بدل رکھا تھا اور زانی کو صرف رسوا اور منہ کالا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے تھے، اسی طرح یہ لوگ قصاص کے بارے میں بھی توریت کے حکم کی صریح خلاف ورزی کرتے ہیں کہ بنو قریظہ کے یہود کو تو بنو نضیر کے یہود کے بدلے میں قتل کرتے ہیں مگر بنو

نضیر کو بنو قریظہ کے بدلے میں قتل نہیں کرتے بلکہ آدھی دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں ۔ حالانکہ توریت میں بھی قصاص اور دیت کی مساوات کے احکام موجود ہیں کہ قاتل خواہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا ذمی اس کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے ۔ اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ پھوڑی جائے اور ناک کے بدلے میں ناک کاٹی جائے اور کان کے بدلنے میں کان کاٹا جائے اور دانت کے بدلے میں دانت (اکھاڑا جائے) اور دوسرے زخموں میں بھی اسی طرح بدلہ ہے ۔ پس حقداروں میں سے جو شخص قصوروار کے قصاص سے درگزر کرلے گا تو اس (معاف کرنے والے) کے لئے معافی کا یہ فعل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق حکم نہیں کرتے اور اس کی جگہ اپنی طرف سے تحریف کر کے حکم جاری کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ظالم اور بے انصاف ہیں ۔ (حقانی ۲۸۱ / ۲، مظہری ۱۲۵ / ۳)

حضرت عیسیٰؑ کی بعثت

۴۶، ۴۷۔ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور ان کے بعد انہی کے نقش قدم پر، ہم نے (حضرت) مریم کے بیٹے (حضرت) عیسیٰ کو بھیجا جو توریت کی تصدیق کرتے تھے جو ان سے پہلے سے موجود تھی اور ہم نے ان کو انجیل دی تھی جس میں ہدایت و روشنی ہے اور وہ (انجیل) اپنے سے پہلے والی کتاب توریت کی تصدیق کرتی تھی اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی ۔ اور اہل انجیل کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ احکام اس میں نازل کئے انہی کے مطابق فیصلہ دیا کریں اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ نافرمان ہیں ۔

قَفَّيْنَا: ہم نے پیچھے بھیجا ۔ ہم نے یکے بعد دیگرے بھیجا ۔ تَقْفِيَةٌ سے ماضی ۔

اٰثَارِ ھِمْ: ان کے نشانات۔ ان کے نقوش قدم۔ واحد اَثَرٌ

مَوْعِظَۃٌ: وہ نصیحت جس میں مخاطب کو ڈرایا جائے۔

ربطِ آیات: یہود کی شرارتوں اور خباثتوں کے ذکر کے بعد نصاریٰ کے انحراف اور کجروی کا بیان ہے کہ جس طرح یہود اپنی آسمانی کتاب توریت سے منحرف ہیں اسی طرح نصاریٰ بھی اپنی آسمانی کتاب انجیل سے منحرف ہیں۔

تشریح: یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برحق نبی تھے۔ ان کو اس کتاب (توریت) کی تصدیق کے لئے بھیجا گیا تھا جو ان سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے اور توریت کے مطابق احکام بیان کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی جس میں توریت کی طرح ہدایت و نور ہے اور یہ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت و نصیحت کا ذریعہ ہے۔ اس میں ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارت ہے کہ وہ آکر لوگوں کو حق کا راستہ دکھائیں گے اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو حرام اور گناہ کے کاموں سے بچائیں گے۔ اہل انجیل کو یہود کی طرح اپنی کتاب سے انحراف نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام اس میں نازل کئے ہیں ان پر عمل کرنا چاہئے اور جس نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اس میں مذکور ہے اس پر حضرت عیسیٰ کی ہدایت و نصیحت کے مطابق ایمان لانا چاہئے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہیں دیتے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج اور فاسق و بدکار ہیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۲، ۲/۳۴۳)

عظمتِ قرآن

۴۸، ۵۰ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۗ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اِلَى اللّٰهِ

مَرْجِعُكُمْ جَمِيعاً فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَآ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيراً مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ○ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ○

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر بھی سچی کتاب نازل کی ہے جو تمام سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے ۔ سو آپ ان کے باہمی معاملات میں ان احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کئے ہیں اور آپ کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جو حق بات پہنچی ہے، اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات پر نہ چلئے ۔ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور راستہ مقرر کر دیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے وہ اس میں تمہیں آزمانا چاہتا ہے ۔ سو تم نیکیوں میں پیش قدمی کرو ۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔ پھر وہ تمہیں سب باتیں بتا دے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے اور یہ بھی کہ آپ ان کے معاملات میں اس کے مطابق فیصلہ کر دیجئے کہ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اور ان کی طرف سے احتیاط کیجئے ۔ (ایسا نہ ہو) کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کئے ہوئے کسی حکم سے آپ کو بھٹکا دیں ۔ اگر یہ لوگ پھر بھی نہ مانیں تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ وہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار کرے اور اکثر لوگ تو نافرمان ہی ہوتے ہیں ۔ کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور یقین رکھنے والی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے ۔

مُهَيْمِناً: حاکم ۔ نگہبان ۔ شاہد ۔ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت

شِرْعَةً: شریعت ۔ دستور ۔ طریقہ ۔ احکام خداوندی کا مجموعہ ۔ شَرْعٌ سے اسم

مِنْهَاجًا: سیدھا راستہ ۔ کھلا ہوا راستہ ۔ دینی راستہ ۔ یہ نَہْجٌ سے ماخوذ ہے ۔ اس سے تزکیہ ، نفس اور اصلاح باطن کا طریقہ مراد ہے اور طریقت، شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے ۔

یَبْغُوْنَ: وہ چاہتے ہیں ۔ وہ سرکشی کرتے ہیں ۔ بَغْیٌ سے مضارع

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گیا تو کعب بن اسید، عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس وغیرہ جو یہود کے مقتدر علما تھے، مشورہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے تنازع کے فیصلہ کی درخواست کی اور کہا کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم یہود کے بڑے عالم اور ان کے سردار ہیں ۔ آپ ہماری عزت و شرافت سے بھی واقف ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہودی قوم ہمارے اختیار و اقتدار میں ہے اور اگر آپ اس مقدمے میں ہمارے موافق فیصلہ کر دیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے ۔ اگر ہم نے آپ کا دین قبول کر لیا تو ہماری تقلید میں سب یہودی اسلام لے آئیں گے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس رشوتی اسلام کو منظور نہ فرمایا اور ان کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار کر دیا ۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۳۴۵)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا جو خود بھی برحق ہے اور اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں توریت اور انجیل کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ان کی حفاظت بھی اس لئے کہ ان کتابوں میں جو تحریف شدہ اور غلط باتیں شامل کر دی گئی ہیں، قرآن کریم ان کی نشاندہی کر کے اصل حقیقت کو واضح کرتا ہے ۔ یہی قرآن کریم کے حق ہونے کی دلیل ہے ۔ کیونکہ دین حق ہی حق کی تصدیق کرتا ہے ۔ باطل دین کبھی دین حق کی تصدیق نہیں کر سکتا ۔ دنیا میں توریت و انجیل کی اصل تعلیمات آج بھی قرآن کریم ہی کے ذریعہ باقی ہیں ورنہ ان کتابوں کے وارثوں اور ان کی پیروی کا دعویٰ کرنے والوں نے تو ان کا ایسا حلیہ بگاڑا کہ حق و باطل کا امتیاز ناممکن ہو گیا ۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہی حکم دیا گیا جو اس سے پہلے اہل توریت اور اہل انجیل کو دیا گیا تھا کہ آپ بھی ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر حق کے ساتھ اتاری ہے اور جو تمام سابقہ کتب کی محافظ ہے اور آپ اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آچکا ہے ان لوگوں کی خواہشوں اور فرمائشوں کی پیروی نہ کیجئے ۔ آپ کو جو دین دیا

گیا ہے وہ کبھی منسوخ نہیں ہو گا ۔ آپ سے پہلے بھی ہم نے ہر ایک گروہ کے لئے ایک خاص شریعت اور خاص طریق عمل مقرر کیا تھا تاکہ وہ اس پر چل کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکیں ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بھی یہ شریعت اور یہ شاہ راہ مقرر کی ہے ۔ آپ اسی پر چلتے رہئے ۔ اللہ تعالیٰ نے حکمت و مصلحت کے تحت مختلف زمانوں میں ان زمانوں کے انبیاء کو ان زمانوں اور ان امتوں کے احوال و استعداد کے مطابق شریعتیں عطا فرمائیں ۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم تمام پیغمبر عَلّاتی (باپ شریک) بھائیوں کی مانند ہیں کہ جن کا باپ (یعنی دین) ایک ہے اور مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں ۔

انبیاء کرام کی شریعتیں مختلف رہیں ۔ کسی کی شریعت میں کوئی چیز حلال ہوئی اور کسی میں وہی چیز حرام ۔ کسی کے احکام میں نرمی اور سہولت رہی جیسا کہ شریعت عیسویہ میں ہے اور کسی میں شدت اور سختی رہی جیسا کہ شریعت موسویہ میں ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے زمان و مکان اور قوموں کے احوال و استعداد کے مطابق جیسی شریعت مناسب سمجھی ویسی ہی ان کے لئے نازل فرما دی ۔ اب اس اخیر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت کامل اور معتدل شریعت نازل فرمائی جو قیامت تک تمام عالم کی ہدایت کے لئے کافی و شافی ہے ۔ جس طرح پہلی شریعتیں من جانب اللہ اور واجب الاطاعت تھیں، اسی طرح یہ آخری شریعت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور واجب الاطاعت ہے ۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت اور ایک ہی ملت بنا دیتا، سب کی ایک ہی کتاب اور ایک ہی شریعت ہوتی ۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ مختلف زمانوں اور امتوں کے لئے مختلف شریعتیں نازل فرمائیں تاکہ اس سے لوگوں کا امتحان اور آزمائش ہوتی رہے کہ کون اس کے حکم کو مانتا ہے اور کون اس سے روگردانی کرتا ہے ۔ پس اے لوگو! تم تعجب اور نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر ان بہترین اعمال و عقائد اور مکارم اخلاق کی طرف دوڑو اور ان کی طلب میں سرگرم رہو جن کی طرف شریعتِ محمدیہ تمہیں دعوت دیتی ہے ۔ کیوں کہ اب نجات کا انحصار اسی آخری شریعت کی اتباع پر ہے اور تم یہ نہ سمجھو کہ تم دنیا میں ہمیشہ رہو گے ۔ ایک دن تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جہاں تمہیں دین کے بارے میں ان سب باتوں سے آگاہ کر دیا جائے گا جن میں تم یہاں اختلاف کرتے ہو ۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو

شریعت عطا فرمائی ہے، آپ اسی پر قائم رہئے اور یہود و نصاریٰ کے مکر و فریب سے ہوشیار رہئے اور ان کے باہمی تنازعات کا فیصلہ آپ اپنی شریعت کے مطابق کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ خواہ آپ کا فیصلہ ان کے رسوم و رواج اور ان کی خواہشات کے خلاف ہی ہو اور آپ ان کی چرب زبانی اور ملمع کاری سے محتاط رہئے۔ اگر یہ لوگ آپ کے فیصلے سے اعراض کریں تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں کی سزا کے طور پر ان کو دنیا ہی میں مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔

بلاشبہ بہت سے یہود دین و شریعت کی حدود سے تجاوز کر چکے ہیں۔ وہ فاسق و بدکار ہیں وہ آپ کے فیصلے پر راضی نہیں ہو سکتے۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں کہ دیت و قصاص کے معاملات میں امیر و غریب کا فرق روا رکھا جائے۔ جو لوگ اللہ کے فیصلے کو نہیں مانتے ان کو آخرت پر یقین نہیں۔ اگر انہیں آخرت پر یقین ہوتا تو اللہ کے فیصلے سے انحراف نہ کرتے کیونکہ اس کے فیصلے سے اچھا فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے انحراف جہالت کی دلیل ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۶ - ۳۴۸ / ۲)

یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت

۵۱، ۵۳ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۞ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۞

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو دوست بنائے گا تو بیشک وہ انہی

میں سے ہو گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ پس (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق و حسد کا) مرض ہے دیکھیں گے کہ وہ ان (یہود و نصاریٰ) سے دوستی میں جلدی کرتے ہیں (اور) کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ ہم کسی گردش میں نہ آجائیں۔ سو عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے ہاں سے فتح دے گا یا کوئی اور بات۔ پھر یہ لوگ اس بدگمانی پر نادم ہوں گے جو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے اور مومن کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی سخت قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ سو وہ خسارہ میں رہ گئے۔

اَوْلِيَآءَ: دوست۔ ساتھی۔ ناصر و مددگار۔ واحد وَلِیٌّ

يُسَارِعُوْنَ: وہ سرعت کرتے ہیں۔ وہ جلدی کرتے ہیں۔ مُسَارَعَۃٌ سے مضارع

دَائِرَةٌ: دائرہ۔ حلقہ، مصیبت

جَهْدَ: زوردار کوشش۔ سخت۔ پختہ۔ مصدر ہے

حَبِطَتْ: وہ ناپید ہو گئے۔ وہ ضائع ہو گئے۔ حَبْطٌ سے ماضی

شانِ نزول: ان آیتوں کے شان نزول میں مختلف روایتیں ہیں۔ ابن اسحاقؒ، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں میں باہم جنگ ہوئی تو معاہدہ کے مطابق عبداللہ بن ابی بن سلول انہی کے معاملے میں الجھا رہا اور انہی کی طرف سے کھڑا ہو گیا لیکن حضرت عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگئے اور عرض کیا کہ میں ان کے ساتھ دوستی کے معاہدہ سے دست بردار ہوتا ہوں اور اللہ اور رسول کے سامنے اظہار بیزاری کرتا ہوں۔ حضرت عبیدہ بن صامتؓ قبیلہ خزرج کے ایک فرد تھے اور یہودیوں کے ساتھ ان کا ایسا ہی معاہدہ تھا جیسا عبداللہ بن ابی بن سلول کا تھا۔ مگر انہوں نے کافروں کے ساتھ تعاون و مدد سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ اس پر یہ آیت حضرت عبیدہ بن صامتؓ اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔

(مظہری ۱۳۲ / ۳)

ایک روایت میں ہے کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نیچا دکھا دیا تو عبداللہ بن ابی تو آپؐ کے سامنے ان کی حمایت کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ان کا حلیف ہونے کے باوجود ان سے برأت ظاہر کر دی اس پر آیات ۵۱ تا ۵۶ نازل ہوئیں۔

حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں لبابہؓ بن عبدالمنذر کے بارے میں نازل ہوئیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا تھا تو انھوں نے حضرت لبابہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے تو حضرت لبابہؓ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرا دیں گے۔(ابن کثیر ۶۸/ ۲)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے دوستی اور دوستوں جیسی معاشرت رکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ باہمی اختلافات کے باوجود وہ آپس میں دوست ہیں اور مسلمانوں کی مخالفت اور ضرر رسانی پر وہ متفق ہیں اور مسلمانوں میں سے جو شخص ان کا دوست ہے حقیقت میں وہ انہی میں سے ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کافروں سے دوستی کر کے خود اپنے اوپر بھی ظلم کرتے ہیں اور مسلمانوں کے دشمنوں سے تعاون کر کے مسلمانوں پر بھی ستم کرتے ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے وہ دوڑ دوڑ کر کافروں سے ملتے ہیں اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے منافق ساتھی ہیں جو یہودیوں سے موالات اور تعاون میں جلدی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں گردش زمانہ سے معاملہ الٹ نہ ہو جائے اور کافر اقتدار میں آکر ہمارے لئے باعثِ مصیبت نہ بن جائیں۔

پس وہ وقت قریب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے دشمن پر فتح یاب کرے گا اور حکومت ان کے قدموں میں ڈال دے گا۔ یا فتح و کامرانی سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی اور خاص بات یعنی منافقوں کے نفاق کو ظاہر کر کے ان کو رسوا کر دے یا جزیرہ عرب سے یہودیوں کی جڑ مٹا دے۔ اس وقت یہ منافق اپنے نفاق اور کافروں سے دوستی پر پشیمان ہوں گے اور اپنی چالاکی و عیاری پر خون کے آنسو بہائیں گے۔

پھر جب مسلمانوں پر ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گا اور ان کی دوستی کے دعوؤں اور قسموں کی حقیقت کھلے گی تو وہ ان کی مکاری پر حیرت زدہ ہو کر کہیں گے کہ یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ پس ایسے لوگوں کا ظاہری

اسلام ان کے کچھ کام نہ آیا۔ ان کے تمام اعمال برباد ہوگئے اور وہ دین و دنیا میں ناکام و نامراد ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ پیشنگوئی کہ وہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے دشمنوں پر فتح یاب کرے گا، جنگ احزاب میں پوری ہوئی اور اس جنگ میں مخالفین کی تمام شوکت و قوت مٹ گئی اور اسلام کو قوت و غلبہ حاصل ہو گیا۔ (مظہری ۱۳۳، ۱۳۴ / ۳)

ارتداد کا انجام

۵۴ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہوں گے۔ وہ مومنوں کے ساتھ نرم ہوں گے اور کافروں کے ساتھ سخت۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرما دے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا (اور) علم والا ہے۔

يَرْتَدَّ: وہ مرتد ہو جائے گا۔ وہ پھر جائے گا۔ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھرنے کو ارتداد کہتے ہیں۔ اِرْتِدَادٌ سے مضارع (ابن کثیر ۶۸ / ۲)

اَذِلَّةٍ: نرم دل۔ مہربان۔ واحد ذَلِيْلٌ

اَعِزَّةٍ: زبردست۔ سخت گیر۔ واحد عَزِيْزٌ

لَوْمَةَ: ملامت۔ ملامت کرنا۔ مصدر ہے

لَآئِمٍ: ملامت کرنے والا۔ برا کہنے والا۔ لَوْمٌ سے اسم فاعل

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے تہدید کے طور پر مسلمانوں سے فرمایا کہ اسلام کا مدار تم پر

نہیں۔ اگر تم میں سے کوئی دین اسلام سے پھر جائے تو اس سے اسلام کی قوت میں کمی نہیں آئے گی بلکہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے بدلے دوسرے لوگوں کو اپنے دین کی خدمت اور حفاظت و حمایت کے لئے مامور فرمادے گا جو تم لوگوں سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے اور ان میں مندرجہ ذیل صفات ہوں گی:

(۱) اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے۔

(۲) وہ ایمانداروں کے حق میں تو نرم اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلے میں سخت اور قوی ہوں گے۔

(۳) وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد سے منہ نہ موڑیں گے، نہ پیٹھ دکھائیں گے اور نہ بزدلی کریں گے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ بھلائی کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔

(۴) وہ لوگ حق کے اظہار میں کسی کی طرف سے ملامت اور برا کہنے کی ذرا پرواہ نہ کریں گے۔

پس وہ ایک ایسی قوم ہوگی، جس کی محبت و عداوت اور دوستی و دشمنی اپنی ذات اور ذاتی حقوق و معاملات کی بجائے صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کی خاطر ہوگی۔ اسی لئے ان کی لڑائی کا رخ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں برداروں کی طرف نہیں بلکہ اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف ہوگا۔ یہ لوگ دین حق کی اشاعت و برتری کے لئے جہاد کرتے رہیں گے اور اقامت دین اور کلمہ حق کی سربلندی کی کوشش میں کسی کی ملامت اور برا کہنے کی ذرا پرواہ نہ کریں گے۔

پھر فرمایا کہ کمال ایمان کی یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہیں۔ وہی جس کو چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے، اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے۔ انسان محض اپنی سعی و عمل سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ان کو حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ کامل علم والا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اس عظیم نعمت کا مستحق کون ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت آنے والے فتنہ کی پیشنگوئی اور اس کا ہمت کے ساتھ مقابلہ کر کے کامیاب ہونے والی جماعت کے لئے بشارت ہے۔ آنے والا فتنہ وہ فتنہ ارتداد ہے جس کے اثرات تو عہدِ نبوت کے آخری ایام ہی میں پھیلنے لگے تھے اور جو آپ کی وفات کے بعد

پورے جزیرۃ العرب میں طوفان کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اور بشارت پانے والی جماعت صحابہ کی جماعت ہے جس نے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مل کر اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔

مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی ہیبت میں آکر حق گوئی سے نہ رکنا۔ یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے، نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خلافِ شرع امر کو دیکھ کر، سن کر، اپنے آپ کو کمزور جان کر خاموش نہ ہو جانا ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی باز پرس ہو گی۔ اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے خاموش ہو گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا۔
(ابن کثیر ۷۰ / ۲)

فتنہ، ارتداد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی اہل مکہ، اہل مدینہ اور بحرین کے قبیلہ عبد القیس کے سوا عام عرب مرتد ہو گئے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا مگر صحابۂ کرام نے اس کو پسند نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں آپ ان سے کس طرح جہاد کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں۔ جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا۔ اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا اور اس کا (باطنی) محاسبہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ البتہ کسی حق کی وجہ سے (اس کلمہ گو کے جان و مال سے) تعرض کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ جو لوگ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت میں فرق پیدا کرتے ہیں، خدا کی قسم میں ان سے جہاد کروں گا کیونکہ (جس طرح نماز جسمانی عبادت اور فرض ہے اسی طرح) زکوٰۃ مالی فرض ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ بکری کا بچہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے اور مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں سے جنگ کرنا (شروع میں) صحابہ کو پسند نہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ لوگ تو اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ سے جہاد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب (حضرت) ابو بکرؓ گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے تنہا ہی نکل کھڑے ہوئے تو صحابہ

کو بھی نکلے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی عرب مرتد ہوگئے اور نفاق ان کے دلوں میں جم گیا اور میرے باپ پر وہ مشکلات پڑیں کہ اگر مضبوط پہاڑوں پر پڑتیں تو ان کا بھی چورا کر دیتیں۔ (مظہری ۱۳۷ / ۳)

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ شروع میں ہمیں حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ پسند نہ تھا لیکن آخر میں ہم نے آپ کے خیال کی تعریف کی۔

ابو بکر بن عیاشؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابو حفصؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انبیاء کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہی مرتدوں سے جنگ کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے تھے۔ (مظہری ۱۳۶ / ۳)

عرب کے مختلف مقامات پر تین گروہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مرتد ہوگئے تھے۔ پھر آپ کی وفات کی خبر نے اس فتنہ ارتداد کو ایک طوفانی شکل دے دی اور عرب کے سات قبیلے اسلام اور اس کی حکومت سے منحرف ہوگئے اور خلیفہ وقت حضرت ابو بکرؓ کو اسلامی قانون کے مطابق زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔

جو تین گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مرتد ہوگئے تھے، ان کا مختصر حال درج ذیل ہے۔

(۱) **بنو مذحج**: ان کا سردار ذو الحمار عبہلہ بن کعب عنسی تھا اور اس کا لقب اسود تھا۔ یہ ایک شعبدہ باز کاہن تھا۔ اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال کو نکال کر بلاد یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے گورنر حضرت معاذؓ بن جبل اور یمن کے رئیسوں کو لکھا کہ لوگوں کو مضبوطی کے ساتھ دین پر قائم رہنے کی ترغیب دیتے رہو اور اسود سے لڑنے کے لئے نکل پڑو۔ چنانچہ فیروز دیلمی نے گھر میں گھس کر اسود کو اس کے بستر پر ہی قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قتل کی خبر اسی روز دے دی تھی، اگرچہ باضابطہ خبر کافی دن بعد آئی۔

(۲) **بنو حنیفہ**: ان کا سردار مُسیلمہ کذّاب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ۱۰ھ کے آخر میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسے بھی نبوت میں شریک کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط دو آدمیوں کے ذریعہ بھیجا۔

مسیلمہ (کذّاب) کی طرف سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام۔ امابعد! یہ زمین آدھی میری اور آدھی آپ کی ہے۔ آپ نے قاصد سے فرمایا کہ اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے کا حکم نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردنیں مار دیتا۔ پھر آپ نے خط کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا۔

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذّاب کے نام۔ امابعد! ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہوتا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے کثیر لشکر کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ کو مسیلمہ سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ آخر مسیلمہ، مطعم بن عدی کے غلام حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ وحشیؓ وہی شخص تھے جس نے حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ کو شہید کیا تھا۔ مسیلمہ کو قتل کرنے کے بعد حضرت وحشیؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے مسلمان ہونے سے پہلے سب سے بہتر آدمی کو شہید کیا تھا اور مسلمان ہونے کے بعد بدترین آدمی کو قتل کیا۔

(۳) **بنی اسد:** ان کا سردار طلیحہ بن خویلد تھا۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں میں یہ سب سے آخری شخص تھا۔ اس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ مگر آپ کی وفات کے بعد اس سے جہاد کیا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے شدید جنگ کے بعد اس کو شکست دی۔ پھر یہ بھاگ کر شام چلا گیا اور کچھ مدت کے بعد دوبارہ مسلمان ہو گیا اور پھر خلوص کے ساتھ اس پر قائم رہا۔ (مظہری ۱۳۷/ ۳)

اللہ اور رسول کے دوست

۵۵، ۵۶۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○

بیشک تمہارا دوست تو اللہ اور اس کا رسول اور مومن ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور (اللہ کے آگے) جھکنے والے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کو دوست رکھے گا تو بے شک اللہ کا گروہ سب پر غالب ہے۔

تشریح: بلاشبہ کفار تمہارے دوست نہیں بلکہ تمہاری دوستی تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مومنوں سے ہونی چاہیئے جو نماز کے پوری طرح پابند ہوں، زکوٰۃ ادا کرتے ہوں، تواضع، عاجزی اور انکساری کرتے ہوں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں سے دوستی رکھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی جماعت میں داخل ہے جو سب پر غالب ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ۝ لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(المجادلہ آیات ۲۱، ۲۲)

اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرا رسول ہی غالب رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی نہ پائے گا۔ خواہ وہ باپ، بیٹے، بھائی اور کنبے، قبیلے کے لوگ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہیں۔ یہی اللہ کا گروہ ہے

اور یہی گروہ فلاح پانے والا ہے۔ (ابن کثیر ۱/۲۷)

ترک موالات کے حکم کا اعادہ

۵۷، ۵۸۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ط ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ○

اے ایمان والو! جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے اور جن کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ ان کو اور کافروں کو اپنا دوست مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو اور جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو وہ اس سے ہنسی اور مسخرا پن کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بالکل بے عقل ہیں۔

ھُزُوًا: ٹھٹھا۔ مسخرا پن۔ مصدر بمعنی اسم

نَادَیْتُمْ: تم نے بلایا۔ تم نے پکارا۔ نِدَاءٌ سے ماضی

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر باطن میں کافر تھے۔ مسلمان دونوں کو دوست سمجھنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۴۴/۳)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت اور دوستی سے نفرت دلائی ہے کہ کیا تم ان سے محبت اور دوستی کرو گے جو تمہارے دین کو ہنسی اور مذاق میں اڑاتے ہیں خواہ وہ لوگ اہل کتاب ہوں، جیسے یہود و نصاریٰ یا دوسرے کافر ہوں۔ ان کے استہزاء اور تمسخر کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان سے دوستی کی بجائے دشمنی کی جائے۔ اگر تم ان سے دوستی کرو گے تو اندیشہ ہے کہ کہیں اس سے تمہارا ایمان و اسلام نہ ضائع ہو جائے۔ پس تم اپنے دین کی عزت و حرمت کا پورا لحاظ رکھو اور اس کی پوری حفاظت کرو اور جو دشمنان دین اللہ کے دین کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں ان کے ساتھ محبت و دوستی نہ رکھو کیونکہ ان کی دوستی سے دین محفوظ نہیں رہ

سکتا۔(ابن کثیر ۲، ۷۲/ ۲)

جب تم اذان کے ذریعہ لوگوں کو نماز جیسی افضل عبادت کی طرف بلاتے ہو تو وہ اس کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں کیونکہ وہ بے عقل ہیں اور نماز اور اذان کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور بے عقل محبت کے لائق نہیں۔

ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے بیان کیا کہ مدینہ میں ایک عیسائی تھا۔ جب وہ مؤذن کو **اشھدان محمدار سول الله** کہتے ہوئے سنتا تو کہتا کہ اللہ جھوٹے کو آگ میں جلائے۔ ایک رات اس کا خادم آگ لے کر آیا۔ وہ عیسائی اور اس کی بیوی سو رہے تھے۔ اتفاق سے آگ کی ایک چنگاری اڑ کر عیسائی پر جا پڑی جس سے وہ خود بھی جل گیا اور اس کی بیوی بھی۔
(مظہری ۱۴۵/ ۳)

یہود کی بُری خصلتیں

۵۹، ۶۰ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ○ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! کیا تم ہم سے اس بات کا انتقام لیتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہماری طرف نازل ہوا اس پر اور جو پہلے نازل ہو چکا اس پر ایمان لائے اور یہ کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک (فی الواقع) کون لوگ بدتر ہیں۔ (یہ وہ ہیں) جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور وہ اس پر غصہ ہوا اور اس نے ان میں سے (بعض کو) بندر اور سور بنا دیا اور انہوں نے شیطان کی بندگی کی۔ یہی لوگ درجہ میں بدتر ہیں اور یہی سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

تَنْقِمُوْنَ: تم انتقام لیتے ہو۔ نَقْمٌ سے مضارع

مَثُوبَةً: ثواب ۔ بدلہ ۔ جزا

اَلْقِرَدَةَ: بندر واحد قِرْدٌ۔

اَلْخَنَازِيْرَ: سور ۔ واحد خِنْزِيْرٌ۔

شانِ نزول: ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ان میں ابو یاسر بن اخطب، رافع بن ابی رافع اور عامر بن عمرو بھی تھے ۔ ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا ایمان کن کن پیغمبروں پر ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور جو کچھ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اور جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے انبیاء کو دیا گیا، سب پر میرا ایمان ہے ۔ ہم ان میں سے کسی کی بھی تفریق نہیں کرتے ۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں ۔ حضرت عیسیٰؑ کا نام سن کر یہود کہنے لگے کہ ہم ان کو نہیں مانتے اور نہ اس کو مانتے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر مانتا ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۴۶ / ۳)

تشریح: جو اہل کتاب تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور نماز اور اذان جیسی بہترین عبادت کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں ان سے کہہ دو کہ تم جو ہمارے دین میں ہنستے ہو تو تم اس میں کیا عیب پاتے ہو ۔ ہمارے دین کا خلاصہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام شریعتوں کا لب لباب اور تمام حکمتوں کا عطر ہے اور ہم ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم سے پہلے نازل ہوئیں ۔ کیا یہ کوئی عیب کی بات ہے جو تم اس پر ہنستے ہو ۔ چونکہ تم بدکار ہو اور ہم تمہاری بدکاری سے علیحدہ ہیں، اسی لئے ہم تمہاری آنکھوں میں کھٹکتے ہیں ۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے جو مسلمانوں کو برا کہتے ہیں اور ان کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بدلہ پانے میں کون بدتر ہے ۔ واقعی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ برے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور ان پر اپنا غضب نازل کیا اور ان کی نافرمانیوں کی بنا پر ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور بنایا اور جنہوں نے شیطان اور باطل معبود کی پرستش کی یعنی گوسالہ کو معبود بنایا، یہی لوگ بدترین مقام والے اور راہِ راست سے بالکل بھٹکے ہوئے ہیں ۔

(ابن کثیر ۳، ۷۴ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲، ۳ / ۲)

منافقوں کی سیاہ کاریاں

٦١ - ٦٣ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ○ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○

اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے حالانکہ وہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے ۔ اور آپ ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ، سرکشی اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں ۔ البتہ وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں ۔ ان کے مشائخ اور علماء ان کو گناہ کی بات اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے ۔ البتہ وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں ۔

السُّحْتَ : حرام، رشوت، جمع اَسْحَاتٌ ۔

رَبّٰنِيُّوْنَ : اللہ والے ۔ درویش ۔ واحد رَبَّانِيٌّ

اَحْبَارٌ : علماء ۔ دانا لوگ ۔ واحد حِبْرٌ

تشریح : جب یہ منافق دنیاوی اغراض کے لئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس وعظ و نصیحت میں آتے تو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے اور کہتے کہ ہم آپ کے دین سے راضی ہیں اور جب واپس جاتے تو دامن جھاڑ کر دلیے کے ویسے ہی اٹھتے جیسے آئے تھے ۔ یہ لوگ ایک لمحہ کے لئے بھی ایمان میں داخل نہیں ہوئے ۔ آپ کے وعظ و نصیحت کا ان پر کچھ اثر نہیں کیونکہ ان کے شجر کہنہ میں اصلاح کی قابلیت ہی نہیں رہی ۔ لہٰذا ان کا اٰمنا کہنا بالکل جھوٹ ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے کفر و نفاق کو خوب جانتا ہے ۔ کیونکہ وہ عالم الغیب ہے ۔ آپ ان میں سے بہت سوں کو گناہ، ظلم اور حرام خوری کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے دیکھیں گے ۔ کیونکہ ان کے اعمال بہت ہی خراب ہو چکے ہیں ۔ ان کے علماء و مشائخ بھی ان کو گناہ اور نافرمانی سے نہیں روکتے کیونکہ وہ

خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کو بھلا کر برائی میں مبتلا ہیں اور ان کو بھی برائی کا حکم دیتے ہیں۔
(حقانی ۲۸۹ / ۲، ابن کثیر ۷۴ / ۲)

یہود کی گستاخی

۶۴، ۶۶ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا
قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ
وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ
اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ
فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ
اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ
النَّعِيْمِ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ
مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ○

اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تنگ ہے۔ انہی (یہودیوں) کے ہاتھ تنگ ہو جائیں اور لعنت ہو ان کو اس کہنے پر، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو (کلام) نازل ہوا وہ ضرور ان میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرنے کا باعث ہوگا اور ہم نے قیامت تک ان میں آپس کی عداوت اور کینہ ڈال دیا۔ یہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتا ہے اور وہ ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ضرور ان سے ان کے گناہ دور کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو جو ان کے رب

کی طرف سے ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ تو یہ اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے سے خوب کھاتے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو سیدھی راہ پر ہیں اور ان میں سے اکثر برے کام کر رہے ہیں۔

مَغْلُوْلَةٌ: بندھی ہوئی۔ بخیل۔ غُلٌّ سے اسم مفعول

مَبْسُوْطَتٰنِ: دو کھلے ہوئے۔ دو کشادہ۔ بَسْطٌ سے اسم مفعول

اَوْقَدُوْا: انہوں نے آگ سلگائی۔ انہوں نے روشن کیا۔ اِیْقَادٌ سے ماضی

اَطْفَاَهَا: اس نے اس کو بجھا دیا۔ اِطْفَاءٌ سے ماضی

مُقْتَصِدَةٌ: اعتدال پر رہنے والی۔ اِقْتِصَادٌ سے اسم فاعل

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ، عکرمہؒ، ضحاکؒ اور قتادہؒ نے کہا کہ یہودی بڑے مال دار، فراخ دست اور دولت مند تھے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے جو فراخی اور کشائش ان کو عطا فرمائی تھی وہ تنگی سے بدل دی اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بخیل کہنا شروع کر دیا اور بنی قینقاع کے سردار فنحاص بن عازور نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تو رزق دینے سے بندھ گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

طبرانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان اس طرح نقل کیا ہے کہ نباش بن قیس نامی یہودی نے کہا کہ تیرا رب بخیل ہے کچھ دیتا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جلالین ۱۰۴۱ ۔ مظہری ۱۴۹ / ۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مدینے کے یہود کو مالدار اور صاحبِ وسعت بنایا تھا۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اپنی جاہلانہ رسوم سے حاصل ہونے والے نذرانوں کی خاطر دعوتِ اسلام سے روگردانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں ان پر دنیا تنگ کر دی اور نتیجتاً یہ لوگ تنگ دست ہو گئے اور ان کی زبانوں سے ایسے کلمات نکلے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کمی آ گئی یا اللہ تعالیٰ بخیل ہو گیا۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہی لوگوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور انہی پر لعنت ہو گی جس کا اثر آخرت میں عذاب اور دنیا میں ذلت و رسوائی کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ تو ہمیشہ سے کھلے ہوئے ہیں۔ اس کی جود و سخا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

جس طرح وہ غنی اور صاحبِ وسعت ہے، اسی طرح وہ حکیم بھی ہے۔ وہ اپنی حکمت کے تحت جس پر مناسب سمجھتا ہے۔ فراخی و وسعت فرما دیتا ہے اور جس پر مناسب سمجھتا ہے، تنگدستی مسلط فرما دیتا ہے۔

آپ پر جو قرآنی آیات نازل ہوتی ہیں، یہ سرکش لوگ ان سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنے کفر و انکار میں اور سخت ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچانے کے لئے ان میں آپس میں شدید اختلافات اور دشمنی پیدا کر دی، جس کی وجہ سے نہ تو ان کو مسلمانوں کے خلاف کھلی جنگ کا حوصلہ ہو سکتا ہے اور نہ ان کی کوئی سازش ان (مسلمانوں) کے خلاف چل سکتی ہے۔

پھر فرمایا کہ توریت و انجیل اور انبیاء علیہم السلام کے ارشادات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے، دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر یہ لوگ سب کچھ بھلا بیٹھے۔ اسی لئے یہ لوگ دنیا میں تنگدستی کا شکار ہوئے۔ اگر یہ اب بھی ایمان اور پرہیزگاری اختیار کر لیں تو ہم ان کی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دیں گے اور ان کو نعمتوں کے باغات عطا کر دیں گے۔ اگر یہ لوگ توریت و انجیل اور ان کے بعد جو آخری کتاب نازل کی گئی، اس کی تعلیمات پر کسی قسم کی کمی بیشی کے بغیر پوری طرح عمل کریں تو ان کو آخرت کی نعمتیں بھی ملیں گی اور دنیا میں بھی ان پر رزق کے دروازے اس طرح کھول دئے جائیں گے کہ ان کو آسانی سے اور مسلسل رزق عطا ہو گا۔

پھر فرمایا کہ یہود کی ایک چھوٹی سی جماعت اس بد عملی اور کج روی سے بچی ہوئی ہے اور راہِ راست پر ہے۔ مگر ان کی اکثریت بدکار اور بد عمل ہے۔ یہاں راہ راست پر ہونے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے یہودی یا نصرانی تھے پھر قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ (معارف القرآن ۱۹۱، ۱۹۲ / ۳)

تبلیغِ دین کی تاکید

۶۷ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے

نازل کیا گیا وہ (لوگوں کو) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا
کچھ بھی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔
بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

بَلِّغْ: تو تبلیغ کر۔ تو پہنچا دے۔ تَبْلِیْغٌ سے امر

یَعْصِمُکَ: وہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ وہ آپ کو بچائے گا۔ عِصْمَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ دین کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ پر نازل فرمایا ہے، آپ وہ سب کسی جھجک کے بغیر لوگوں کو پہنچا دیں۔ خواہ کوئی اس کو قبول کرے یا اس کی مخالفت کرے۔ اگر بفرض محال کسی حکم خداوندی کو امت کو پہنچانے میں آپ سے ادنیٰ سی کوتاہی بھی ہوئی، تو فریضہ، تبلیغ رسالت کا حق ادا نہ ہو گا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر فریضہ، تبلیغ رسالت میں پوری ہمت و قوت کے ساتھ مصروف رہے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے اپنے خطبہ میں صحابہ کرام کے عظیم مجمع کو اہم ہدایات اور وصیتیں فرمانے کے بعد مجمع سے سوال فرمایا کہ دیکھو! کیا میں نے تمہیں دین پہنچا دیا؟ صحابہ نے اقرار فرمایا کہ ہاں آپؐ نے ہمیں دین پہنچا دیا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر گواہ رہو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ اس وقت مجمع میں حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک میری بات پہنچا دیں جو اس وقت حاضر نہیں۔

غائبین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اس وقت دنیا میں موجود تھے مگر اس مجمع میں حاضر نہ تھے اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان سب کو دین پہنچانے کا طریقہ علم دین کی نشر و اشاعت تھی جس کو صحابہ، کرام نے نہایت تن دہی سے انجام دیا۔ آیت کے دوسرے جملے میں آپؐ کو یہ خوش خبری بھی دی گئی کہ تبلیغ رسالت کے سلسلے میں کفار آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود آپؐ کا محافظ و ناصر ہے۔ پھر فرمایا کہ آپؐ کے ذمے تو صرف تبلیغ دین ہے۔ ہدایت دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (معارف القرآن ۱۹۴ / ۳)

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جو تم سے کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپالیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود حکم دیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

صحیحین میں ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کو چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے۔

وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ

آپ اپنے دل میں وہ چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے خوف محسوس کر رہے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ (ابن کثیر ۷۷ / ۲)

اہلِ کتاب کے دعوے کی تردید

۶۸ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر بھی نہیں ہو جب تک تم توریت و انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا (سب کو) قائم نہ رکھو گے اور جو کچھ کلام آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا وہ ضرور ان میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرنے کا باعث ہو گا۔ سو آپ کافروں پر افسوس نہ کریں۔

طُغْيَانًا: سرکشی۔ نافرمانی۔ مصدر ہے

تَاْسَ: تو افسوس کرتا ہے۔ تو رنجیدہ ہوتا ہے۔ اَسیً سے مضارع

شانِ نزول: ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رافع اور سلام بن مشکم اور مالک بن الضیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں کہ آپ (حضرت) ابراہیم کی شریعت اور دین پر ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ بے شک میں یہی کہتا ہوں مگر تم لوگوں نے نئی باتیں ایجاد کر لی ہیں اور (حضرت) ابراہیم کی شریعت میں جو کچھ ہے تم اس کا انکار کرتے ہو اور جن چیزوں کو لوگوں کے سامنے واضح طور پر بیان کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا تھا تم ان کو چھپاتے ہو ۔ (یہ سن کر) وہ کہنے لگے کہ جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں ہے، ہم تو وہی لیں گے ۔ ہم یقیناً حق اور ہدایت پر ہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۵۶ / ۳)

تشریح: یہود و نصاریٰ کے گمان فاسد کو غلط کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کسی صحیح دین پر نہیں ہیں ۔ یعنی اہل کتاب کا مذہب اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں یہاں تک کہ وہ توریت و انجیل اور دوسرے صحیفوں اور اللہ تعالیٰ کی اس کتاب (قرآن کریم) پر ایمان لائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے ۔ مگر ان کی حالت تو یہ ہے کہ جوں جوں آپ کے رب کی طرف سے آپ پر قرآن نازل ہوتا توں توں ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہوتا ۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کا انکار کرتے، جس سے ان کے کفر و سرکشی میں اضافہ ہو جاتا تھا ۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ان کافروں کی طرف سے حسرت و افسوس اور غم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ لوگ اپنی سرکشی میں حد سے بڑھ چکے ہیں ۔ (مظہری ۱۵۶ / ۳، ابن کثیر ۸۰ / ۲)

قانونِ نجات

۶۹ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی اور جو صابئین ہیں اور جو نصاریٰ ہیں ان میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو (قیامت کے روز) ان پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

اٰمَنُوْا: وہ ایمان لائے ۔ انہوں نے مانا ۔ اِیْمَانٌ سے ماضی ۔ یہاں مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونا مراد ہے ۔

ھَادُوْا: وہ یہودی ہوئے ۔ ھَوْدٌ سے ماضی ۔ اس سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جو یہودی عقائد رکھتے ہوں ۔ خواہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوں یا کسی اور قوم میں سے ۔

نَصَارٰی: عیسائی، نصرانی، فلسطین میں ناصرہ نامی ایک قصبہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے ۔ اسی قصبہ کی نسبت سے حضرت عیسیٰ کو مسیح ناصری کہتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے ۔ نصاریٰ کا مطلب یہ ہے کہ ناصرہ میں پیدا ہونے والے مسیح کی امت ۔

صَابِئِیْنَ: صابی ۔ بے دین ۔ ستارہ پرست، صابی کے لفظی معنی ہیں، اپنے دین سے منہ موڑ کر کسی اور دین کی طرف مائل ہو جانے والا ۔ عرب میں صابی ایک فرقہ تھا یہ لوگ حضرت ابراہیم کو مانتے ، فرشتوں کی پرستش کرتے، زبور پڑھتے اور عبادت میں کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے ۔ عرب کے لوگ انہیں بے دین کہتے تھے ۔

تشریح: اہل کتاب کی بے دینی، بری خصلتوں اور ان کی گستاخیوں کے ذکر کے بعد اس آیت میں نجاتِ اخروی کا نہایت معقول اور منصفانہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ نجاتِ اخروی اور حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی کا مدار ایمان باللہ اور عمل صالح پر ہے ۔ پس جو لوگ اپنے مقرب الہٰی ہونے یا کامیاب ہونے کا دعویٰ کریں خواہ وہ مومنین ہوں، یہود و نصاریٰ اور صابی ہوں یا ان کا تعلق کسی اور مذہب سے ہو وہ محض اپنی مذہبی نسبت کی بنا پر یعنی مومن ہونے یا یہودی یا نصرانی ہونے کی بنا پر حقیقی فلاح و کامیابی اور نجاتِ اخروی حاصل نہیں کر سکتے بلکہ اس کے لئے ایمان باللہ اور عمل صالح ضروری ہے ۔ یہی نجاتِ اخروی کا قانون و معیار ہے ۔ ایسے ہی لوگوں کو قیامت کے روز کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ رنج و غم ۔ پس جس شخص یا قوم کو اپنے مقرب الہٰی ہونے کا دعویٰ ہو وہ اپنے آپ کو اسی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے ۔ اگر وہ اس میں کھری اترے تو وہ بلا خوف و خطر کامیاب اور فلاح پانے والی ہے ورنہ وہ ناکام و نامراد اور غضبِ الہٰی کی مستحق ہے ۔

ایمان باللہ اور عمل صالح کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص ایمان باللہ کا دعویدار ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت، اس کی صفاتِ کمالیہ، اس کی قدرت کی نشانیوں اس کے احکام و قوانین، اس کے انبیاء و مرسلین اور روزِ جزا پر ایمان لانا چاہئے اور نیکی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ابدی سکون و اطمینان اور فلاح و نجات کا حصول محال ہے ۔ پس اللہ

تعالیٰ کے کسی پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ان دلائل اور نشانیوں کو جھٹلانا ہے جو اس نے اپنے نبی کی تصدیق کے لئے اتاریں۔

اگر کوئی یہودی توریت پر ایمان رکھتا ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طریقے پر چلتا ہو اور پھر اس کی زندگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہو جائیں اور وہ ان کی نبوت کو برحق سمجھتے ہوئے ان کی اتباع کرنے لگے تو ایسا شخص ایمان دار ہے۔ اگر ایسا شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے بعد بھی توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر قائم رہا اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور ان کی اتباع نہ کی تو اس کا شمار بے دینوں میں ہوگا۔ اسی طرح یہود میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں اور آپ کی نبوت کو نہ مانیں اور آپ کی اتباع نہ کریں تو وہ بھی بے دینوں میں شمار ہوں گے۔

نصرانیوں میں سے بھی ایمان دار وہ ہے جو انجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانے، حضرت عیسیٰ کی شریعت پر عمل کرے پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے تو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور آپ کی شریعت پر عمل کرے۔ اگر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور پھر بھی اس نے آپ کی تصدیق نہ کی اور نہ آپ کی اتباع کی اور وہ بدستور حضرت عیسیٰ کی اتباع کرتا رہا تو وہ بھی بے دین کہلائے گا۔ مختصر یہ کہ ہر نبی کا تابعدار اور ماننے والا ایمان دار اور صالح ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پانے والا ہے۔ لیکن جب دوسرا نبی آجائے اور وہ اس کی اتباع کرنے کی بجائے اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ (ابن کثیر ۱۰۳/ ۱، تفسیر عثمانی ۳۶۷/ ۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۸۱/ ۲)

یہود کی عہد شکنی

۷۰، ۷۱۔ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ○ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○

البتہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ان کے پاس رسول بھیجے تھے ۔ جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آیا جو ان کو ناپسند ہوئے تو انہوں نے بعض رسولوں کو تو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر ڈالا ۔ اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ان پر کوئی آفت نہیں آئے گی ۔ سو وہ اندھے اور بہرے بن گئے ۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی پھر بھی ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے بنے رہے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے ۔

مِیْثَاقَ : عہد ۔ پیمان ۔ وَثَاقَۃٌ سے اسم آلہ ۔ جمع مَوَاثِیْقُ ۔

کُلَّمَا : جب کبھی، جس وقت ۔ اکثر ۔ یہ لفظ کُلّ اور مَا سے مرکب ہے ۔

تَھْوٰی : وہ خواہش کرتی ہے ۔ وہ چاہتی ہے ۔ ھُوًی سے مضارع

حَسِبُوْا : انہوں نے گمان کیا ۔ انہوں نے خیال کیا ۔ حِسْبَانٌ سے ماضی

فَعَمُوْا : پس وہ اندھے ہو گئے ۔ عَمًی سے ماضی

صَمُّوْا : وہ بہرے بن گئے ۔ صَمٌّ و صَمَمٌ سے ماضی

تشریح : اللہ تعالیٰ نے یہود سے، توحید پر قائم رہنے، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا تھا ۔ پھر ان کو یہ عہد و پیمان یاد دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بہت سے رسول بھیجے، مگر انہوں نے عہد و پیمان کو توڑ دیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ گئے ۔ سرکشی میں ان کا یہ حال تھا کہ جب بھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آتا جو ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق نہ ہوتا تو وہ لوگ اس پیغمبر کی تکذیب کرتے اور کبھی ان میں سے کسی کو قتل بھی کر دیتے ۔ اس قدر شدید مظالم اور باغیانہ جرائم کے ارتکاب کے بعد بھی وہ بالکل بے فکر رہے کہ پیغمبروں کو جھٹلانے اور قتل کرنے پر بھی ان کو کوئی سزا نہیں ملے گی ۔ اور نہ ان پر کوئی مصیبت اور عذاب آئے گا ۔ مگر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سخت سزا ملی کہ وہ حق سے دور کر دیئے گئے اور وہ کلام الٰہی کی طرف سے بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلّط کر دیا، جس نے ان کو خوب ذلیل و رسوا کیا ۔ طویل عرصے کے بعد جب یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آئے اور تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور فارس کے ایک بادشاہ کے ذریعہ ان کو بخت نصر کی قید سے آزاد کرا کر بیت

المقدس کی طرف واپس کیا۔ مگر کچھ عرصے کے بعد وہ پھر وہی شرارتیں کرنے لگے اور حسبِ سابق ان میں سے بہت سے اپنی سرکشی میں اندھے اور بہرے ہوگئے اور انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل کر دیا۔ پھر وہ حضرت عیسیٰ کو بھی قتل کرنے کے لئے تیار ہوگئے مگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوئے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ یہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بے پرواہ اور اپنی سرکشی میں اندھے ہوگئے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو برابر دیکھ رہا ہے۔ یہ سزا سے بچ نہیں سکتے۔ (ابن کثیر ۸۰ / ۲، حقانی ۲۹۳ / ۲)۔

نصاریٰ کا فاسد عقیدہ

۷۲، ۵۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَھُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

بیشک وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو یہی مریم کا بیٹا مسیح ہے۔ حالانکہ خود مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ بیشک جو کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بیشک وہ کافر ہوگئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا کہا۔

حالانکہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اگر وہ اس سے باز نہیں آئیں گے جو کچھ وہ کہتے ہیں تو ان میں سے جو لوگ کفر پر قائم رہیں گے، ان پر دردناک عذاب ضرور واقع ہو گا۔ پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے معافی کیوں نہیں چاہتے حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ مریم کا بیٹا مسیح تو صرف رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں اور اس کی ماں پاک دامن ہے۔ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھئے ہم ان کے لئے کیسی کھلی کھلی دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھئے وہ کدھر بھٹکے چلے جارہے ہیں۔

مَاْوٰہُ: اس کے رہنے کی جگہ۔ اس کا ٹھکانا۔ اُوِیٌّ سے اسم ظرف۔ مصدر کے معنی میں ہے۔

یَنْتَھُوْا: وہ رکتے ہیں۔ وہ باز رہتے ہیں۔ اِنْتِھَاءٌ سے مضارع

لَیَمَسَّنَّ: البتہ وہ ضرور پہنچ جائے گا۔ مَسٌّ سے مضارع بالام تاکید و نون تاکید

قَدْ: تحقیق۔ کبھی۔ کافی۔ ہے۔ اسم بھی ہے حرف بھی۔ ماضی اور مضارع دونوں پر آتا ہے۔

خَلَتْ: وہ گزر گئی۔ خُلُوٌّ سے ماضی

یُؤْفَکُوْنَ: وہ لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ پھیرے جاتے ہیں۔ اَفْکٌ و اُفُوْکٌ سے مضارع مجہول

تشریح: ان آیتوں میں نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت و حالت کا بیان ہے۔ ان کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے کہ انہوں نے عقل و فطرت سلیمہ کے خلاف اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف حضرت عیسیٰ بن مریم کو خدا بنا دیا، اللہ تعالیٰ ان کے قول سے مبرا ہے۔ حضرت عیسیٰ تو اللہ تعالیٰ کے بندے تھے۔ انہوں نے اس دنیا میں قدم رکھتے ہی اپنے گہوارہ میں سب سے پہلے یہ کلمہ کہا تھا کہ بلاشبہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں (**اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ**) انہوں نے اپنے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا تھا بلکہ اپنی بندگی کا اقرار کیا تھا اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے یہ بھی کہا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرتے رہو۔ یہی سیدھا اور صحیح طریقہ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا۔ اس پر جنت

حرام ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا۔

دوسری آیت میں ان لوگوں کے کفر کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک مانتے تھے۔ یہودی حضرت عزیرؑ کو اور نصرانی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو تین میں کا ایک مانتے تھے۔ مگر یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے جو حضرت عیسیٰؑ اور ان کی ماں حضرت مریمؑ اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر خدا مانتے تھے۔ یعنی حضرت مسیح، روح القدس اور اللہ تعالیٰ یا حضرت مسیح، حضرت مریم اور اللہ تعالیٰ تینوں خدا ہیں۔ (العیاذ باللہ) یہ تینوں خدائی میں حصہ دار ہیں۔ پھر یہ تینوں مل کر ایک اور وہ ایک، تینوں ہیں۔ عیسائیوں کا عام عقیدہ یہی ہے۔

پھر فرمایا کہ عبادت کے لائق تو اسی خدائے بزرگ و برتر اور واحد و یکتا کی ذات پاک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تمام کائنات اور کل موجودات کا معبودِ برحق وہی ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے اس کفریہ قول سے باز نہ آئے تو یقیناً ان کو المناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم اور بخشش و رحمت کو بیان فرمایا ہے اور ان لوگوں کے انتہائی سخت جرم اور شدید کذب و افتراء کے باوجود ان کو اپنی رحمت کی طرف دعوت دی اور فرمایا کہ بڑے بڑے باغی، سرکش اور گستاخ مجرم بھی جب شرمندہ ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ اور معافی طلب کرتے ہیں تو میں پل بھر میں ان کی زندگی بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہوں۔ لہٰذا تم اب بھی میری طرف جھک جاؤ اور توبہ و استغفار کرو میں تمہارے سب گناہ معاف کر دوں گا کیونکہ میں بہت بخشنے والا مہربان ہوں۔

پھر فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں یہ بھی گزر جائیں گے۔ لہٰذا انہیں خدا کہنا تمہاری نری جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ حضرت عیسیٰ کی والدہ بھی نبیہ نہیں تھیں بلکہ وہ تو مومنہ اور سچائی والی تھیں اور دوسری عورتوں کی طرح وہ بھی ایک عورت تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹا اپنی بھوک و پیاس کو دفع نہیں کر سکتے تھے، بلکہ وہ دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور جو کھانے پینے کا محتاج ہو وہ ہر چیز کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔ پس جو شخص اپنی بقاء کے لئے عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام بھی اوروں کی مانند

مخلوق ہی تھے، خدا نہیں تھے۔ دیکھو! ان کے سامنے ہم کس طرح کھول کھول کر اپنی دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ اس کے باوجود یہ کس طرح ادھر ادھر بھٹکتے اور بھاگتے پھرتے ہیں (ابن کثیر ۸۱ / ۲، تفسیر عثمانی ۳۶۹، ۱/۳۷۰)

باطل معبودوں کی عبادت کی ممانعت

۷۶۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

آپ کہہ دیجئے۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں ضرر دے سکتی ہیں اور نہ کچھ نفع، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی سنتا (اور) جانتا ہے۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ معبود تو وہ ہونا چاہئے جو ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہو اور پورا با اختیار ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز میں یہ وصف نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا معبود ہونا باطل ہے۔ یہود و نصاریٰ کا حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کہنا بلا دلیل ہے۔ وہ دونوں نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر بلکہ وہ تو اپنا ضرر بھی دفع نہ کر سکے۔ بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰ نے صلیب پر چیخ چیخ کر جان دے دی۔

پھر اس ذات کو چھوڑ کر جو تمام باتوں کو سننے والی اور تمام چیزوں سے باخبر ہے، ایسی چیزوں کو معبود بنانے میں کون سی عقل مندی ہے جو نہ سن سکتی ہیں اور نہ دیکھ سکتی ہیں، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کسی کا ضرر دفع کر سکتی ہیں، نہ ان کی کوئی قدر ہے اور نہ ان میں کوئی قدرت۔ (حقانی ۲۹۶ / ۲، ابن کثیر ۸۲ / ۲)

دین میں غلو کی ممانعت

۷۷۔ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو (زیادتی) نہ کرو اور نہ اس قوم کی خواہشوں پر چلو جو اس سے پہلے خود گمراہ ہو چکی اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکی اور سیدھے راستے سے بہک چکی ہے۔

تَغْلُوْا: تم مبالغہ کرو۔ تم زیادتی کرو۔ غُلُوٌّ سے مضارع

اَھْوَاءَ: خواہشیں۔ خیالات۔ واحد ھَوٰی

سَوَآءِ: برابر۔ اسم مصدر۔ اس سے تثنیہ اور جمع نہیں بنتا

السَّبِیْلِ: راہ۔ راستہ۔ جمع سُبُلٌ

تشریح: اے اہل کتاب! تم دین کے معاملے میں مبالغہ سے کام نہ لو اور اعتدال کی حد سے ہٹ کر افراط و تفریط میں نہ پڑو۔ یہود نے اپنے دین میں تفریط کی اور حضرت عیسیٰ کی رسالت کے منکر ہو گئے۔ دین اور دین داروں کے لئے ان کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہ تھی یہاں تک کہ انبیاء کی اہانت اور ان کو قتل کرنا ان کا خاص شعار تھا۔ اس کے برخلاف نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں افراط سے کام لیا اور ان کو خدا کا درجہ دے دیا اور ترکِ دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔

اللہ تعالیٰ نے جس کی جتنی عزت و توقیر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی اتنی ہی عزت و توقیر کرو۔ انسانوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے، ان کو نبوت و رسالت کے درجے سے خدائی کے درجے تک نہ پہنچاؤ۔ جیسا کہ تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا لیا ہے۔ اے نصاریٰ! یہ سب کچھ تم اپنے اسلاف کی تقلید میں کر رہے ہو جو خود بھی عدل و استقامت کے راستہ کو چھوڑ کر ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا ہو گئے تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے۔

ابن ابی حاتمؒ میں ہے کہ ایک شخص بڑا دین کا پابند تھا۔ ایک زمانے کے بعد شیطان نے اس کو بہکا دیا کہ جو کچھ پہلے لوگ کر گئے تم بھی وہی کر رہے ہو، اس میں کیا رکھا ہے۔ اس سے عام لوگوں میں نہ تو تمہاری قدر ہو گی اور نہ شہرت۔ پس تم کوئی نئی بات ایجاد کرو، اسے لوگوں میں پھیلاؤ اور پھر دیکھو تمہاری کیسی شہرت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی ایجاد کردہ بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور ایک زمانہ ان کی تقلید کرنے لگا۔

پھر اسے سخت ندامت ہوئی۔ اس نے سلطنت اور ملک چھوڑ دیا۔ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی

عبادتوں میں مشغول ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جواب ملا کہ اگر تو نے صرف میری نافرمانی کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا مگر تو نے تو عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا جس پر چلتے چلتے وہ مر بھی گئے۔ ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ہٹے گا۔ لہٰذا میں تیری توبہ قبول نہیں کروں گا۔ (ابن کثیر ۸۲ / ۲)

یہود کا انجامِ بد

۷۸، ۷۹۔ لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ
عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ○
کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ

بنی اسرائیل میں جو کافر تھے ان پر (حضرت) داؤدؑ اور (حضرت) عیسیٰؑ بن مریمؑ کی زبان سے لعنت کر دی گئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے نکل گئے تھے۔ وہ لوگ جس برے کام کو کرتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے۔ بیشک بہت ہی برے افعال ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

لُعِنَ: اس پر لعنت کی گئی۔ لَعْنٌ سے ماضی مجہول

یَتَنَاهَوْنَ: وہ باہم منع کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو روکتے ہیں۔ تَنَاهِیٌ سے مضارع

تشریح: ان آیتوں میں بنی اسرائیل کے بد انجام کا ذکر ہے کہ جب بنی اسرائیل کے لوگ کفر و عصیان اور ظلم و سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور منکرات و فواحش کا برملا ارتکاب کرنے لگے اور کوئی ان کو ان بد اعمالیوں سے روکنے والا نہ تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان بدبختوں پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی زبور و انجیل میں لعنت فرمائی۔ جس طرح گناہوں پر ان کی جسارت حد سے بڑھ گئی تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھی اپنے جلیل القدر انبیاء علیہما السلام کے ذریعہ فرمائی جو ان کے حق میں غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔

جن کافروں پر حضرت داؤدؑ نے لعنت فرمائی تھی وہ اہل ایلہ تھے۔ جنہوں نے سنیچر کے دن کی حرمت پامال کی تھی اور حضرت داؤدؑ نے ان کے لئے بد دعا کی تھی کہ اے اللہ! ان پر لعنت کر اور ان کو عبرت بنا دے۔ چنانچہ ان کی شکلیں بندروں جیسی بنا دی گئیں اور جب اصحابِ مائدہ

ایمان نہ لائے تو حضرت عیسیٰؑ نے ان کو بددعا دی اور کہا کہ اے اللہ! ان پر لعنت کر اور ان کو عبرت کا نشان بنادے۔ چنانچہ وہ صورتیں مسخ کرکے سور بنادئے گئے۔

یہ ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کا نتیجہ تھا۔ جب ان کے کچھ لوگ برے کام کرتے تو دوسرے لوگ ان کو ان کی بری حرکتوں سے منع نہیں کرتے تھے جس کے نتیجہ میں سب پر عذاب آیا کیونکہ جب کسی قوم میں برائی عام ہو جائے اور کوئی ان کو روکنے اور منع کرنے والا بھی نہ ہو یعنی نیک لوگ برائی کرنے والوں کو نہ روکیں تو پھر بشمول نیک لوگوں کے ساری قوم کے عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو اغلب ہے کہ ان سب پر اللہ کا عذاب آجائے۔

ابو داؤ کی روایت میں ہے کہ جن لوگوں کے اندر گناہ کئے جارہے ہیں اور وہ گناہوں کو بدلنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ بدلیں تو اغلب ہے کہ ان سب پر اللہ کا عذاب آجائے۔

ترمذی۔ ابن ماجہ اور ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلی یہی برائی داخل ہوئی تھی کہ جب کوئی شخص دوسرے شخص کو خلاف شرع کام کرتے دیکھتا تو اس کو اس سے منع کرتا تھا لیکن دوسرے دن صبح کو یہی منع کرنے والا شخص اس گناہ کرنے والے شخص کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا تھا۔ اس سے سب میں سنگدلی آگئی پھر آپ نے یہ پوری آیت تلاوت کرکے فرمایا کہ واللہ! تم پر فرض ہے کہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو، برائیوں سے روکو، ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے تنگ کرو کہ وہ حق پر آجائے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دل بھی سخت کردے گا اور تم پر بھی اپنی پھٹکار نازل فرمادے گا۔ جیسی ان پر نازل فرمائی

(مظہری ۱۶۱، ۱۶۲ / ۳، ابن کثیر ۸۲، ۸۳ / ۲)

مشرکین سے دوستی کا انجام

۸۰، ۸۱۔ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِى الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِىِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ البتہ برا ہے جو کچھ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیجا کہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا اس پر ایمان لاتے تو وہ ان کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

يَتَوَلَّوْنَ : وہ محبت کرتے ہیں۔ وہ دوستی کرتے ہیں۔ تَوَلِّیْ سے مضارع

سَخِطَ : وہ غصہ ہوا۔ سَخَطٌ سے ماضی

اِتَّخَذُوْهُمْ : انہوں نے ان کو بنالیا۔ انہوں نے ان کو اختیار کر لیا۔ اِتِّخَاذٌ سے ماضی

تشریح : یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مدینہ کے یہود جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی، مشرکین مکہ سے دوستی کرتے ہیں اور ان کو جوش دلا کر اسلام کے مقابلے میں ابھارتے ہیں۔ حالانکہ اسلام توحید کا درس دیتا ہے، حضرت موسیٰ کی نبوت اور توریت کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر یہ لوگ اپنی باطنی خباثت کی بنا پر مسلمانوں کے مقابلے میں مشرکین عرب کو دوست بناتے ہیں۔ حالانکہ یہ خوب جانتے ہیں کہ وہ باطل پر ہیں۔ کافروں سے دوستی کی بنا پر انہوں نے آگے کے لئے جو کام کیا وہ بلاشبہ بہت برا ہے۔ اسی کی پاداش میں ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ دائمی عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن کریم پر پوری طرح ایمان لاتے تو کافروں سے ہرگز دوستی نہ کرتے اور خدا پرستوں کے مقابلہ میں بت پرستوں کو ترجیح نہ دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ بدکار ہیں اور حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے خارج ہیں۔

(ابن کثیر ۸۴، ۸۵ / ۲، حقانی ۲۹۸ / ۲)

بعض اہلِ کتاب کی حق پرستی

۸۲ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْاۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
اِنَّا نَصٰرٰىؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا
يَسْتَكْبِرُوْنَ۝

اور البتہ لوگوں میں سے مسلمانوں کا شدید ترین دشمن، آپ یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور البتہ اور لوگوں میں مسلمانوں سے زیادہ محبت کرنے والے آپ کو وہ لوگ ملیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں اہل علم اور درویش بھی ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

لَتَجِدَنَّ : البتہ تو ضرور پائے گا۔ وُجُوْدٌ سے مضارع بانون تاکید ولام تاکید

قِسِّيْسِيْنَ : عیسائی عالم۔ عیسائی درویش۔ واحد قِسِّيْسٌ

رُهْبَانًا : عبادت کرنے والے۔ تارک دنیا۔ درویش۔ واحد رَاهِبٌ

تشریح : اس آیت میں اور اس کے بعد کی چار آیتوں میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو اپنی حق پرستی اور خدا ترسی کی بنا پر مسلمانوں سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے۔ مگر ان اوصاف کے حامل لوگ یہود میں بہت کم تھے۔ جیسے عبد اللہ بن سلامؓ وغیرہ۔ یہود کی نسبت، نصاریٰ میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور وہاں کے حکام اور عوام میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد تھی۔ اسی لئے جب مکہ کے مسلمان، مشرکین کے مظالم سے تنگ آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ حبشہ کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا ہے، اس لئے مسلمان کچھ عرصہ کے لئے وہاں چلے جائیں۔ چنانچہ پہلی مرتبہ سولہ افراد پر مشتمل قافلہ جس میں ۱۲ مرد اور ۴ عورتیں تھیں ہجرت کرکے حبشہ پہنچا۔ ان میں حضرت عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ بھی شامل تھیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ جس میں ۸۶ مرد اور ۱۷ عورتیں تھیں، ہجرت کر کے حبشہ پہنچا۔ یہ لوگ وہاں امن و عافیت سے رہے۔

حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے قیام سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور وہاں کے حکام اور عوام سب کے دلوں میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت و عظمت پیدا ہوئی چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور آپؐ کو وہاں سکون و اطمینان حاصل ہو گیا تو ہجرت کر کے حبشہ جانے والے مہاجرین نے بھی مدینہ منورہ جانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ نجاشی نے ان کے ساتھ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء و مشائخ کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں بھیجا، جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں باسٹھ افراد حبشہ کے اور آٹھ شام کے تھے۔

دربارِ رسالت میں وفد کی حاضری: حبشہ کا یہ وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درویشانہ اور راہبانہ لباس میں حاضر ہوا۔ آپ نے ان کو سورۃ یٰسین پڑھ کر سنائی۔ یہ لوگ سنتے جاتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ سب کہنے لگے کہ یہ کلام اس کلام سے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ پھر یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان کی واپسی کے بعد نجاشی نے بھی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

یہ آیتیں انہی حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں ان کا خوفِ خدا سے رونا اور حق کو قبول کرنا بیان فرمایا گیا ہے۔ جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اگرچہ یہ آیتیں نجاشی اور اس کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، مگر الفاظ میں عموم ہے۔ اس لئے یہ حکم ان تمام نصاریٰ کے لئے عام ہے جو اہل حبشہ کی طرح حق پرست اور انصاف پسند ہوں، یعنی جو اسلام سے پہلے انجیل کی اتباع کرتے تھے اور اسلام آنے بعد اسلام کی اتباع کرنے لگے۔

اگرچہ یہود میں بھی چند افراد اسی شان کے موجود تھے جو پہلے توریت پر عمل پیرا تھے پھر اسلام آنے کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ لیکن ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ عام یہودی، مسلمانوں کی عداوت اور ریخ کنی میں پیش پیش رہتے تھے۔ اسی لئے آیت کے شروع میں ان کا حال اس طرح بیان فرمایا کہ مسلمانوں کی عداوت میں، یہود سب سے زیادہ سخت ہیں۔

امام ابو بکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ بعض جاہل جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان آیات میں مطلقاً نصاریٰ کی مدح ہے اور وہ علی الاطلاق یہود سے بہتر ہیں یہ سراسر جہالت ہے کیونکہ اگر عام طور پر دونوں جماعتوں کے مذہبی عقائد کا موازنہ کیا جائے تو نصاریٰ کا مشرک ہونا زیادہ واضح ہے اور اگر مسلمانوں کے ساتھ معاملات کو دیکھا جائے تو آج کل کے عام نصاریٰ بھی اسلام

دشمنی میں یہود سے کم نہیں البتہ نصاریٰ میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوئی ہے جو خدا ترس اور حق پرست تھے ۔ اسی کے نتیجہ میں ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق حاصل ہوئی اور یہ آیتیں ان دونوں جماعتوں کے درمیان اسی فرق کو ظاہر کرتی ہیں ۔ یہاں بھی **ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ** فرمایا، یعنی ان آیات میں جن نصاریٰ کی مدح کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علماء اور خدا ترس اور تارک الدنیا حضرات ہیں اور ان میں تکبر نہیں کہ دوسروں کی بات پر غور کرنے کے لئے تیار نہ ہوں ۔ اس کے برعکس یہود میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے، جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں ان میں خدا ترسی اور حق پرستی نہیں ۔ ان کے علماء نے ترکِ دنیا کی بجائے اپنے علم کو صرف ذریعہ معاش بنایا اور طلبِ دنیا میں ایسے مست ہوئے کہ حق و ناحق اور حلال و حرام کی بھی پرواہ نہ کی ۔ (معارف القرآن ۲۱۶ ۔ ۲۱۸ / ۳)

اہلِ کتاب مومنین کا حال

۸۳، ۸۶ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا تو تو ان کی آنکھوں کو آنسو بہاتے دیکھے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی ہے (اور) وہ کہتے ہیں ۔ اے ہمارے رب، ہم ایمان لائے پس تو ہمیں بھی ماننے والوں کے ساتھ لکھ لے اور (وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ) ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ حق بات ہمیں پہنچی ہے، ہم اس پر ایمان کیوں نہ لائیں حالانکہ ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کی جماعت کے ساتھ داخل کرے گا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس

کہنے کی جزا میں ان کو ایسے باغ عطا فرمادئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں۔

تَفِیْضُ : وہ بہتی ہے۔ وہ جاری ہوتی ہے۔ فَیْضٌ سے مضارع

الدَّمْعِ : آنسو۔ جمع دُمُوْعٌ

نَطْمَعُ : ہم طمع رکھتے ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں۔ طَمَعٌ سے مضارع

فَاَثَابَهُمْ : پس اس (اللہ تعالیٰ) نے ان کو ثواب دیا۔ پس اس نے ان کو انعام دیا۔ اِثَابَۃٌ سے ماضی۔

الْجَحِیْم : دوزخ۔ دہکتی ہوئی آگ

ربطِ آیات: گزشتہ آیات میں پہلے یہود کی شرارتوں اور خباثتوں کا بیان تھا پھر نصاریٰ کے عقائد فاسدہ اور ان کی گمراہی کا ابطال اور اس کے دلائل کا بیان تھا تاکہ ان کے ایمان باللہ کا حال معلوم ہو جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ ان کا دین ہیچ ہے اور ان کے عقائد صحیح نہیں، اس لئے کہ وہ دین میں غلو کرتے ہیں۔ یہ سب اس لئے بیان کیا گیا کہ شاید اہل کتاب باطل کو چھوڑ کر حق کی اتباع کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہو جائیں۔ پھر یہود کا انجام بد بیان کیا گیا۔ ان آیتوں میں بعض اہل کتاب مومنوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ قرآن کریم کو سنتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے کیونکہ وہ اس بشارت کو پہچان گئے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق انہوں نے اپنی کتاب انجیل میں دیکھی تھی۔

تشریح: ان آیتوں میں بھی نصاریٰ کا ذکر ہے جو گزشتہ آیت سے شروع ہوا تھا۔ جب یہ نصاریٰ قرآن کریم کو سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ اس بشارت کو پہچان گئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق انہوں نے اپنی کتاب انجیل میں دیکھی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ پہلے ہم انجیل پر ایمان لائے تھے، اب ہم قرآن کریم پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے اس لئے تو ہمیں ان لوگوں میں لکھ لے جنہوں نے تیرے معبود برحق اور واحد و یکتا ہونے کی شہادت دی ہے اور تجھ پر اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں اور تو ہمیں نیک لوگوں کی معیت نصیب فرما۔

ان کی درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ایمان و تصدیق کے صلہ میں ان کو ایسی جنتیں دی جائیں گی جن میں پانی کے چشمے بہہ رہے ہوں گے ۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے ۔ حق کی اتباع کرنے والوں کی یہی جزا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب اہل دوزخ ہیں ۔ (ابن کثیر ۸۵،۸۶ / ۲)

حلال اشیاء کو حرام ٹھہرانے کی ممانعت

۸۷، ۸۸۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں، حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے نہ بڑھو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حلال اور پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ۔

طَيِّبٰتِ: پسندیدہ اور نفیس چیزیں جو مرغوبِ طبع ہوں ۔ واحد طَيِّبَةٌ ۔

تَعْتَدُوْا: تم زیادتی کرتے ہو ۔ تم حد سے بڑھتے ہو ۔ اِعْتِدَاءٌ سے مضارع

شانِ نزول: ابن جریرؒ نے عوفی کی سند سے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ اور بعض دوسرے صحابیوں نے عورتوں اور گوشت کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا اور چھریاں لے کر مردانہ آلات کو کاٹ ڈالنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تاکہ نفسانی خواہش کی جڑ ہی کٹ جائے اور عبادت کے لئے فراغتِ دل حاصل ہو جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۶۹ / ۳)

ابن ابی حاتمؒ نے زید بن اسلم کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے اپنے گھر والوں کو ایک مہمان کی ضیافت پر مامور کیا اور (کھانے کے وقت) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے ۔ جب (رات کو) گھر پہنچے تو دیکھا کہ اہل خانہ نے ان کے انتظار میں مہمان کو کھانا نہیں کھلایا تھا ۔ انہوں نے بیوی سے کہا کہ تم نے میری وجہ سے میرے مہمان کو بھی کھانا نہیں کھلایا ۔ اب یہ کھانا مجھ پر حرام ہے ۔ بیوی نے کہا تو مجھ پر بھی حرام ہے ۔

مہمان نے کہا تو میرے لئے بھی حرام ہے ۔ حضرت عبد اللہؓ نے جب یہ معاملہ دیکھا تو (قسم توڑ کر) کھانے میں ہاتھ ڈال دیا اور کہا کھاؤ بسم اللہ ۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۷۱ / ۳)

بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے تین شخص امہات المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت (کی مقدار) بتائی گئی تو انہوں نے اس مقدار کو قلیل سمجھا اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا کیا مقابلہ ۔ آپ کے تو اگلے پچھلے قصور معاف کر دیئے گئے ۔ اس پر ایک شخص کہنے لگا کہ میں تو ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا ۔ دوسرے نے کہا کہ میں تو ہمیشہ روزے رکھوں گا ناغہ نہیں کروں گا ۔ تیسرا کہنے لگا کہ میں عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا ۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا تھا ۔ سن لو! خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ کا خوف اور خشیت رکھتا ہوں لیکن روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں ۔ (رات) کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں ۔ جو شخص میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے ۔ (مظہری ۱۷۰ / ۳) ۔

تشریح: ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ ترکِ دنیا اور ترکِ شہوات و لذات ایک حد تک تو محبوب و پسندیدہ ہے مگر اس میں بھی حدودِ الٰہیہ سے تجاوز کرنا مذموم و حرام ہے ۔ پس جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں ان کو کھاؤ پیو اور اہل کتاب کی طرح دین میں غلو مت کرو ۔ نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنا اور حلال و پاکیزہ چیزوں کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں اسی طرح یہود کی طرح دنیاوی لذات و شہوات اور حرام خوری میں منہمک رہنا بھی دین میں غلو اور تفریط ہے ۔ اللہ تعالیٰ اعتدال اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو حلال چیزیں تمہیں دی ہیں ان میں سے حلال و پسندیدہ چیزیں کھاؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو کہ حلال کی حد سے آگے بڑھ کر حرام کے دائرہ میں داخل ہو جاؤ، اور نہ حلال میں اتنے منہمک ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اور جس اللہ پر تم ایمان رکھتے ہو اس سے ڈرتے رہو اور اس کے حکم اور اس کی رضا کے خلاف کوئی کام نہ کرو ۔

بغویؒ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ شیرینی یا شہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو مرغوب تھا۔ ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مرغوب روٹی اور دلیہ کا ثرید تھا۔

ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے۔ (مظہری ۱۷۱/ ۳)

قسم کا کفّارہ

۸۹ ۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری فضول قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا۔ لیکن وہ ایسی قسموں پر ضرور گرفت کرے گا جن کو تم نے مستحکم کیا ہے۔ سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو یا ان (دس مسکینوں) کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ پھر جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا بیٹھو اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

يُؤَاخِذُكُمْ: وہ تم سے مواخذہ کرتا ہے۔ وہ پکڑتا ہے۔ مُؤَاخَذَةٌ سے مضارع

اللَّغْوِ: فضول۔ بیہودہ بات۔ بیکار

اَيْمَانِكُمْ: تمہاری قسمیں۔ واحد يَمِيْنٌ۔ یمین کے معنی قوت اور مضبوطی کے ہیں۔ شرع میں یمین اس قسم کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام سے یا اس کی کسی صفت سے کھائی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نام یا صفت سے قسم میں قوت اور تاکید پیدا ہو جاتی

ہے ۔ اس لئے اس کو یمین کہتے ہیں ۔

عَقَّدْتُّمْ: تم نے گرہ باندھی ۔ تم نے مضبوط کیا ۔ تَعْقِیْدٌ سے ماضی ۔

کِسْوَتُھُمْ: ان کا لباس ۔ ان کو پہنانا ۔ ان کو کپڑا دینا ۔ مصدر و اسم ۔ جمع کِسَاءٌ

تَحْرِیْرُ: تحریر کرنا ۔ لکھنا ۔ آزاد کرنا ۔ مصدر ہے

رَقَبَةٍ: گردن ۔ جان ۔ غلام

شانِ نزول: بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب آیت **لَاتُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآاَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ** نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان قسموں کا کیا کریں جو حلال چیزوں کے سلسلہ میں ہم کھا چکے ہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

قسم کی چند صورتیں

اس آیت میں قسم کھانے کی چند صورتوں کا بیان ہے ۔

۱۔ **یَمِیْنِ غَمُوْس:** غمس ڈوبنے کو کہتے ہیں ۔ چونکہ ایسی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوبتا ہے اس لئے اس کو غموس کہتے ہیں ۔ فقہاء کی اصطلاح میں یَمِیْنِ غَمُوْس اس جھوٹی قسم کو کہتے ہیں جو کسی گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر کھائی جائے ۔ مثلاً کسی شخص نے کوئی کام کیا ہے اور وہ جانتا بھی ہے کہ اس نے یہ کام کیا ہے پھر وہ جان بوجھ کر قسم کھالے کہ اس نے یہ کام نہیں کیا ۔ یہ جھوٹی قسم ہے ۔ یہ سخت گناہِ کبیرہ اور موجبِ وبالِ دنیا و آخرت ہے اور اس پر آخرت میں مواخذہ ہوگا ۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَاکَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ ○ (البقرہ ۲۲۵)

لیکن وہ تمہاری ان قسموں پر (پورا نہ کرنے کی صورت میں) مواخذہ فرمائے گا جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں ۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسی قسموں پر کفارہ نہیں ۔ البتہ توبہ و استغفار لازم ہے ۔

۲۔ **یمینِ لَغْو:** کسی گزرے ہوئے واقعہ پر اپنے نزدیک اس کو سچا جان کر قسم کھانا جبکہ حقیقتاً وہ واقعہ غلط ہو ۔ مثلاً کسی کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آگیا ہے ۔ اس ذریعہ پر

اعتماد کر کے اس نے قسم کھالی کہ وہ آگیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط تھی۔ اس کو یمین لغو کہتے ہیں۔ یا کسی گزری ہوئی بات پر منہ سے بلاارادہ جھوٹی قسم نکل گئی یا کہنا کچھ چاہتا تھا اور منہ سے بلاارادہ قسم نکل گئی۔ ایسی قسموں کو یمین لغو کہتے ہیں۔ ان پر نہ کفارہ اور آخرت کا مواخذہ ہے اور نہ گناہ۔

۳۔ **یمین منعقدہ:** کوئی شخص آئندہ کے لئے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے۔ مثلاً یہ کہے کہ واللہ میں فلاں کام کروں گا یا خدا کی قسم میں اس کے گھر نہ جاؤں گا۔ ایسی قسم توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔ اگر کوئی شخص گناہ کی بات پر قسم کھا بیٹھے مثلاً یہ کہے کہ واللہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا فلاں شخص کو قتل کر دوں گا، وغیرہ تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے۔

اس آیت میں لغو سے وہی قسم مراد ہے جس پر کفارہ نہیں اور مواخذہ سے صرف دنیا کا مواخذہ مراد ہے جو کفارہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

کفارہ دینے کی صورتیں

(۱) دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا دو وقت یعنی صبح و شام کھلا دیا جائے۔ خواہ وہ کھانا وہیں بیٹھ کر کھالیں یا ساتھ لے جائیں۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک ہی مسکین کو دس دن تک کھانا دینا جائز ہے۔ لیکن ایک شخص کو ایک ہی دن میں دس مرتبہ کھانا کھلانا جائز نہیں البتہ ایک شخص کو ایک دن میں دس آدمیوں کی خوراک دے دینا جائز ہے۔

(۲) یا دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دے دیا جائے۔ مثلاً ایک پاجامہ یا تہبند یا لمبا کرتہ۔

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک کم سے کم اتنا کپڑا ہونا چاہئے جس کو پہن کر نماز صحیح ہو جائے۔ اس صورت میں مرد کے لئے صرف پائجامہ یا تہبند یا گھٹنوں سے نیچا کرتہ کافی ہو گا اور عورت کے لئے دو کپڑے ضروری ہیں۔ لمبا کرتہ اور اوڑھنی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کم سے کم اتنا کپڑا ہونا چاہئے جس سے بدن کا بیشتر حصہ چھپ جائے۔ اس لئے صرف پائجامہ کافی نہیں۔ اگرچہ صرف پائجامہ سے نماز ہو جاتی

ہے، مگر صرف پائجامہ پہننے والے کو عرف میں برہنہ کہا جاتا ہے اور عورت کے لئے ایک لمبا کرتہ اوڑھنی کے بغیر کافی ہے اگرچہ اوڑھنی کے بغیر عورت کی نماز صحیح نہیں مگر عرف میں ایسی عورت کو برہنہ نہیں کہتے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک **كِسْوَتُهُمْ** سے کم سے کم وہ کپڑا مراد ہے جس پر لفظ کِسْوَۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے صرف عمامہ یا صرف پائجامہ یا صرف معمولی کرتہ جائز ہے۔

(۳) یا ایک غلام آزاد کیا جائے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

(۴) جس کو مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کچھ بھی میسر نہ ہو یعنی اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ قرض ادا کرنے اور اپنے گھر والوں کے کھانے، پہننے کے مصارف کے بعد دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا یا کپڑا دے سکے یا غلام آزاد کر سکے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

غلام کے لئے روزے رکھنے کے سوا قسم کا کوئی کفارہ نہیں کیونکہ اس کا مال اپنا مال نہیں، اس لئے وہ نہ کھانا دے سکتا ہے نہ لباس اور نہ غلام آزاد کر سکتا ہے۔ اگر آقا اپنے غلام کی قسم کے کفارہ میں کھانا دے گا یا لباس یا غلام آزاد کرے گا تو کفارہ ادا نہ ہو گا۔ مکاتب کا بھی یہی حکم ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسلسل روزے رکھنا ضروری نہیں۔ درمیان میں ناغہ کر کے بھی روزے رکھ سکتا ہے البتہ ناغہ کے بغیر مسلسل روزے رکھنا مستحب ہے۔

کفارہ کی ادائیگی قسم ٹوٹنے کے بعد ہو گی۔ اگر قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ ادا کر دیا تو وہ معتبر نہ ہو گا۔ قسم کھانے میں نہ تو جلد بازی سے کام لینا چاہئے اور نہ قسم کھانے کے بعد کسی شرعی یا طبعی ضرورت کے بغیر اس کو توڑنا چاہئے۔

(مظہری ۱۷۲۔ ۱۸۴ / ۳۔ معارف القرآن ۲۲۲۔ ۲۲۳ / ۳)

حرام چیزوں کا بیان

۹۰، ۹۱۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ

وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○

اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور بت اور پانسے محض گندے اور شیطانی کام ہیں۔ پس تم ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ بیشک شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تم میں باہم عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے (اب بھی) تم باز (نہیں) آؤ گے۔

اَلْاَنْصَابُ: بت۔ انصاب ان اُن گھڑت پتھروں کو کہتے ہیں جن کو کسی دیوی یا دیوتا کے نام پر کھڑا کر کے مشرک لوگ پوجتے تھے اور وہاں قربانیاں کرتے تھے۔ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد نُصُبٌ ہے۔

اَلْاَزْلَامُ: فال کے تیر کو کہتے ہیں۔ جاہلیت میں ازلام دو قسم کے تھے۔ ایک قسم کے ساتھ عرب جوا کھیلتے تھے اور بتوں پر قربان کئے ہوئے جانوروں کا گوشت تقسیم کرتے تھے۔ دوسری قسم کے ساتھ فال لے کر کاروبار کرتے تھے۔

رِجْسٌ: ناپاک۔ گندہ۔ عذاب

اَلْخَمْرِ: شراب۔ یہ خمرالشیء سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں اس نے اس کو ڈھانپ لیا شراب بھی چونکہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس پر پردہ ڈال دیتی ہے، اس لئے عربی میں اس کو خمر کہتے ہیں۔

اَلْمَیْسَرِ: قمار۔ جوا۔ یہ یُسْر بمعنی آسانی سے ماخوذ ہے۔ چونکہ جوئے میں کسی قسم کی محنت و مشقت اٹھائے بغیر مال آسانی سے مل جاتا ہے، اس لئے اسے مَیْسِر کہتے ہیں۔

شانِ نزول: ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے لئے شراب سے متعلق کوئی تسلی بخش حکم نازل فرما دے۔ اس پر سورۂ بقرہ کی آیت **یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسَرِ ط قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ** الخ نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے بارے میں تسلی بخش حکم نازل فرما دے۔ اس پر سورۂ نساء کی آیت **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی** نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو بلوا کر یہ آیت سنائی گئی۔ انہوں نے پھر دعا کی۔ اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے متعلق کوئی واضح اور شافی حکم نازل فرما دے۔ اس پر سورۂ مائدہ کی آیت **اِنَّمَا یُرِیْدُ**

الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدٰوَةَ وَالْبَغْضَآءَ۔۔۔۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک شراب و قمار کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ پڑھی گئی تو انہوں نے فرمایا۔ ہم باز آئے۔ ہم باز آئے۔ (مظہری ۱۸۴ / ۳)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جیسے حلال کو حرام سمجھنا گناہ ہے اسی طرح حرام کو حلال سمجھنا بھی گناہ ہے۔ اہل عرب شراب اور جوئے کو حلال و طیب سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ یہ چیزیں حلال و طیب نہیں بلکہ یہ خبیث و ناپاک اور گندی ہیں۔ ان کا استعمال حرام ہے۔ اس لئے ان سے بچو۔

عرب میں شراب نہایت درجہ کی مرغوب چیز تھی۔ اہل عرب کے لئے اس کو چھوڑنا آسان نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو دفعتاً حرام قرار دینے کی بجائے حکیمانہ طور پر تدریجاً حرام کیا۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۹: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ میں شراب کے مفاسد اور خرابیاں بیان کر کے اس کو ترک کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے تو اسی وقت شراب چھوڑ دی اور بعض یہ خیال کر کے کہ شراب کو حرام تو نہیں کیا گیا بلکہ اس کے مفاسد اور خرابیوں کی بنا پر اس کو گناہ کا سبب قرار دیا گیا ہے، اس کو پیتے رہے۔

پھر جب سورۂ نساء کی آیت ۴۳: لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى نازل ہوئی تو کچھ صحابہ نے جنہوں نے پہلی آیت کے بعد شراب کو ترک نہیں کیا تھا، یہ خیال کرتے ہوئے کہ جو چیز انسان کو نماز نہ پڑھنے دے اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی، شراب کو بالکل ترک کر دیا۔ مگر چونکہ شراب کی حرمت ابھی صاف طور پر نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے کچھ صحابہ اس کے بعد بھی نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اس کو پیتے رہے۔ کوئی صبح کی نماز کے بعد پی لیتا تو اس کا نشہ ظہر کے وقت تک اتر جاتا۔ کوئی عشاء کی نماز کے بعد پی لیتا تو صبح تک اس کا نشہ اتر جاتا۔ (حقانی ۳۰۳ / ۲)

اس کے بعد مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں تو شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا۔ شراب کے ساتھ ساتھ جوئے، انصاب اور فال کے تیروں کو گندی، پلید، قابل نفرت اور شیطانی کام قرار دے کر ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگرچہ شراب اور قمار (جوئے) میں کچھ فوائد و منافع بھی ہیں۔ لیکن ان دونوں کے مفاسد اور نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے شریعت نے ان

دونوں چیزوں کو ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔ جو بندہ دنیا میں اس کو پیئے گا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ (قیامت کے روز) اس کو طینۃ الخبال پلائے گا۔ تم جانتے بھی ہو کہ طینۃ الخبال کیا چیز ہوگی، دوزخیوں کا پسینہ۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت شراب پر، شراب پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، نچوڑنے والے پر، بنوانے والے پر، اٹھانے والے پر اور اس پر جس کے لئے اٹھا کر لے جائی جاتی ہو اور شراب کی قیمت کھانے والے پر۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس صبح تک اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ اس کے بعد اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر اگر وہ دوبارہ شراب پیتا ہے تو چالیس صبح تک اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ اس کے بعد اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے پھر اگر لوٹ کر (تیسری بار) وہ پہلے والی حرکت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ لیکن اگر وہ پھر توبہ کرلیتا ہے تو توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ چوتھی مرتبہ میں اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا اور اگر توبہ کرتا ہے تو توبہ بھی قبول نہیں فرماتا اور اس کو نہر خبال (کا پانی) پلائے گا۔ (مظہری ۱۸۷/ ۳)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

۹۲ - وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ج فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ o

اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرتے رہو اور (برائیوں سے) بچتے رہو۔ پھر اگر تم نہیں مانو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمہ تو صرف احکام کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔

وَاحْذَرُوْا: اور تم ڈرو ۔ اور تم بچو ۔ حَذْرٌ سے امر

اَلْبَلٰغُ: پہنچا دینا ۔ کافی ہونا ۔ مصدر ہے

اَلْمُبِیْنُ: ظاہر کرنے والا ۔ واضح کرنے والا ۔ کھول کر بیان کرنے والا ۔ اِبَانَۃٌ سے اسم فاعل

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو شراب، جوا اور تمام ممنوعات سے پرہیز اور واجبات کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید ہے اور اطاعت کا یہ حکم تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں مانو گے تو اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان ہے اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تو صرف احکام الٰہی کو صاف صاف اور واضح طور پر لوگوں تک پہنچانا ہے جس کو وہ بحسن و خوبی انجام دے چکے ۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص نہیں مانتا تو وہ محض اپنا نقصان کرتا ہے ۔ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی واقع ہوتی ہے ۔

تحریم سے پہلے شراب پینے والوں کا حال

۹۳ ۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ؀

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکے اس میں ان پر کچھ گناہ نہیں جبکہ وہ (آئندہ) پرہیزگار ہو گئے اور ایمان لائے اور وہ نیک کام کرنے لگے ۔ پھر وہ ڈرتے رہے اور ایمان پر (قائم) رہے ۔ پھر وہ پرہیزگار اور نیک ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نیکوں سے محبت رکھتا ہے ۔

جُنَاحٌ: گناہ

طَعِمُوْا: انہوں نے کھالیا ۔ وہ کھا چکے ۔ طَعْمٌ سے ماضی

شانِ نزول: شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے کے بعد صحابۂ کرام نے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جو بھائی تحریم سے پہلے شراب پیتے رہے اور جوئے کا مال کھاتے رہے اور مر گئے تو ان کا کیا حال ہو گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۴۰۷)

نسائیؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ انصار کے دو قبیلوں کے معاملہ میں شراب کی حرمت ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے شراب پی تھی اور نشہ میں مست ہو کر آپس میں ہاتھا پائی کی تھی۔ جب نشہ اترا تو چہروں، سروں اور ڈاڑھیوں کی حالت غیر دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ حرکت فلاں بھائی کی ہے۔ اگر اس کو میرا لحاظ ہوتا تو ایسی حرکت نہ کرتا۔ یہ نصاریٰ سب بھائی بھائی تھے، کسی کے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ تھا، مگر شراب خوری سے ان کے دلوں میں کینے پڑ گئے۔ اس پر آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ الخ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو گندگی ہے۔ مگر یہ اس وقت فلاں شخص کے پیٹ میں تھی جب وہ احد کی لڑائی میں مارا گیا۔ (اس کا کیا ہو گا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۳/۱۸۸)

تشریح: اس آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے شراب کو حرام قرار دیئے جانے سے پہلے شراب پی یا جوا کھیلا، ان پر کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں، بشرطیکہ وہ شراب کو حرام قرار دیئے جانے سے پہلے ایمان لے آئے ہوں اور اس بات کا یقین رکھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جس چیز کو جس وقت چاہے حلال قرار دے اور جس وقت چاہے حرام کر دے، اس کے ساتھ ہی وہ لوگ نیک کام کرتے رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ڈر سے ان چیزوں سے بچتے رہے ہوں جو اس وقت حرام تھیں، پھر وہ تقویٰ اور ایمان میں ترقی کرتے کرتے احسان کے مرتبہ تک پہنچ گئے۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ محسنوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۴۰۷)

مومنوں کی آزمائش

۹۴ - یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُہٗٓ
اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّخَافُہٗ بِالْغَیْبِ ج فَمَنِ

اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ذرا سے شکار کے معاملہ میں ضرور آزمائے گا۔ جس پر تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہیں تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے پھر جو کوئی اس کے بعد حد سے تجاوز کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

لَیَبْلُوَنَّکُمْ: البتہ وہ تمہیں ضرور آزمائے گا۔ البتہ وہ تمہارا ضرور امتحان لے گا۔ بَلَاءٌ سے مضارع بالام و نون تاکید۔

الصَّیْدِ: شکار۔ شکار کرنا۔ مصدر ہے۔

تَنَالُهٗ: وہ اس کو پاتی ہے۔ وہ اس کو پہنچتی ہے۔ نَیْلٌ سے مضارع

رِمَاحُکُمْ: تمہارے نیزے واحد رُمْحٌ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتمؒ نے مقاتل بن حیانؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول عمرۂ حدیبیہ میں ہوا جب جنگلی چوپائے اور پرندے اتنی کثرت سے لوگوں کی سکونت گاہوں میں گھس آئے تھے کہ اس کی نظیر پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ لوگ احرام باندھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو شکار کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ اور امتحان لیا تھا کہ ان میں سے کون باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے ڈرتا ہے۔ (مظہری ۱۸۹ / ۳)۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہیں ایک چھوٹی سی بات (یعنی شکار) سے آزمایا جائے گا جو تمہاری احرام کی حالت میں تمہارے اتنا قریب اور کثیر تعداد میں ہوگا کہ تم نہایت آسانی سے اس کو اپنے ہاتھوں سے بھی پکڑ سکو گے اور نیزے و برچھے وغیرہ سے بھی شکار کر سکو گے۔ یہی تمہاری آزمائش کا وقت ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس وقت دیکھے گا کہ کون تم میں سے بن دیکھے اس سے ڈرتا ہے اور اس کی طرف سے شکار کی ممانعت کے بعد احرام کی حالت میں شکار سے باز رہتا ہے اور کون اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے۔ پھر جو کوئی حد سے تجاوز کرتے ہوئے شکار کرے گا تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے، اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کا لحاظ کرتے ہوئے ایک معمولی کام سے اپنے نفس کو نہیں روک سکتا تو وہ اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے کیسے روک سکے گا جن کی طرف طبعی میلان بہت زیادہ ہوتا ہے۔

(مظہری ۱۸۹ / ۳، حقانی ۳۰۴ / ۲)

حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت

۹۵ - يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط وَمَنْ قَتَلَهٗ
مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا
عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ
عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ط عَفَا اللّٰهُ عَمَّا
سَلَفَ ط وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور تم میں سے جس نے اس کو قصداً مار ڈالا تو اس کا بدلہ ویسا ہی چوپایہ ہے جیسا کہ اس نے قتل کیا، جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں اور یہ بطور نیاز کعبہ تک پہنچائی جائے یا کفارہ میں محتاجوں کو کھانا کھلائے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ وہ اپنے کام کے وبال کی سزا چکھے۔ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا اور جو کوئی دوبارہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

مُتَعَمِّدًا: جان بوجھ کر کرنے والا۔ تَعَمُّدٌ سے اسم فاعل۔ یہاں جان بوجھ کر شکار قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنا محرم ہونا یاد ہو اور اس کو یہ بھی یاد ہو کہ احرام کی حالت میں شکار کرنا جائز نہیں۔

النَّعَمِ: چوپایہ (اونٹ، بکری، گائے، بھینس وغیرہ) اسم جنس ہے۔ جمع اَنْعَامٌ

بٰلِغَ: پہنچنے والا۔ بُلُوْغٌ سے اسم فاعل۔

وَبَالَ: وبال۔ سختی۔ اعمال کی سخت سزا۔

عَفَا: اس نے معاف کیا۔ اس نے بخش دیا۔ عَفْوٌ سے ماضی۔

سَلَفَ: وہ ہو چکا۔ وہ گزر گیا۔ سَلَفٌ سے ماضی

عَادَ: اس نے عود کیا۔ وہ لوٹا۔ اس نے دہرایا۔ عَوْدٌ سے ماضی۔

يَنْتَقِمُ: وہ انتقام لے گا۔ وہ سزا دے گا۔ اِنْتِقَامٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو احرام کی حالت میں شکار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

پس شکار کا جو جانور اصل خلقت کے لحاظ سے جنگلی ہو اور آنکھوں سے دور رہنے کی وجہ سے قتل ہونے سے محفوظ ہو اس کا شکار کرنا یا شکاری کو اشارے سے اس کا پتہ بتانا ممنوع ہے، خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اشارہ کی وجہ سے اس کا وہاں امن سے رہنا ختم ہو گیا۔ البتہ بچھو، کوا، چیل، چوہا اور کاٹ کھانے والا کتا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان کو احرام کی حالت میں قتل کیا جاسکتا ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں فاسق ہیں۔ ان کو احرام میں بھی قتل کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ تکلیف پہنچانے والے جانور ہیں۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹ کھانے والا کتا۔ (ابن کثیر)

ابو داؤدؒ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم سانپ کو، بچھو کو، چوہے کو، کاٹ کھانے والے کتے کو، چیل کو اور عادی درندہ کو قتل کر سکتا ہے۔ کوے کو قتل نہ کرے کوئی اینٹ یا پتھر وغیرہ اس پر پھینک سکتا ہے۔ (مظہری)

جو شخص جان بوجھ کر احرام کی حالت میں شکار کو قتل کرے یا احرام کو بھول کر یا غلطی اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی بنا پر قتل کرے تو ان سب صورتوں میں اس کی سزا کے طور پر اس کو شکار کے جانور جیسا دوسرا جانور فدیہ میں دینا پڑے گا، البتہ جان بوجھ کر شکار کرنے کی صورت میں فدیہ کے علاوہ اس کو اللہ کے انتقام کی سزا بھی ملے گی جبکہ بھول کر شکار کرنے کی صورت میں صرف فدیہ دینا پڑے گا۔ اللہ کے انتقام کی سزا معاف ہو جائے گی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فدیہ کا جانور قیمت کے اعتبار سے شکار کے برابر ہونا چاہئے۔ فدیہ کے جانور کی قیمت یا مثل ہونے کا فیصلہ دو صاحب بصیرت، تجربہ کار اور معتبر مسلمان کریں گے۔ فدیہ کے جانور کو حدود حرم میں لے جا کر ذبح کرے اور حرم ہی کے مساکین میں اس کا گوشت تقسیم کرے اور خود اس میں سے نہ کھائے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ گوشت حرم اور بیرون حرم کے فقراء میں تقسیم کرنا جائز ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ کفارہ اس پر اس لئے واجب کیا گیا ہے تاکہ وہ ہمارے حکم کے خلاف کرنے کی سزا پالے اور جو کچھ زمانہ جاہلیت میں ہو چکا وہ معاف ہے اور جس نے اسلام میں آنے کے بعد اور اس کی ممانعت کا حکم نازل ہونے کے باوجود اس حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ اس

سے انتقام لے گا۔ وہ سرکشوں سے انتقام لینے کی قدرت رکھتا ہے۔ کوئی باغی و سرکش اس کے قبضہ، قدرت سے باہر نہیں۔ (ابن کثیر ۹۸، ۹۹ / ۲، مظہری ۱۸۹، ۲۰۱ / ۳)

بحری شکار کی اجازت

۹۶ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِيٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ○

(احرام کی حالت میں) بحری شکار کرنا اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے حلال کر دیا گیا اور تم پر جنگل کا شکار حرام ہے جب تک تم احرام میں ہو۔ اور تم اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تمہیں جمع کیا جائے گا۔

مَتَاعاً: فائدہ۔ پونجی۔ جمع اَمْتِعَۃٌ

لِلسَّيَّارَةِ: کاروان۔ قافلہ

مَادُمْتُمْ: جب تک تم رہو۔ دَوْمٌ و دَوَامٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

الْبَحْرِ: دریا۔ سمندر۔ بحر سمندر کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں بالاتفاق عام معنی مراد ہیں خواہ وہ سمندر ہو، خواہ دریا ہو یا ندی نالہ یا جھیل اور تالاب یا کنواں ہو۔

تشریح: یہاں حرم اور حالتِ احرام میں بحری شکار کی اجازت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ بحری شکار سے مراد عام بحری شکار ہے خواہ وہ کھانے کی چیزیں ہوں یا نہ ہوں۔ جیسے موتی یا سیپی نکالنا یا بعض بحری جانوروں کو ان کے دانت اور ہڈیوں کے لئے شکار کرنا۔

بحری شکار میں سے تمام مچھلیاں حلال ہیں اور ہر قسم کے مینڈک حرام ہیں۔ آیت میں طعام سے وہ مچھلی مراد ہے جو پانی سے جدا ہو کر مر گئی ہو۔ مسافروں اور عام لوگوں کے فائدہ کے لئے اس کو حلال کیا گیا۔ اگر اس کو حلال نہ کیا جاتا تو مسافروں اور دوسرے لوگوں کو سخت تکلیف اٹھانی پڑتی۔ پھر فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ تم سب کو اسی کے پاس جمع کیا جائے گا۔ پس جس چیز سے اس نے تمہیں منع کر دیا ہے اس کو نہ کرو۔ (حقانی ۳۰۶ / ۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ صید البحر

ہے وہ (خوردنی) اشیاء مراد ہیں جو سمندر کے اندر موجود ہوں اور طعام سے مراد وہ (خوردنی) اشیاء ہیں جو سمندر نے اگل کر باہر پھینک دی ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صید البحر وہ ہے جس کو (سمندر سے) شکار کیا جائے اور طعام البحر وہ ہے جس کو سمندر خود بخود باہر پھینک دیتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ طعام البحر وہ ہے جس کو پانی مردہ حالت میں کنارے پر پھینک دیتا ہے۔ (مظہری ۲۰۱، ۲۰۲ / ۳)

امن و اطمینان کے ذرائع

۹۷، ۹۹۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو، جو حرمت والا گھر ہے، لوگوں کے لئے امن کی جگہ بنا دیا اور حرمت والے مہینے کو اور نیاز (قربانی) کے جانور اور جن جانوروں کے گلے میں نشانی کے پٹے بندھے ہوئے ہوں ان کو (مامون بنا دیا) تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب کا علم رکھتا ہے اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ جان لو! کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا بھی ہے اور بخشنے والا مہربان بھی ہے۔ رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو وہ سب معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

جَعَلَ: اس نے بنایا۔ اس نے کیا۔ جَعْلٌ سے ماضی

قِيٰمًا: کھڑے ہونا۔ امن کا ذریعہ بنانا۔ قیام کا ذریعہ بنانا۔ مصدر ہے۔

اَلْقَلَآئِدَ: ہار ۔ پٹہ ۔ قربانی کے وہ جانور جن کے گلے میں علامت کے طور پر پٹہ ڈال دیا جائے ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد قِلَادَۃٌ ہے ۔

تُبْدُوْنَ: تم ظاہر کرتے ہو ۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع

تَکْتُمُوْنَ: تم چھپاتے ہو ۔ تم پوشیدہ رکھتے ہو ۔ کَتْمٌ وَ کِتْمَانٌ سے مضارع

ربط: نصاریٰ کی تعریف میں رہبانیت کا ذکر آیا تھا اور رہبانیت دنیاوی لذات کو ترک کرنے کا نام ہے ۔ خواہ وہ حلال ہوں یا حرام ۔ اس احتمال سے کہ کہیں مسلمان رہبانیت کو اچھی چیز نہ سمجھنے لگیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنے کی ممانعت فرمادی پھر قسم کے کفارے، شراب، جوا وغیرہ، شیطانی کاموں کی حرمت، احرام میں شکار کی ممانعت اور اس کے احکام اور بحری و بری شکار کے احکام بیان کئے گئے ۔ ان آیتوں میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم بیان کی گئی ہے کہ شکار کی حرمت سے حرم اور احرام کا احترام مقصود ہے ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو لوگوں کے لئے امن و اطمینان کا سبب بنایا ہے ۔

(۱) کعبہ: عربی زبان میں کعبہ ایسے مکان کو کہتے ہیں جو مربع یعنی چوکور ہو ۔ عرب میں قبیلہ خشعم کا بنایا ہوا ایک مکان کعبہ یمانیہ کے نام سے مشہور تھا ۔ اس لئے بیت اللہ کو اس کعبہ سے ممتاز کرنے کے لئے لفظ کعبہ کے ساتھ البیت الحرام بڑھایا گیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش کے دن ہی اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو حرم بنادیا تھا ۔

اللہ تعالیٰ نے کعبہ بیت اللہ اور اس کے متعلقات کو پورے عالم انسانیت کے لئے دین و دنیا کی درستگی کا ذریعہ بنادیا ہے ۔ دین کی درستگی تو یہ ہے کہ لوگ اس کا حج کرتے ہیں اور یہاں دوسرے شعائر اسلامی کی ادائیگی کرتے ہیں اور یہ دنیاوی درستگی کا ذریعہ اس لئے ہے کہ حرم کے اندر لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کی ممانعت ہے ، یہاں پہنچ کر لوگوں کا مال و جان محفوظ ہو جاتا ہے ۔ جس طرح کوئی سمجھ دار آدمی حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کرنے کی جرات نہیں کرتا اسی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی حرمت و تعظیم لوگوں کے دلوں میں اس طرح بٹھا دی تھی کہ اس کے احترام میں وہ اپنے تمام جذبات و خواہشات کو پس پشت ڈال دیتے تھے ۔

زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی جنگ جوئی اور قبائلی دشمنی میں ضرب المثل تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بیت اللہ اور اس کے متعلقات کی حرمت و تعظیم ایسی گہری کردی تھی کہ اگر

ان کا سخت جانی دشمن بھی حرم میں داخل ہو جائے تو انتہائی غم و غصہ کے باوجود وہ اس کو کچھ نہ کہتے تھے۔ اگر باپ کا قاتل بیٹے کو حرم میں مل جاتا تو بیٹا نیچی نظریں کر کے گزر جاتا۔

(مظہری ۲۰۵ / ۳، معارف القرآن ۲۳۷۔ ۲۳۸ / ۳)

(۲) حج کے مہینے: عرب میں جس طرح بیت اللہ اور اس کے گرد و پیش کے حرم کا احترام عام تھا۔ اسی طرح ان میں حج کے مہینوں کا بھی خاص احترام تھا۔ ان مہینوں کو وہ اشہر حرم کہتے تھے۔ تمام عرب ان مہینوں میں حرم سے باہر بھی قتل و قتال کو حرام سمجھتے تھے اور اس سے پرہیز کرتے تھے۔

(۳) ہدی: اس جانور کو کہتے ہیں جس کی قربانی حرم شریف میں کی جائے۔ جس شخص کے ساتھ ایسے جانور ہوں، عرب کے لوگ اس کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ وہ امن و اطمینان کے ساتھ سفر کرتا اور اپنا مقصد پورا کرتا تھا۔ اس لئے ہدی بھی قیام امن کا ایک سبب ہوئی۔

(۴) قلائد: قلادہ ہار کو کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں جو شخص حج کے لئے نکلتا تو وہ اپنے گلے میں علامت کے طور پر ایک ہار ڈال لیتا تھا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ وہ حج کے لئے جا رہا ہے اور وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔ اسی طرح قربانی کے جانوروں کے گلے میں بھی اسی قسم کے ہار ڈالے جاتے تھے۔ ان کو بھی قلائد کہتے ہیں۔ پس قلائد بھی قیام امن و سکون کا ذریعہ بنے۔

یہ تینوں چیزیں یعنی اشہر حرام، ہدی اور قلائد بیت اللہ کے متعلقات میں سے ہیں۔

(معارف القرآن ۲۳۹، ۲۴۰ / ۳)

ایسی عمدہ تدبیر کرنا جس سے لوگوں کے دلوں میں کعبہ اور مناسکِ حج کی عظمت پیدا ہو کر وہاں کے لوگوں اور وہاں آنے جانے والوں کے لئے باعث امن و سکون ہو جائے۔ یہ بڑے علیم و خبیر ہی کا کام ہے۔ وہی تمہاری دینی و دنیاوی مصلحتوں اور ضرورتوں سے پوری طرح واقف ہے خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو سخت سزا دینے والا اور اہل طاعت کو بخشنے والا مہربان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔ جب انہوں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تو اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اب جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے۔

(حقانی ۳۰۷ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۱۱ / ۲)

حلال و طیب کی برکت

۱۰۰ - قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے ۔ اگرچہ تمہیں ناپاک کی کثرت بھلی ہی لگے ۔ پس اے عقل والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔

یَسْتَوِی: وہ برابر ہوتا ہے ۔ اِسْتِوَاءٌ سے مضارع

اَعْجَبَكَ: وہ تجھ کو بھلا لگا ۔ وہ تم کو اچھا لگا ۔ اِعْجَابٌ سے ماضی

شانِ نزول: اصبہانی نے ترغیب میں اور واحدی نے حضرت جابرؓ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کا ذکر کیا تو ایک اعرابی نے عرض کیا کہ میری تو یہی تجارت تھی ۔ اسی میں میں نے مال کمایا ہے ۔ اگر اسی مال میں سے میں کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کروں تو کیا مجھے (آخرت میں) کچھ فائدہ ہو گا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاک (کمائی) کو قبول فرماتا ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲۰۶ / ۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ خبیث اور طیب اور ناپاک اور پاکیزہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ اگرچہ ناپاک اور گندہ کی بہتات کتنی ہی بھلی معلوم ہو ۔ یعنی حرام مال خواہ کتنا ہی زیادہ اور پسندیدہ ہو، وہ حلال مال کی برکت کو نہیں پہنچ سکتا ۔ پس اے صحیح عقل والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام مت ٹھہراؤ ۔ جو چیزیں خبیث اور حرام ہیں خواہ وہ دائمی طور پر ہوں یا خاص اوقات و حالات میں ہوں، ان سے پوری طرح اجتناب کرو ۔ اور حلال و پاکیزہ پر ہی قناعت کرو اگرچہ وہ قلیل ہو ۔ شاید اس سے تم دین و دنیا میں فلاح پا سکو ۔

حضرت ثعلبہؓ بن حاطب انصاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بہت سا مال عطا فرمائے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کرو، وہ اس کثیر سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کرو ۔ (ابن کثیر ۱۰۴ / ۲) ۔

غیر ضروری سوالات کی ممانعت

۱۰۱، ۱۰۲۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۞ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ ۞

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگواری ہو اور اگر تم قرآن کے نازل ہوتے وقت ان کو پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ (گزشتہ سوالات) اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے اور اللہ بخشنے والا اور حلم والا ہے۔ تم سے پہلے بھی ایک جماعت نے ان کو پوچھا تھا۔ پھر وہ ان سے انکار کرنے لگے۔

تُبْدَ لَكُمْ: وہ تم پر ظاہر کی جائے۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع مجہول

تَسُؤْكُمْ: وہ تمہیں بری لگے۔ وہ تمہیں غمگین کرے۔ سَوْءٌ سے مضارع

شانِ نزول: احمدؒ، ترمذیؒ اور حاکمؒ نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابن جریرؒ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو امامہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آیت **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ** نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال (حج فرض ہے) آپؐ خاموش رہے۔ صحابہ نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال (حج فرض ہے) آپؐ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) حج کرنا واجب ہو جاتا۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں اندیشہ نہیں ہوا کہ (شاید) میں ہاں کہہ دوں اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) حج کرنا واجب ہو جاتا اور ہر سال واجب ہو جاتا تو پھر تم اس کو ادا نہ کر سکتے اگر میں تمہیں چھوڑے رکھوں تو تم بھی مجھے (سوال کئے بغیر) چھوڑے رکھو۔ تم سے پہلے لوگ انبیاء سے زیادہ سوال کرنے ہی سے برباد ہوئے۔ اگر میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو تم سے جہاں تک ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب کسی بات کی ممانعت کر دوں تو اس سے باز رہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۰۷ / ۳)

بخاریؒ نے بحوالہ قتادہ حضرت انس بن مالکؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے اور اتنے مبالغہ کے ساتھ کئے کہ آپؐ غضبناک ہو گئے اور ممبر پر تشریف لے جا کر فرمایا کہ آج تم جس چیز کے بارے میں سوال کرو گے میں اس کا جواب واضح طور پر دوں گا۔ یہ سن کر میں دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ ہر شخص کپڑے میں سر لپیٹے ہوئے رو رہا ہے۔ ایک آدمی ایسا تھا جو اپنا نسب غیر باپ سے جوڑتا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے، آپؐ نے فرمایا حذافہ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عرض کیا ہم اللہ کے رب ہونے سے، اسلام کے دین ہونے سے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے سے راضی ہیں اور فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی طرح کوئی دن میں نے کبھی نہیں دیکھا، نہ خیر میں نہ شر میں۔ میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر لائی گئی۔ (یعنی میری نظر کے سامنے دونوں کو لایا گیا) یہاں تک کہ میں نے دیوار سے پرے دونوں کو دیکھ لیا۔ قتادہؒ اس حدیث کو بیان کرتے وقت آیت يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ... کا ذکر کر رہے تھے۔

بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ استہزاء کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا کہ میرا باپ کون ہے، دوسرا کہہ رہا تھا کہ میری اونٹنی گم ہو گئی ہے۔ بتائیے وہ کہاں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۲۱۰ / ۳)

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو ادب سکھانے کے لئے فضول اور غیر مفید سوالات پوچھنے کی ممانعت کی گئی ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمائی ان کے بارے میں غیر ضروری سوالات مت کیا کرو۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش و سعت رہی۔ اگر ایسی چیزوں کے بارے میں خوامخواہ بحث و تمحیص اور سوال و جواب کا دروازہ کھولا تو چونکہ ابھی قرآن کریم کا نزول ہو رہا ہے تو بہت ممکن ہے کہ ان سوالات کے جواب میں ایسے احکام نازل ہو جائیں جن سے تمہاری آزادی اور سہولت ختم ہو جائے اور ایسی باتیں ظاہر ہو جائیں جن کا ظاہر ہونا تمہارے لئے سخت ناگواری اور رنج کا باعث ہو۔ پس اگر تم رسول کی زندگی میں فضول باتیں اور سوال پوچھو گے تو ان کے جواب تم پر ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ خواہ وہ تمہاری رسوائی اور ناگواری کا باعث

ہوں اور تمہیں سخت احکام کی تعمیل پر مامور کر دیا جائے گا۔ پھر تم کیا کرو گے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے۔ لیکن جو گزر چکا وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور بڑے حلم والا ہے کہ تمہارے قصور معاف فرما دیتا ہے اور تمہیں فوراً سزا نہیں دیتا۔ تم سے پہلے لوگوں نے بھی سوال کئے تھے پھر وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گئے کیونکہ ان کے سوالوں کے جواب میں جو احکام ان کو دیئے گئے ان پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔

(ابن کثیر ۱۰۶ / ۲، مظہری ۲۰۸، ۲۰۹ / ۳، تفسیر عثمانی ۳۸۲ / ۱)

بعض شرکیہ رسوم کا اِبطال

۱۰۳، ۱۰۴۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے نہ تو بحیرہ مقرر کیا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے۔ اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور گو کہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ راہ راست پر رہے ہوں۔

بَحِيْرَةٍ: اگر کوئی اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو مشرکین اس کے کان چیر کر اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ نہ اس سے سواری کا کام لیتے، نہ اس کو ذبح کرتے، نہ اس پر وزن لادتے اور نہ اس کو کسی پانی اور چراگاہ سے روکتے، وہ جہاں چاہتی چرتی پھرتی۔ مشرکین عرب ایسی اونٹنی کو بحیرہ کہتے تھے۔

سَآئِبَةٍ: اگر کوئی سفر میں جاتا یا بیمار ہو جاتا تو منت مانتا کہ اگر میں اپنے سفر سے واپس آ

گیا یا میں نے اس بیماری سے شفا پالی تو میری یہ اونٹنی سواری اور باربرداری کی مشقت سے آزاد ہے۔ جہاں چاہے چلے پھرے۔ عرب کے مشرکین ایسی اونٹنی کو سائبہ کہتے تھے۔ سائبہ نر بھی ہوتا اور مادہ بھی۔

وَصِیْلَۃٍ: اہل جاہلیت وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے تھے کہ جس کے پہلی مرتبہ نر، دوسری اور تیسری مرتبہ مادہ، بچہ پیدا ہوتا۔ مشرکین عرب ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے۔

حَامٍ: اہل جاہلیت اس نر اونٹ کو حام کہتے تھے جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں۔ اہل عرب ایسے اونٹ کو بھی سواری وغیرہ کی خدمت سے آزاد کر کے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ (مظہری ۲۱۱ / ۳)

تشریح: ان آیتوں میں اہل جاہلیت کی گمراہی کا بیان ہے کہ ان جاہل مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر بہت سی چیزیں اپنی طرف سے اپنے اوپر حرام کر لیں اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ محض افترا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ تو بحیرہ مشروع کیا نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حام۔ کافر لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ یہ رسوم اس کی مقرر کردہ ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتا ہے۔

بغویؒ نے محمد بن اسحاقؒ کی روایت سے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثم بن جون خزاعیؓ سے فرمایا کہ اے اکثم میں نے دیکھا عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف دوزخ کے اندر اپنی آنتیں کھینچتا ہوا پھر رہا ہے میں نے کسی کو اس کا اتنا ہم شکل نہیں دیکھا جتنا کہ تو عمرو سے اور عمرو تجھ سے مشابہ تھا۔ عمرو بن لحی نے ہی سب سے پہلے دین اسماعیل کو بگاڑا۔ اس نے استھان قائم کئے، بحیرہ اور سائبہ بنانے کی رسم ایجاد کی۔ وصیلہ اور حامی بنانے کی ابتداء کی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو بھی اذیت ہو رہی تھی۔ اکثم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کا ہم شکل ہونے سے مجھے کچھ ضرر پہنچے گا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ تو یقیناً مومن ہے اور وہ کافر تھا۔

پھر فرمایا کہ ان بے عقلوں کی جہالت اس درجہ تک پہنچ چکی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جہالت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بزرگوں کے دین پر ہی ٹھیک ہیں۔ کیا یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے باپ، دادا بھی

حق سے بے بہرہ اور ہدایت سے محروم تھے۔ تقلید اور پیروی تو ایسے شخص کی کی جاتی ہے جو علم بھی رکھتا ہو اور ہدایت یافتہ بھی ہو۔ تمہارے آباؤ اجداد تو جاہل اور گمراہ تھے۔ انہیں حق و باطل کی کوئی تمیز نہ تھی۔ پھر تم ان کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔ (مظہری ۲۱۲ / ۳، ابن کثیر ۱۰۷، ۱۰۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۱۴، ۲۱۵ / ۲)

اپنی اصلاح کی فکر کرنا

۱۰۵ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا جب کہ تم ہدایت پر ہو۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ تمہیں سب کچھ بتادے گا۔ جو تم کرتے رہے ہو۔

تشریح: اے ایمان والو! تم تو ان جاہل اور معاندین کی اصلاح کی جو کوشش کر سکتے تھے وہ کر چکے۔ لہٰذا اگر یہ تمہاری بات نہیں مانتے اور اپنے عناد، ضد اور جہالت و گمراہی سے باز نہیں آتے تو اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ تم تو اپنی ہدایت و اصلاح کی فکر کرو۔ نیکیوں میں کوشش کرتے رہو۔ کسی کا گمراہ ہونا تمہارے لئے ذرا بھی نقصان دہ نہیں۔ بشرطیکہ تم خود ہدایت پر رہو۔ جو جیسا کرے گا ویسا ہی نتیجہ پائے گا۔ البتہ جہاں تک ہو سکے وعظ و نصیحت کرتے رہو۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو برا کام کرتے دیکھ کر اس کو اس خیال سے منع نہ کیا جائے کہ اس کی برائی ہمارے لئے نقصان دہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بھلائی کی تاکید اور برائی سے روکنے کے بعد بھی اگر کوئی ضد اور ہٹ دھرمی سے اپنی گمراہی پر قائم رہے تو اس کی گمراہی تمہارے لئے نقصان دہ نہیں بشرطیکہ تم ہدایت پر ہو۔

پھر فرمایا کہ تم سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف آنا ہے۔ وہاں تمہیں اپنے اچھے اور برے اعمال کا پتہ چل جائے گا۔ جس کا عمل نیک ہو گا اس کو اچھی جزا ملے گی اور جس کا عمل بد ہو گا اس کو بری سزا ملے گی۔

حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کا مطلب نہیں سمجھتے ۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر لوگ برائی کو دیکھ کر اس کو نہ بدلیں گے (یعنی بدلنے کی کوشش نہ کریں گے) تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو عذاب میں مبتلا کر دے ۔

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں ورنہ اللہ تعالیٰ شریر لوگوں کو تم پر مسلط کر دے گا ۔ پھر وہ تمہیں بدترین عذاب کی تکلیفیں دیں گے ۔ اس وقت تم میں کے نیک لوگ بھی اگر تمہارے لئے دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں ہو گی ۔ (مظہری ۳/۲۱۳)

موت کے وقت وصی و گواہ مقرر کرنا

۱۰۶ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ط تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى لا وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ○

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو وصیت کے وقت تمہارے درمیان دو معتبر گواہ ہونے چاہئیں ۔ جو تم میں سے ہوں یا اگر تم سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت پڑ جائے تو اپنوں کے سوا دو گواہ بنا لو ۔ اگر تمہیں شبہ ہو تو ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو ۔ پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی مول نہیں لیں گے اگرچہ وہ ہمارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کی گواہی چھپائیں گے ۔ اگر ایسا کریں تو ہم گنہگار ہیں ۔

تَحْبِسُوْنَهُمَا: تم ان دونوں کو محبوس کرتے ہو۔ تم ان دونوں کو روکتے ہو۔
حَبْسٌ سے مضارع

اِرْتَبْتُمْ: تم شبہ میں پڑے۔ اِرْتِیَابٌ سے ماضی

ثَمَنًا: قیمت۔ دام۔ جمع اثمان۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں لایعنی سوالوں کی ممانعت اور کفار و مشرکین کی جہالتوں کا بیان تھا پھر مومنوں کو اپنے دین کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔ ان آیتوں میں مال کی حفاظت کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ مرتے وقت کسی کو وصی اور گواہ بنالینا چاہئے تاکہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

شانِ نزول: بخاریؒ، ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ تمیم داری اور عدی بن بدر تجارت کے لئے شام گئے۔ اس زمانے میں یہ دونوں عیسائی تھے۔ ان کے ساتھ عمرو بن عاص کے آزاد کردہ غلام بدیلؓ بھی تھے۔ بدیلؓ مسلمان تھے اور شام پہنچ کر بیمار ہو گئے۔ (جب موت کا یقین ہو گیا تو بدیل نے) اپنے موجودہ سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان ہی میں ڈال دی اور ساتھیوں کو (اس کی) اطلاع نہیں دی بلکہ دونوں ساتھیوں کو وصیت کر دی کہ میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا۔ پھر وہ وفات پا گئے۔ دونوں ساتھیوں نے سامان کی تلاشی لی تو سامان میں چاندی کا ایک برتن ملا جس کا وزن تین سو مثقال تھا اور اس پر سنہری کام کیا ہوا تھا۔ دونوں نے وہ برتن چھپا لیا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر جب وہ مدینے لوٹے تو بدیل کے گھر والوں کو اس کا سامان پہنچا دیا۔

بدیل کے گھر والوں کو سامان دیکھنے پر اس کے اندر سے ایک فہرست ملی۔ انہوں نے آکر تمیم اور عدی سے پوچھا کہ کیا ہمارے آدمی نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز فروخت کی تھی۔ دونوں نے نفی میں جواب دیا۔ گھر والوں نے پوچھا کہ کیا اس نے کوئی تجارت کی تھی دونوں نے جواب دیا نہیں۔ پھر گھر والوں نے پوچھا کہ کیا اس کی بیماری اتنی طویل ہو گئی تھی کہ اس کو کوئی چیز خرچ کرنی پڑی تھی۔ دونوں نے کہا کہ نہیں۔ اس وقت گھر والوں نے کہا کہ ہمیں سامان میں ایک تحریر ملی ہے جس میں پورے سامان کی ایک فہرست ہے۔ مگر سامان میں چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع کیا ہوا تھا اور جس کا وزن تین سو مثقال تھا موجود نہیں۔ دونوں نے جواب دیا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے ہم سے سامان تمہارے پاس پہنچانے کے لئے کہا تھا سو ہم نے پہنچا دیا۔ ہمیں برتن کا کچھ علم نہیں۔ غرض انہوں نے انکار کر دیا اور معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اس پر آیات ۱۰۶، ۱۰۸ نازل ہوئیں۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب تم سفر میں ہو اور تم میں سے کسی کو اپنی موت کے آثار معلوم ہونے لگیں تو اس کو اپنے مال کے متعلق اپنے لوگوں میں سے کسی معتبر آدمی کو وصیت کرنی چاہیئے اور اپنے دو معتبر آدمیوں کو اس وصیت کے گواہ مقرر کرنا چاہئے۔ اگر اپنے آدمی نہ ملیں تو پھر غیروں میں سے دو شخص گواہ بنالئے جائیں۔ اگر سفر کے تمام ساتھی کافر ہوں اور ان میں مسلمان کوئی بھی نہ ہو تو پھر انہیں میں سے دو گواہ مقرر کر لو۔ پھر اگر کوئی تنازع پیدا نہ ہو اور جو کچھ مال و اسباب وہ ادا کریں۔ میت کے وارث اس کو سچ جان کر قبول کر لیں تو ٹھیک ورنہ نماز کے بعد مجمع عام میں کھڑا کر کے ان دونوں گواہوں سے قسم لی جائے اور یہ کہلوایا جائے کہ اس قسم کے عوض، ہم کسی قسم کا مال نہیں چاہتے خواہ وہ شخص جس کے لئے، ہم گواہی دے رہے ہیں، ہمارا کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ نہ ہم جھوٹ بولتے ہیں اور نہ اللہ کی فرض کی ہوئی گواہی کو چھپاتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو بیشک، ہم گنہگاروں میں سے ہوں گے۔

وارثوں کا حلفی بیان

۱۰۷، ۱۰۸ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ
مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ
بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا
لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى
وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○

پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے گناہ کمایا ہے (گواہی میں کمی بیشی کی ہے) تو ان کی جگہ، جن لوگوں کا حق دبایا گیا ہے، ان میں سے دو گواہ کھڑے ہو جائیں جو مظلوم کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی پہلے والوں کی گواہی سے زیادہ معتبر ہے اور، ہم نے کچھ تجاوز نہیں کیا۔ اگر ہم نے زیادتی کی ہو تو بلاشبہ، ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔ امید ہے کہ

اس طرح وہ ٹھیک گواہی دیں گے یا اس بات سے ڈریں گے کہ ہماری قسم ان (وارثوں) کی قسموں کے سامنے رد نہ کر دی جائے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

عُثِرَ: اسے اطلاع دی گئی۔ اسے خبر کی گئی۔ عُثُوْرٌ سے ماضی۔

اسْتَحَقَّا: وہ دونوں مستحق ہوئے۔ وہ دونوں حقدار ہوئے۔ اِسْتِحْقَاقٌ سے ماضی

اذا: اس وقت۔ یہ حرف ناصب ہے۔

ترد: وہ رد کر دی جائے۔ وہ لوٹا دی جائے۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول

اَيْمَانٌ: قسمیں۔ واحد یَمِیْنٌ۔

تشریح: پھر اگر بعد میں کسی طرح یہ اطلاع ملے کہ دونوں گواہوں نے میت کے مال میں خیانت کی ہے اور جھوٹی قسم کھائی ہے تو میت کے وارثوں میں سے دو شخص جو میت کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں اور میت کے مال اور حال سے پوری طرح واقف ہوں، وہ کھڑے ہو کر اللہ کی قسم کھا کر یہ کہیں کہ بیشک ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ معتبر ہے۔ ہمارا کہنا سچ ہے اور اس قسم میں ہم نے حق سے تجاوز نہیں کیا۔ اگر ہم حق سے تجاوز کریں تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔ پس اگر میت کے رشتہ دار قسم کھالیں تو جتنے مال کا ان کا دعویٰ ہے وہ وصیوں سے دلایا جائے گا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم اور اس کے بھائی سے عصر کی نماز کے بعد قسم لی کہ ہم نے اس مال میں کچھ خیانت نہیں کی اور قسم کے بعد دونوں کو بری کر دیا گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد چاندی کا وہ پیالہ کہیں سے بکتا ہوا پکڑا گیا اور معاملہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ آپؐ نے عمرو بن العاصؓ اور مطلب بن ابی رفاعہ سے، جو بدیل کے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے، قسم لی اور وہ پیالہ انہیں دلوا دیا۔ اس واقعہ کے بعد جب تمیم داریؓ اسلام لے آئے تو انہوں نے اقرار کیا کہ بیشک اللہ اور اس کا رسول سچا ہے۔ میں نے جھوٹی قسم کھائی تھی اور پیالہ لیا تھا۔ اب میں اپنے اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔

شہادت کا جو طریقہ ان آیتوں میں بیان ہوا ہے وہ اس امر کے زیادہ قریب ہے کہ لوگ صحیح شہادت دیا کریں یا اس بات سے ڈریں کہ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھائی تو ہمارے بعد وارثوں سے بھی قسم لی جائے گی اور وارث قسم کھا کر ہماری قسم کو بے اعتبار بنا دیں گے۔ اس اندیشہ کے

بعد وہ جھوٹی قسم کی جرأت نہیں کریں گے ۔ جو لوگ امانت میں خیانت کرتے اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، بلکہ ان کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے، تاکہ وہ قیامت میں اس کی سزا پائیں ۔

(حقانی ۳۱۱ / ۲، معارف القرآن، از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۴۱۹ / ۲)

قیامت کا حال

۱۰۹ ۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○

جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا، تو وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں، بیشک تو ہی غیب کی باتیں خوب جانتا ہے

تشریح: قیامت کے روز اگرچہ اول سے آخر تک پیدا ہونے والے تمام انسان خواہ وہ کسی خطہ، کسی ملک اور کسی زمانے کے ہوں، سب ایک کھلے میدان میں حاضر کئے جائیں گے اور ان سے ان کے عمر بھر کے اعمال کا حساب لیا جائے گا، مگر سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام سے سوال ہو گا تاکہ تمام مخلوق دیکھ لے کہ آج کے دن سوال و جواب اور حساب سے کوئی مستثنیٰ نہیں ۔

انبیاء علیہم السلام سے پوچھا جائے گا کہ جب آپ لوگوں نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف بلایا تو ان لوگوں نے آپ کو کیا جواب دیا تھا؟ اور کیا انہوں نے آپ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کیا؟ اس سوال کے مخاطب اگرچہ انبیاء علیہم السلام ہوں گے لیکن در حقیقت ان کی امتوں کو سنانا مقصود ہو گا کہ انہوں نے جو نیک یا بد اعمال کئے تھے، سب سے پہلے اس کی شہادت ان کے رسولوں سے لی جائے گی، جیسا کہ ارشاد ہے:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○

(اعراف آیت ۶)

پس ہم ان کی قوموں سے بھی پوچھیں گے اور ان کے پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ عَمَّاکَانُوْایَعْمَلُوْنَ ○

(الحجر آیات ۹۲، ۹۳)

تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گے کہ دنیا میں تمہارا کیا عمل تھا

یہ وقت امتوں کے لئے بڑا نازک ہو گا کہ وہ تو اس ہوش ربا ہنگامہ میں انبیاء علیہم السلام سے شفاعت کی امید لگائے ہوئے ہوں گے، ادھر انبیاء علیہم السلام ہی سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا تو ظاہر ہے وہ کوئی غلط یا خلاف واقعہ بات تو کہیں گے نہیں۔ اس لئے گنہگاروں کے دلوں میں خوف پیدا ہو گا ۔ب انبیاء علیہم السلام ہی ہمارے بارے میں شہادت دیں گے تو اب ہماری مدد و شفاعت کون کرے گا۔ انبیاء علیہم السلام جواب دیں گے کہ ہمیں ان کے ایمان و عمل کا کچھ علم نہیں، کیونکہ ہمارا علم تو ظاہر پر مبنی ہے اور تو تو علاّم الغیوب ہے۔ اس لئے تو باطن کی بھی خبر رکھتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ انہوں نے کیسے اعمال کئے۔ ابن جریرؒ نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ امت والوں کا مآل کار کیا رہا۔ ہمارے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا نئی باتیں ملا دیں اور انہوں نے اپنے دلوں کے اندر کیا کیا خیالات چھپائے رکھے۔ پوشیدہ باتوں کو تو ہی جانتا ہے، ہم تو صرف انہی افعال و احوال کو جانتے ہیں جو ہمارے سامنے ظاہری طور پر پیش آئے تھے۔

بخاریؒ وغیرہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) حوض (کوثر) پر میری طرف کچھ لوگ آئیں گے۔ میں ان کو پہچان لوں گا لیکن ان کو میرے پاس پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے پیارے صحابی ہیں، یہ تو میرے پیارے ساتھی ہیں۔ جواب ملے گا کہ آپؐ کو معلوم نہیں کہ آپؐ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا نئی نئی باتیں نکال لی تھیں۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز کسی شخص کے قدم اس وقت تک آگے نہ سرک سکیں گے جب تک اس سے پانچ سوالوں کا جواب نہ لے لیا جائے۔ (۱) اس نے اپنی عمر کس کام میں خرچ کی۔ (۲) اپنی جوانی کا زمانہ کن کاموں میں خرچ کیا۔ (۳) اس نے مال کہاں سے اور کن حلال یا حرام طریقوں سے کمایا۔

(۴) اپنے مال کو کن جائز یا ناجائز کاموں میں خرچ کیا۔ (۵) اپنے علم پر کیا عمل کیا۔
(ابن کثیر ۱۱۴/ ۲، معارف القرآن ۶۶۱/ ۳، مظہری ۲۲۰/ ۳)

حضرت عیسیٰ کے احوال

۱۱۰، ۱۱۱۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ م اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قف تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ج وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ ج وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا م بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ج وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ج قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○

جب اللہ تعالیٰ حضرت مریمؑ کے بیٹے (حضرت) عیسیٰؑ سے فرمائے گا کہ تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر کیا تھا (اور) جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی تو تم لوگوں سے (ماں کی) گود میں بھی کلام کرتے تھے اور بڑی عمر میں بھی اور جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور توریت و انجیل سکھائی اور جب تم میرے حکم سے، مٹی سے پرندے کی سی صورت بناتے تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے اور جبکہ تم میرے حکم سے مُردوں کو قبروں سے نکال کر کھڑا کر دیتے تھے۔ اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روکا، جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے اور ان میں سے منکروں نے کہہ دیا تھا کہ یہ تو محض صریح جادو ہے

اور (وہ وقت یاد کرو) جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیئے کہ ہم فرماں بردار ہیں۔

اَیَّدْتُّکَ : میں نے تیری تائید کی۔ میں نے تجھے قوت دی۔ تَاْیِیْدٌ سے ماضی۔

الْمَھْدِ : گود۔ گہوارا۔ جھولا۔ بچھونا

کَھْلاً : ادھیڑ عمر۔ متوسط عمر کا آدمی۔ جمع کُھُوْلٌ۔

طِیْنٍ : گارا۔ مٹی۔ خاک۔

ھَیْئَۃِ : صورت۔ شکل۔

تُبْرِیُٔ : تو شفا دیتا ہے۔ تو تندرست کرتا ہے۔ اِبْرَاءٌ سے ماضی۔

اَکْمَہَ : پیدائشی اندھا۔ مادر زاد اندھا۔

اَبْرَصَ : برص زدہ۔ کوڑھی۔

کَفَفْتُ : میں نے ہتھیلی کو پکڑلیا۔ میں نے باز رکھا۔ کَفٌّ سے ماضی۔

تشریح : یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ انعامات یاد دلائے ہیں جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فرمائے تھے کہ اے عیسیٰؑ ہمارے ان انعامات کو یاد کرو جو میں نے معجزات و خوارق عادات کی شکل میں تمہارے اور تمہاری والدہ کے اوپر کئے۔ تمہیں باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا کیا اور تمہاری ذات کو خود اپنے کمال قدرت کی ایک نشانی قرار دیا اور تمہاری ماں پر یہ احسان کیا کہ تمہیں اس کی پاک دامنی کی دلیل بنایا اور جو فحش الزام یہ ظالم اور جاہل اس سے منسب کرتے تھے، اس سے تمہاری ماں کو بچایا۔ تمہیں (حضرت) جبرائیل کے ذریعہ مدد دی کہ تم گہوارے میں بھی بولنے لگے اور ماں کی پاکدامنی کی گواہی دینے لگے اور اپنے عبد ہونے کا اعتراف کیا۔ تم نے طفلی اور شباب میں بھی لوگوں کو تبلیغ دین کی۔ بڑی عمر میں بولنا تو کوئی عجیب بات نہیں لیکن گہوارے میں تمہارا بولنا کیسا عجیب تھا، جبکہ دوسرے بچے اس وقت عادتاً نہیں بول سکتے۔ تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی اور توریت و انجیل کو پڑھنا لکھنا سکھایا۔ تم مٹی سے ایک پرندے جیسی شکل بنا کر ہمارے حکم سے اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ ایک زندہ پرندہ بن کر اڑنے لگتا تھا اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو اچھا کر دیتے تھے۔ تم میرے حکم اور قدرت سے مُردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے تھے اور یاد کرو کہ جب تم مذکورہ بالا

معجزات لے کر بنی اسرائیل کے پاس پہنچے اور انہوں نے تمہیں جھٹلایا اور کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے اور پھر انہوں نے تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کی کوشش کی تو ہم نے تمہیں ان کے شر سے بچا لیا اور اپنی طرف اٹھالیا۔

نزولِ مائدہ

۱۱۲، ۱۱۵ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○

جب حواریوں نے کہا کہ اے (حضرت) مریمؑ کے بیٹے (حضرت) عیسیٰؑ، کیا تمہارا رب، ہم پر آسمان سے کوئی خوان اتار سکتا ہے۔ (حضرت عیسیٰؑ نے) کہا اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم بھی اس پر گواہ ہو جائیں۔ (حضرت) مریمؑ کے بیٹے (حضرت) عیسیٰؑ نے کہا اے اللہ! ہم پر آسمان سے خوان نازل کردے تاکہ وہ ہمارے اگلے اور پچھلوں کے لئے عید اور تیری طرف سے نشانی ہو جائے اور تو ہمیں رزق عطا فرما اور تو ہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کو تم پر نازل تو کرتا ہوں، پھر اس کے بعد بھی تم میں سے جو کوئی ناشکری کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ تمام جہان والوں میں سے

ویسی سزا کسی کو بھی نہ دوں گا۔

مَآئِدَۃٌ: کھانا چنا ہوا خوان۔ کچھ کھانا۔ مَیْدٌ سے اسم فاعل۔

نُرِیْدُ: ہم ارادہ کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں۔ اِرَادَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: اس واقعہ میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں نے اپنی حاجت اور فقر کی وجہ سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا کر سکتا ہے کہ آسمان سے ایک پر از طعام خوانِ نعمت (مائدۃ) نازل فرمائے۔ اس پر حضرت عیسیٰ نے خفا ہو کر فرمایا کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور ایسا سوال نہ کرو۔ طلبِ رزق میں اللہ پر بھروسہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی چیز تمہارے لئے فتنہ بن جائے۔

حواریوں نے عرض کیا کہ یہ سوال تو محض اطمینان اور اپنے کھانے کے لئے ہے ورنہ اس کی قدرت میں کچھ کلام نہیں۔ جب ہم آسمان سے مائدہ کو اترتا ہوا دیکھیں گے تو ہمیں پورا اطمینان ہو جائے گا، تم پر ایمان بڑھ جائے گا اور تمہارے رسول ہونے کا کامل یقین ہو جائے گا اور ہم خود اس کے گواہ بن جائیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک نشانی ہے اور حضرت عیسیٰ کی نبوت و سچائی کی ایک واضح دلیل ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک مائدہ نازل فرما تاکہ ہمارے اگلے اور پچھلے لوگوں کے لئے یہ خوشی کا دن بن جائے اور یہ تیری قدرت اور میری دعا کی قبولیت کی دلیل بن جائے، تاکہ لوگ میری تصدیق کر سکیں اور تو اپنی طرف سے ہمیں رزق عطا فرما اور تو بہترین رزق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا میں مائدہ نازل کرتا ہوں لیکن اگر تمہاری قوم میں سے اس کے بعد بھی کسی نے کفر کیا تو اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ جہاں میں کسی نے ایسا عذاب نہ دیکھا ہو گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ قیامت کے روز تین قسم کے لوگوں پر شدید ترین عذاب ہو گا۔ (۱) منافق لوگ (۲) جن لوگوں نے مائدہ اترنے کے بعد کفر کیا (۳) فرعون کی امت۔

اس کے بعد آسمان سے سرخ دستر خوان نازل ہوا جس کے اوپر بھی ایک بدلی (ابر) اور نیچے بھی ایک بدلی تھی۔ جب اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک تلی ہوئی مچھلی اور پانچ روٹیاں اور سبزیاں رکھی ہوئی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں ہر قسم کی نعمتیں تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ

بات صرف ایک بار ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس روز تک مائدہ نازل ہوتا رہا۔ مگر یہ تفصیل کہ مائدہ نازل ہوا یا نہیں یا کتنی بار نازل ہوا، قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ قرآن مجید سے صرف حضرت عیسیٰؑ کا دعا کرنا ثابت ہے۔ (ابن کثیر ۱۱٦ / ۲، حقانی ۳۱۴، ۳۱۵ / ۲)

نصاریٰ کو تہدید

۱۱٦، ۱۱۸ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَايَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَالَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَافِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَافِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّادُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

اور جب اللہ (حضرت) مریمؑ کے بیٹے (حضرت) عیسیٰؑ سے پوچھے گا کہ کیا تم نے ہی لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو۔ وہ کہیں گے (اے اللہ) تو پاک ہے۔ میں وہ بات کیوں کہتا جس کا مجھے کچھ بھی حق نہ تھا۔ اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو تجھے اس کا علم ضرور ہو گا۔ تو میرے دل کی بات ضرور جانتا ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ تیرے دل میں کیا ہے۔ بیشک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کہا تھا جو تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں جب تک ان میں رہا ان کا نگراں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دی تو ان پر تو ہی نگہبان رہا اور تو ہی ہر چیز کا نگران ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو بیشک تو ہی زبردست ہے (اور)

حکمت والا ہے۔

مَادُمْتُ: جب تک میں رہا۔ دَوْمٌ و دَوَامٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

تَوَفَّيْتَنِيْ: تو نے مجھے وفات دی۔ تو نے مجھے اٹھالیا۔ یہاں آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے۔ تَوَفِّیٌ سے ماضی۔

الرَّقِيْبَ: خبر رکھنے والا۔ نگہبان۔ رُقُوْبٌ و رَقَابَۃٌ سے صفت مشبہ۔

شَهِيْدٌ: گواہ۔ اقرار کرنے والا۔ نگران

ربط: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضرت عیسیٰؑ کے احوال اور ان پر اپنے خاص انعام اور خاص معجزہ کا ذکر کرکے یہود و نصاریٰ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ (معاذ اللہ) خدا نہیں خدا کا بندہ ہے۔ وہ رزق کا محتاج ہے اور خدا رزق کا محتاج نہیں۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو بلا کر ان کو اپنے وہ احسانات و انعامات یاد دلائے گا جو ان پر اور ان کی والدہ پر کئے تھے۔ اس کے بعد ان سے نصاریٰ کے عقائد اور حضرت مریمؑ کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ حضرت عیسیٰؑ ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے جنہوں نے ان کو خدا ٹھہرایا تھا اور باطل عقائد اختیار کئے تھے۔

تشریح: جن لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کو خدا بنا رکھا تھا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی موجودگی میں حضرت عیسیٰؑ کو مخاطب کرکے فرمائے گا کہ اے عیسیٰؑ بن مریمؑ کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو، حالانکہ تو تو پیدا شدہ ہے اور مریم تیری والدہ ہے، پھر الوہیت کے دعوے کا کیا جواز ہے۔

یہ سن کر حضرت عیسیٰؑ عاجزی سے عرض کریں گے کہ تو ہر طرح کے شرک سے پاک ہے۔ میں تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ مجھے ہرگز ایسی بات کہنے کا حق نہ تھا۔ اگر میں نے ایسی بات کہی بھی ہوگی تو تجھے اس کا علم ہوگا کیونکہ تجھ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن میں تیرے ارادے کو نہیں جان سکتا۔ میں نے تو یہی کہا تھا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں تو جب تک ان میں رہا خاص تیری ہی عبادت کا حکم دیتا رہا۔ میرے بعد انہوں نے جو کچھ کیا اس سے تو باخبر ہے کیونکہ میرے بعد تو ہی ان کے اعمال و اقوال کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔ میرے اور ان کے اعمال و احوال بھی تیرے سامنے ہیں۔

اب اگر تو ان کو عذاب دے تو تجھے اس کا حق ہے کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں اور تو ان کا مالک حقیقی ہے ۔ اس لئے تو اپنی ملک میں جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے ۔ پھر انہوں نے تو تیرے علاوہ دوسروں کی بھی پوجا کی، حالانکہ تو نے ہی ان کو پیدا کیا، پھر ان کی پرورش کی اور ان کو نعمتیں عطا فرمائیں ۔ ایسی صورت میں ان کو سزا دینا خلافِ عدل نہیں ہو سکتا اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو بیشک تو ہی غالب و حکمت والا اور عذاب و ثواب پر قادر ہے اور اگر تو عذاب دے گا تو یہ انصاف ہو گا اور معاف کر دے تو یہ تیری مہربانی ہو گی ۔ (مظہری ۲۲۷، ۲۲۸ / ۳)

سچائی کے انعام کا دن

۱۱۹، ۱۲۰ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچ ہی نفع دے گا ۔ ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا اور وہ اس سے راضی ہوں گے ۔ یہی بڑی کامیابی ہے ۔ آسمانوں اور زمین کی حکومت اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

تشریح: جب حضرت عیسیٰ نے جھوٹے اور ملحدین نصاریٰ سے اپنی بیزاری ظاہر فرما دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج کے دن سچوں کا سچ کام آئے گا ۔ ان کو ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے ۔ یہی عظیم کامیابی ہے ۔ وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے ۔ ہر چیز پر اس کو تصرف و قدرت حاصل ہے ۔ سب اس کے غلبہ و قدرت کے تحت ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ اَنْعَامْ

وجہ تسمیہ: انعام جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد نَعَمٌ ہے، جس کے معنی جانور کے ہیں۔ اس سورت میں اَنْعَامْ یعنی جانوروں کے متعلق مشرکین کی جہالتوں اور رسموں کا بیان ہے، اس لئے اس سورت کا نام انعام رکھ دیا گیا۔

تعارف: اس میں ۲۰ رکوع، ۱۶۵ آیتیں، ۳۱۰۰ کلمات اور ۱۲۹۳۵ حروف ہیں۔

یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی، سوائے چھ آیتوں (۹۱ تا ۹۳ اور ۱۵۱ تا ۱۵۳) کے جو ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئیں۔ یہ پوری سورت ایک ہی دفعہ رات کے وقت مکہ میں اس طرح نازل ہوئی کہ ستر ہزار فرشتے اس کے جلو میں تسبیح پڑھتے ہوئے آرہے تھے۔ ائمہ، تفسیر حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، مجاہدؒ، کلبیؒ اور قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

اسماؓ بنت یزید کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے اور سورۂ انعام نازل ہو رہی تھی، میں اونٹنی کی باگ (مہار) تھامے ہوئے تھی۔ وحی کے بوجھ سے اونٹنی ایسی دب گئی تھی گویا اس کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ ملائکہ زمین و آسمان کو گھیرے ہوئے تھے۔ فرشتوں کی **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم** کی گونج سے زمین و آسمان میں ہنگامہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ (ابن کثیر ۱۲۲ / ۲)

سورۂ انعام کا زیادہ تر حصہ مشرکین و ملحدین کے محاجہ اور بحث و مباحثہ میں ہے۔ یہ لوگ توحید و رسالت اور قیامت کے منکر تھے۔ اس لئے اس میں زیادہ تر توحید و رسالت، مبدا، و معاد اور قیامت کے دلائل کا بیان ہے اور مشرکین و ملحدین اور مبتدعین کے مذہب کا پورا ابطال ہے۔ اس سورت کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتوں کی مشایعت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم اصول دین کی شان سب سے بلند ہے۔ اس لئے بندہ پر سب سے پہلے اصول دین کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہے۔

امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ سورت اصول دین کا ماخذ ہے۔ علماء نے عقائد کے اکثر مسائل اسی سورت سے اخذ کئے ہیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۲ / ۴۴۰)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات و دلائل اور اس کی صفات کا بیان ہے۔ پھر کفار کے اعراض، حق کو جھٹلانے اور پچھلی امتوں کا ذکر ہے۔ نیز کفار کی عادات اور فرشتوں کو رسول بنا کر نہ بھیجنے کی حکمت اور کفار کے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کا بیان ہے۔

رکوع ۲: زمین پر چل پھر کر سابقہ امتوں کا انجام دیکھنے، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے دلائل، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے، اس کے مشکل کشا اور قاہر و حاکم ہونے کا ذکر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی گواہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرک سے برأت اور خاسرین کے اسلام نہ لانے کا بیان ہے۔

رکوع ۳: اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے، قیامت کے روز عدالتِ الٰہی میں مشرکین سے سوال و جواب کی کیفیت اور ان کی بد نصیبی کا ذکر ہے۔ پھر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کفار کی اپنے ہاتھوں تباہی، ان کی دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش اور اس کے رد ہونے کا بیان ہے۔ آخر میں کفار کا حشر میں کفِ افسوس ملنا مذکور ہے۔

رکوع ۴: اس رکوع میں خسارے والوں کا ذکر، دنیا کی بے ثباتی اور اس کے بے حقیقت ہونے کا ذکر، خدا کے منکرین کی فطرت اور ہدایت سے محرومی کا بیان ہے۔ آپؐ کی تسلی کے لئے سابقہ رسولوں کی تکذیب کا بیان ہے۔ پھر کفار کے معجزہ طلب کرنے اس کی نشانیوں کی تکذیب کرنے والوں کی مثال اور مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا بیان ہے۔

رکوع ۵: بہت سی امتوں پر رسولوں کو بھیجنے، کفار کو ڈھیل دے کر ان کی گرفت کرنے کا بیان ہے۔ پھر عذاب کے مستحقین اور رسولوں کی بعثت کے سبب کا بیان، منکرین کو عذاب دینے اور انبیاء کے اختیار کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۶: کفار کو ڈرانے اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ ہٹانے کی تلقین جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ آزمائش کی حکمت، توبہ کی تاکید اور آیاتِ معجزات بیان کرنے کی مصلحت کا بیان ہے۔

رکوع ۷: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کو پوجنے اور مشرکین کی خواہشات پر چلنے سے انکار کا

اعلان کرنے کا حکم، پھر اللہ تعالیٰ کے خیر الفاصلین ہونے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کافروں کو جواب، غیب کے خزانوں اور اللہ تعالیٰ کے کمال علم و قدرت کا بیان ہے۔

رکوع ۸: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتوں کا لوگوں کی روح قبض کرنا، ان سے جلد حساب لینا اور کفار کی عاجزی و لاچاری کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب دینے پر قادر ہونا، مکذبین اور دین کا تمسخر کرنے والوں سے کنارہ کشی اور منکرین کو نصیحت کی تلقین مذکور ہے۔

رکوع ۹: اطاعت و نماز ادا کرنے کی تاکید، اللہ تعالیٰ کی مالکیت، حضرت ابراہیم کا مناظرہ مذکور ہے پھر شرک سے برأت، قوم کا حضرت ابراہیمؑ سے جھگڑا کرنا اور حضرت ابراہیمؑ کی بے خوفی کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰: حضرت ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے میں دلیل عطا کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو ہدایت و فضیلت اور حکمت و نبوت عطا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی انبیاء کے طریقہ پر چلنے کی تلقین ہے۔

رکوع ۱۱: منکرین کے اعتراض کا جواب، مبارک کتاب کا نازل کرنا، اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے، ظالموں پر موت کی سختیوں اور ان سے سوال و جواب کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۲: اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے وجود و صفات کے دلائل اور عجائباتِ قدرت کا بیان ہے۔

رکوع ۱۳: اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی بچوں کی نفی، صرف اسی کی ذات کا عبادت کے لائق ہونا، مشرکین سے اعراض کرنے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے کا بیان ہے۔ پھر باطل معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت، منکرین کی طرف سے معجزے کے مطالبے اور کافروں کے دلوں کو پھیرنے کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۴: کفار کا ایمان نہ لانا۔ انبیاء کے دشمن، قران کی حقانیت اور حلال و حرام ذبیحوں کا بیان ہے۔ پھر گناہوں سے بچنے اور جس جانور کو اللہ کے نام سے بغیر ذبح کیا گیا ہو اس سے اجتناب کی تلقین ہے۔

رکوع ۱۵: مومن و کافر میں فرق، عطیہ خداوندی، صراط مستقیم، سلامتی کا گھر اور جنوں سے باز

پر س کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۶: جنوں اور کافروں کا اقرار جرم اور بے خبری میں ان کو عذاب نہ دینے، اعمال کے درجات اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے ۔ پھر کافروں کے لئے سخت وعید، مشرکین کی مذمت اور ان کے غلط عقائد اور اللہ پر افتراء کا ذکر ہے ۔

رکوع ۱۷: اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے حیرت انگیز کمالات، شیطان کے صریح دشمن ہونے اور آٹھ مویشیوں کی حلت کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۸: چند حرام چیزوں کا بیان، یہود کو ان کی سرکشی کی سزا دینے، مشرکین کی گمراہی کا بیان اور منکرین کی خواہشات کی پیروی کی ممانعت ہے ۔

رکوع ۱۹: چند حرام چیزوں کا ذکر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کرنے کا بیان ہے ۔

رکوع ۲۰: قرآن کی پیروی کرنے کی تاکید اور اس کے نازل کرنے کی وجہ کا بیان ہے ۔ پھر سزا کے مستحق اور ظالم شخص کا ذکر، کفار کو دھمکی، تفرقہ کا انجام، نیکی کا بدلہ، ملتِ ابراہیمی اور زندگی و موت کے مالک کا بیان ہے ۔

اثباتِ وحدانیت

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا ۔ پھر بھی کافر لوگ دوسروں (بتوں) کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں ۔

تشریح: اس سورت کو لفظ الحمد سے شروع کرکے لوگوں کو خبر دی گئی ہے کہ سب طرح کی تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں ۔ چونکہ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور ظلمت و نور کو پیدا کیا ہے، اس لئے وہ کسی کی حمد و تعریف کا محتاج نہیں ۔ کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنے ذاتی کمالات اور قدرت و اختیارات کے سبب ہر وقت اور ہر حال میں محمود ہے ۔

اس آیت میں توحید کی حقیقت اور اس کی واضح دلیل سے توحید کی منکر قوموں اور افراد کو

متنبہ کیا گیا ہے ۔ مجوس دنیا کے دو خالق مانتے ہیں ۔

۱۔ یزداں ۔ اس کو خالق خیر یعنی نور و روشنی کا پیدا کرنے والا، قرار دیتے ہیں ۔

۲۔ اہرمن ۔ اس کو خالق شر یعنی ظلمت و تاریکی کا پیدا کرنے والا کہتے ہیں ۔

ہندوستان کے مشرک بے شمار دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بتاتے ہیں ۔ آریہ سماج توحید کے قائل ہونے کے باوجود روح اور مادہ کو قدیم اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و خلقت سے آزاد قرار دے کر توحید سے ہٹ گئے ۔

اسی طرح نصاریٰ توحید کے قائل ہونے کے باوجود حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بتاتے ہیں ۔ یہود بھی توحید کو ماننے کے ساتھ ساتھ حضرت عزیرؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں ۔

مشرکین عرب نے تو خدائی کی تقسیم میں ایسی سخاوت و فیاضی دکھائی کہ ہر پہاڑ کے ہر پتھر کو خدائی کا درجہ دیا جاسکتا ہے ۔

غرض انسان، مخدوم کائنات اور اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود، جب راہ حق سے بھٹکا تو اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو اس قدر گرالیا کہ وہ چاند و سورج، ستاروں، آگ، پانی، درخت و پتھر وغیرہ کے آگے جھکنے لگا بلکہ اس نے کیڑے، مکوڑوں اور حشرات تک کو اپنا مسجود و معبود اور حاجت روا بنالیا ۔ قرآن کریم نے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کا خالق اور اندھیرے اجالے کا بنانے والا بتا کر منکرین خدا کے تمام باطل خیالات کی تردید کر دی اور دنیا کی عظیم ترین چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق و محتاج بتا کر صحیح عقیدہ توحید کی طرف انسان کی رہنمائی کر دی ۔ پس جو شخص آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرے گا وہ سمجھ لے گا کہ ان کو بنانے والا ضرور کوئی نہ کوئی ہے ورنہ اتنے وسیع و عریض آسمان و زمین کسی بنانے والے کے بغیر خود بخود نہیں بن سکتے ۔ (معارف القرآن ۲۷۹،۲۷۸ / ۳) ۔

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک (سیدھی) لکیر کھینچ کر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے ۔ پھر اس لکیر کے دائیں بائیں مختلف لکیریں کھینچ کر فرمایا کہ ان راستوں میں سے ہر راستہ پر شیطان موجود ہے ۔ جو لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے ۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (انعام ۱۵۳)

اور میرا یہ راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ پس تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا، پھر ان پر اپنے نور کا ایک حصہ ڈالا، پس جس پر نور کا کوئی حصہ پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا، جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق (لکھ کر) قلم خشک ہو گیا (مظہری ۲۳۷ / ۳)۔

انسان کی مقررہ میعاد

۲۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلاً ط وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○

(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اس (اللہ) نے (ہر ایک کی) موت کا ایک وقت مقرر فرما دیا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مقررہ مدت ہے۔ پھر بھی تم شک میں پڑے ہوئے ہو۔

طِيْنٍ : گارا۔ مٹی۔ خاک

قَضٰى : اس نے مقرر کیا۔ اس نے فیصلہ کیا۔ اس نے پورا کیا۔ قَضَاءٌ سے ماضی

اَجَلاً : وقت۔ موت۔ مہلت۔ مدت۔ جمع اٰجَالٌ

مُّسَمًّى : معین۔ مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِيَةٌ سے اسم مفعول

تَمْتَرُوْنَ : تم شک کرتے ہو۔ تم تردد کرتے ہو۔ اِمْتِرَاءٌ سے مضارع

تشریح: تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ مٹی سے پیدا کیا جو پستی میں سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ پھر ہر انسان کی زندگی اور حیات کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا، جس میں ذرا بھی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی۔ اسی مقررہ وقت کا نام موت ہے اور اس مقررہ وقت کو کوئی نہیں جانتا سوائے فرشتوں کے۔ اسی طرح سارے عالم کی انتہا (قیامت) کے لئے بھی

ایک وقت مقرر فرمایا جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کا پورا علم نہ کسی انسان کو ہے نہ فرشتے کو، پھر فرمایا کہ کیا اب بھی تمہیں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے بارے میں شک و شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قدیر و حکیم اور علیم و خبیر ہے۔ جس طرح اس نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح وہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی سے آدم کی تخلیق اس طرح کی کہ مٹی کا گارا بنا کر کچھ مدت کے لئے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ گارا سڑ کر لیسدار بن گیا۔ پھر اس سے آدم کا پتلا بنایا اور پتلے کی صورت بنائی۔ پھر اس کو اتنی مدت تک چھوڑے رکھا کہ وہ (خشک ہو کر) ٹھیکرے کی مانند کھنکھنانے لگا۔ پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔

حضرت ابو موسیٰؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹھی (مٹی) لے کر آدم کی تخلیق کی۔ اسی لئے زمین کے مطابق آدمی سرخ، سفید، سیاہ، مخلوط رنگ، نرم خو، درشت مزاج، بدخصال اور پاکیزہ اخلاق والے ہوگئے۔ (مظہری بحوالہ ترمذی و ابو داؤد، ۳ / ۲۳۸)۔

ظاہر و باطن کا جاننے والا

۳۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۚ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝

وہی اللہ آسمانوں اور زمین میں (قادر و متصرف اور معبودِ برحق) ہے۔ وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی جانتا ہے اور ظاہری احوال کو بھی اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے بھی واقف ہے۔

تشریح: آسمانوں اور زمین میں صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق، مالک و بادشاہ اور متصرف و مدبر ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جس طرح اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے، اسی طرح اس کا علم بھی تمام کائنات کو محیط ہے۔ اسی لئے وہ تمہارے تمام ظاہری و باطنی، چھوٹے اور بڑے، احوال و اقوال اور اعمال و افعال سب کو خوب جانتا ہے۔ پس جو کچھ اعمال تم کرتے ہو خواہ وہ نیک ہوں یا بد وہ سب کو جانتا ہے اور جو اعمال تم نے ابھی نہیں کئے، آئندہ کرو

گے وہ ان سے بھی واقف ہے۔ وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا یا سزا دے گا۔

حق کی تکذیب

۴، ۵۔ وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ○ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○

اور جب ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حق (قرآن) کو بھی جھٹلا دیا جب وہ ان کے پاس آیا۔ سو جلد ہی ان کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔

اَنْبٰٓؤُا: خبریں۔ واحد نَبَأٌ

يَسْتَهْزِءُوْنَ: وہ مذاق کرتے ہیں۔ وہ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ وہ ہنسی اڑاتے ہیں۔ اِسْتِهْزَاءٌ سے مضارع ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں سے روگردانی اور ان کی تکذیب پر کفارِ مکہ کے لئے وعید سنائی ہے، کہ ان بدبختوں کے پاس جب بھی ان کے رب کی طرف سے توحیدِ باری کی کوئی واضح دلیل اور نشانی (معجزہ) آتی ہے تو وہ اس کو جادو کہہ کر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اس میں ذرا غور نہیں کرتے۔ یہ ان کی نہایت بدنصیبی ہے کہ یہ حق کو جھٹلاتے ہیں۔ یہاں حق سے مراد یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے یا قرآن کریم کی آیتیں یا معجزات، پس عنقریب، جب ان پر عذاب آئے گا یا قیامت آئے گی تو ان پر ان چیزوں کی حقیقت کھل جائے گی جن کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی انہی لوگوں کے درمیان رہ کر انہی کی آنکھوں کے سامنے گزاری۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ آپؐ نے کسی انسان سے قطعاً کوئی تعلیم حاصل نہیں کی، یہاں تک کہ آپ اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ اسی لئے عرب کے لوگ آپ کو اُمّی کہتے تھے۔ پھر چالیس سال پورے ہوتے ہی دفعۃً آپ کی زبان مبارک سے وہ

حقائق و معارف اور اسرار و علوم جاری ہوئے کہ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء، حکماء و فضلاء اور فلسفی و شاعر آپ کے سامنے عاجز و بے بس نظر آئے۔ ان میں سے کسی کو بھی اجتماعی یا انفرادی طور پر قرآنی چیلنج قبول کر کے اس کی ایک آیت کی مثال پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بے شمار معجزات اور ایسی کھلی کھلی نشانیاں ظاہر ہوئیں کہ کوئی صحیح الحواس انسان ان کا انکار نہیں کر سکتا، مگر ان بد بختوں نے ان کا بھی انکار کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عنقریب جب ان پر عذاب آئے گا یا قیامت برپا ہوگی، اعمال کا حساب ہوگا اور ہر ایک کو اپنے کئے کی جزا و سزا ملے گی تو ان پر ان چیزوں کی حقیقت کھل جائے گی، جن کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔ مگر اس وقت کا یقین و اقرار ان کے کچھ کام نہ آئے گا کیونکہ وہ عمل کی جگہ نہیں بلکہ وہ بدلہ کی جگہ ہے لہٰذا اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے غور و فکر کی جو مہلت ملی ہوئی ہے اس کو غنیمت جان کر آیاتِ الٰہیہ پر ایمان لانے ہی میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔

(معارف القرآن، ۲۸۱ / ۳)۔

منکرینِ اسلام کو نصیحت

٦۔ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَالَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ٥

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی امتیں ہلاک کر دیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ ہم نے تمہیں بھی وہ قوت نہیں دی۔ اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں۔ پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا۔ اور ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں پیدا کر دیں۔

قَرْنٍ: زمانہ، گروہ، امتیں، جمع قُرُوْنٌ۔ قرن اس جماعت کو بھی کہا جاتا ہے جو ایک وقت اور ایک زمانے میں مجتمع موجود ہو اور زمانے کے ایک طویل حصے کو

بھی قرن کہتے ہیں ۔ بعض احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لفظ سو سال کے لئے بولا جاتا ہے ۔ (معارف القرآن ۲۸۵ / ۳) ۔

مَكَّنّٰهُمْ : ہم نے ان کو فائز کیا ۔ ہم نے ان کو قوت دی ۔ تَمْكِيْنٌ سے ماضی

مِدْرَارًا : بہت برسنے والا ۔ دَرٌّ سے مبالغہ

اَنْشَاْنَا : ہم نے پیدا کیا ۔ ہم نے پرورش کی ۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی

تشریح : اس آیت میں منکرین اسلام کا رخ اپنے گرد و پیش کے حالات اور سابقہ اقوام کے واقعات کی طرف پھیر کر ان کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا موقع دیا گیا ہے ۔ بلاشبہ تاریخ عالم عبرتوں کی ایک کتاب ہے ۔ اگر اس کو چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو وہ ہزاروں وعظوں سے زیادہ مؤثر وعظ ہے ۔ ایک حکیم نے خوب کہا ہے کہ دنیا ایک بہترین کتاب ہے اور زمانہ بہترین معلم ۔ برخلاف قصہ گوئی اور تاریخ نگاری کے، قرآن کریم نے سابقہ اقوام کے حالات و واقعات کو عبرت و نصیحت کے لئے بیان کیا ہے ۔ اسی لئے اس نے تاریخی واقعات کو مسلسل قصہ کی صورت میں بیان نہیں کیا بلکہ واقعہ کا جس قدر حصہ جس معاملے اور جس حال سے متعلق تھا وہاں اس واقعہ کا اتنا ہی حصہ ذکر کر دیا ۔ پھر کسی دوسری جگہ اس واقعہ کا دوسرا حصہ اس موقع کی مناسبت سے بیان کر دیا تاکہ واقعہ کے ضروری اور متعلقہ حصہ کو پڑھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیا جائے اور ماضی کے حالات و واقعات سے سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کا سامان کیا جائے ۔

(معارف القرآن ۲۸۴ / ۳) ۔

یہاں مشرکین و معاندین کو یہ بتایا گیا ہے کہ گزشتہ قومیں ان سے کہیں زیادہ قوی تھیں، ان کے پاس مال و اولاد کی بھی کثرت تھی، وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ان کے پاس حکومت بھی تھی ۔ انہیں کبھی کسی قسم کے قحط و خشک سالی سے سابقہ نہیں پڑا ۔ ان تمام انعامات کا مقصد ان کو ڈھیل دینا تھا، پھر وہ اپنی نافرمانیوں اور گناہوں کے سبب ہلاک و برباد کر دئے گئے تاکہ ان کی ہلاکت و بربادی لوگوں کے لئے باعث عبرت بنے ۔ پھر ان کے بعد ان کی جگہ دوسری قوموں کو پیدا کر کے اسی طرح آباد کر دیا کہ دیکھنے والوں کو یہ بھی محسوس نہیں ہوا کہ یہاں سے کوئی انسان کم بھی ہوا ہے ۔

پس اے اہل مکہ تم سابقہ امتوں کے حالات و واقعات پر نظر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے بڑے بڑے ڈیل ڈول، جاہ و جلال اور حکومت و سلطنت کی مالک قوموں کو اپنے پیغمبروں کو

جھٹلانے کی پاداش میں چشم زدن میں ہلاک و برباد کر دیا۔ اس وقت ان کی دنیوی شان و شوکت اور راحت و ثروت ان کے کچھ کام نہ آئی۔ تمہارے پاس تو ان جیسی قوت، قدرت، راحت و ثروت اور آل و اولاد بھی نہیں۔ پھر تمہیں ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے۔
(ابن کثیر ۲/۱۲۴)۔

مشرکین کی فطرت

۷،۸۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ہم آپ پر کوئی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے، پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے، تب بھی یہ کفار یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور کافروں نے کہا کہ ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو بات ہی ختم ہو جاتی، پھر ان کو ذرا بھی مہلت نہ ملتی۔

قِرْطَاسٍ: کاغذ۔ جس پر لکھا جائے۔ جمع قَرَاطِيْسُ

فَلَمَسُوْهُ: پس البتہ انہوں نے اس کو چھوا۔ پس البتہ انہوں نے اس کو مَس کیا۔ لَمْسٌ سے ماضی۔

سِحْرٌ: جادو۔ جادو کرنا

مَلَكٌ: فرشتہ۔ اسم جنس۔ جمع ملائکہ

ربط: گزشتہ آیات میں توحید کا اثبات و بیان تھا۔ ان آیتوں میں مشرکین کے چند شبہات اور ان کے عناد و تمسخر کا بیان ہے۔

شانِ نزول: کلبیؒ اور مقاتلؒ کا بیان ہے کہ نضر بن حارث، عبد اللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپؐ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے

جب تک کہ آپ (ہماری نظروں کے سامنے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب نہ لے آئیں، جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں اور وہ شہادت دیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۴۲ / ۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے ارشاد فرمایا کہ منکرین و معاندین آپ سے جو مطالبات کر رہے ہیں اس سے ان کا مقصد حق کو قبول کرنا اور آپ پر ایمان لانا نہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ جو کچھ یہ لوگ آپ سے طلب کر رہے ہیں، اگر ان کے پاس آپ کی سچائی کی اس سے بھی زیادہ واضح دلیلیں اور نشانیاں آجائیں تب بھی یہ آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یعنی ان کی فرمائش کے مطابق اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب آپؐ پر اتار دیں اور پھر یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور اپنے ہاتھوں سے چھو کر اطمینان بھی کر لیں کہ جادو یا نظر بندی کے تحت یہ محض خیال نہیں بلکہ حقیقت ہے، تب بھی محض اپنے عناد کی وجہ سے یہ لوگ یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں یہ پہلے سے موجود ہے کہ یہ ایمان لانے والے نہیں۔

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ آپؐ پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتار گیا جو آپؐ کی نبوت کی شہادت دیتا، بھی نیک نیتی پر مبنی نہیں۔ لہٰذا اگر ان کا مطلوبہ معجزہ دکھا بھی دیا جائے اور ہم فرشتے کو شاہد بنا کر بھیج بھی دیں تب بھی یہ اپنی ضد اور عناد پر قائم رہیں گے۔ پھر ان کی ہلاکت کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہو جائے گا اور ان کو ذرا بھی مہلت نہیں ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ جب کوئی قوم کسی پیغمبر سے کسی خاص معجزہ کا مطالبہ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا مطلوبہ معجزہ دکھا دیا جائے تو اگر وہ لوگ اس کے بعد بھی حق کو قبول کرنے اور ایمان لانے میں تاخیر کریں تو پھر ان کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ پس ان لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اگر ان کی مطلوبہ نشانی ظاہر نہیں کی گئی تو اسی میں ان کے لئے خیر ہے۔

(معارف القرآن ۲۸۶۔ ۲۸۷ / ۳)۔

فرشتہ نہ بھیجنے کی حکمت

۹۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا

يَلْبِسُوْنَ ○

اور اگر ہم کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے، تو اس کو بھی آدمی ہی کی شکل میں بھیجتے۔ پھر بھی وہ اسی شبہ میں پڑے رہتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

جَعَلْنٰهُ: ہم نے اس کو بنایا۔ ہم نے اس کو کیا۔ جَعْلٌ سے ماضی

لَلَبَسْنَا: البتہ ہم شبہ ڈالتے۔ لَبْسٌ سے ماضی

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتوں کے نازل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ فرشتے کو اس کی اپنی اصل صورت وہیئت میں نازل کیا جائے۔ اس صورت میں اس کی ہیبت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا بلکہ خوف کے مارے حواس کھو دینے اور اس کے مر جانے کا خطرہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے تاکہ لوگ اس سے بات کر سکیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ جیسے جبرائیل امین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی مرتبہ انسانی شکل میں آئے۔ اس صورت میں ان لوگوں کو جو اعتراض آپ پر ہے وہی اس فرشتے پر بھی ہو گا، اس لئے کہ وہ تو انسانی شکل میں دیکھ کر اس کو انسان ہی سمجھیں گے۔

(معارف القرآن، ۳ / ۲۸۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل آیت ۹۵)

آپ کہہ دیجئے کہ ہم پیغام دے کر آسمان سے فرشتے تو اس وقت اتارتے جب زمین پر فرشتے چلتے پھرتے ہوتے۔

جب ایسا نہیں ہے تو پھر آسمان سے فرشتہ کیوں اتارا جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و مہربانی ہے کہ جب وہ مخلوق کی طرف کوئی رسول بھیجتا ہے تو انہیں میں سے بھیجتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے بات کر سکیں اور لوگ رسول سے نفع اٹھا سکیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ○ (آل عمران ۱۶۴)

مومنین پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ان میں انہی میں کے ایک آدمی کو رسول بنا کر بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو رسول بنا دیتا تو وہ اس کے نور کی وجہ سے اس پر نظر بھی نہیں ڈال سکتے تھے۔ (ابن کثیر، ۱۲۴ / ۲)

سابقہ امتوں کا انجام

۱۰، ۱۱۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کی بھی ہنسی اڑائی گئی تھی۔ پھر ہنسی اڑانے والوں کو اسی عذاب نے آگھیرا جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اسْتُهْزِئَ: اس کی ہنسی اڑائی گئی۔ اس کا مذاق اڑایا گیا۔ اِسْتِہْزَاءٌ سے ماضی مجہول

فَحَاقَ: پس اس نے گھیر لیا۔ پس وہ نازل ہوا۔ حَيْقٌ و حُيُوْقٌ سے ماضی

سَخِرُوْا: انہوں نے مذاق اڑایا۔ انہوں نے ہنسی اڑائی۔ سُخْرٌ سے ماضی

عَاقِبَةُ: عاقبت۔ آخرت۔ انجام۔ سزا

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قوم جو کچھ آپ کے ساتھ کر رہی ہے وہ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ سابقہ انبیاء کے ساتھ بھی اسی قسم کے واقعات ہوتے رہے۔ مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری یہاں تک کہ ان لوگوں کے تمسخر کے سبب ان کو عذاب الٰہی نے آپکڑا اور پھر وہ ہلاک و برباد ہوگئے۔ پس اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں۔ اگر یہ لوگ عذاب الٰہی کا انکار کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ذرا ملک میں گھوم پھر کر تو دیکھو کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ نینوا، بابل، عمورا اور صمیدا کیسے کیسے شہر تھے

کی دولت و حشمت کیسی تھی۔ وہ کیسی لطف و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر ان کی بت پرستی، گستاخی اور انبیاء کی تکذیب نے ان کو کیسا تباہ و برباد کیا۔ ان کے شہر اور بستیاں برباد ہو کر نشان عبرت بن گئیں۔ اب سوائے ٹیلوں کے وہاں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ تو دنیاوی عقوبت کا عذاب تھا، آخرت میں ان کو الگ عذاب دیا جائے گا۔ پس جو لوگ آپ کی ہنسی اڑا رہے ہیں ان کا بھی یہی انجام ہو گا۔ (حقانی ۳۱۹، ۳۲۰ / ۲، ابن کثیر ۱۲۴ / ۲)

حقیقی حاکم

۱۲، ۱۳۔ قُلْ لِّمَنْ مَّافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَارَیْبَ فِیْهِ ؕ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَایُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَهٗ مَاسَکَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پوچھئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب اللہ کا ہے۔ (توبہ کرنے والوں پر) رحمت کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ وہ قیامت کے روز تمہیں ضرور جمع کرے گا۔ جس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے وہ تو ایمان نہیں لائیں گے اور جو کچھ رات اور دن میں رہتا ہے وہ سب اسی (اللہ) کا ہے اور وہی سنتا (اور) جانتا ہے۔

ربط: سورت کے شروع میں توحید کا اثبات تھا۔ پھر منکرین کے چند شبہات اور ان کا تمسخر و عناد بیان کیا گیا۔ اب ان آیتوں میں پھر توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہے۔

تشریح: یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ ان معاندین سے بطور اتمام حجت یہ پوچھئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کی ملک ہے۔ اول تو یہ خود ہی جواب دیں گے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے، جس سے توحید ثابت ہو جائے گی اور اگر بالفرض کسی خوف و ڈر کی بنا پر یا شرم و حیا کی وجہ سے اس کا جواب نہ دیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے اور تم جن بتوں کو پوجتے ہو وہ کسی چیز کے بھی مالک نہیں۔ لہذا تم

اس کی گرفت اور سزا سے نہیں بچ سکتے ۔آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے توبہ کرنے والوں کے لئے اپنے او پر رحمت کا ذمہ لے رکھا ہے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر کسی کا زور اور دباؤ ہے بلکہ وہ محض اپنی رحمت کی بنا پر سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا ۔ وہ توبہ کے لئے مہلت دیتا اور توبہ کو قبول کرتا ہے ۔ لہذا اگر تم بھی کفر و شرک سے توبہ کرو گے تو وہ ارحم الراحمین ہے وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی ۔ بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری رحمت میرے غضب سے آگے بڑھ گئی ۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک اس نے نیچے اتار کر جنوں، انسانوں، چوپایوں اور کیڑوں، مکوڑوں میں تقسیم کر دی ۔ اسی کی وجہ سے وہ باہم محبت و رحمت کرتے ہیں، وحشی جانور اسی کے سبب اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں ۔ ننانوے رحمتیں اس نے اپنے پاس رکھ لی ہیں جن سے وہ قیامت کے روز اپنے بندوں کو سرفراز فرمائے گا ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حجت پوری ہونے کے باوجود اپنی رحمت و حلم کی وجہ سے اگرچہ ان سرکشوں کو دنیا میں سزا نہیں دی مگر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ تم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا ۔ جس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ۔ پھر وہ تم سب سے حساب و کتاب لے کر تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا یا سزا دے گا ۔

پھر فرمایا کہ ہر جگہ اور ہر وقت اسی کی حکومت اور قبضہ و اقتدار ہے ۔ ہر وہ چیز جو رات کے وقت یا دن میں آرام سے زندگی بسر کرتی ہے اور معلوم و نامعلوم دشمنوں سے محفوظ رہتی ہے، یہ سب اسی کی رحمتِ کاملہ کے آثار ہیں ۔ اور وہ اسی کی ذات ہے جو دن کے شور و غل اور رات کے اندھیرے اور سناٹے میں بھی ہر ایک کی پکار سنتی اور سب کی حاجتوں اور ضرورتوں کو بخوبی جانتی ہے ۔ پھر بھی تم اس کو چھوڑ کر اوروں سے مدد طلب کرتے ہو ۔

(ابن کثیر ۱۲۵ / ۲، مظہری ۲۴۴ / ۳، تفسیر عثمانی، ۳۹۶ / ۱)

واضح کامیابی

۱۶،۱۴۔ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ
یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا
تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ
عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْہُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَہٗ ؕ
وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا، جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے، کسی اور کو اپنا مددگار بنا لوں، حالانکہ وہی سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں فرماں برداری کروں اور یہ بھی (حکم ہوا ہے) کہ مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اس دن جس سے وہ عذاب ٹل گیا تو اس پر بڑی مہربانی ہوئی اور یہی صریح کامیابی ہے۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا خالق و مالک ہے، سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، تمام مخلوق اسی کی محتاج ہے کیونکہ وہ سب کو کھلاتا ہے، وہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں بھی کسی کا محتاج نہیں تو کیا ایسے مالک و قادر مطلق کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنا لینا نری حماقت نہیں۔ پھر فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کا پہلا فرماں بردار بنوں اور مشرکوں کے گروہ میں شامل نہ ہوں۔ اگر بالفرض تمہارے کہنے سے میں اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے تمہارا دین اختیار کر لوں تو اس صورت میں مجھے بھی روز قیامت کا ڈر ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں گا اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت کروں گا تو قیامت کے دن وہ مجھے عذاب دے گا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہوں سے پاک و معصوم ہیں۔ آپ سے نافرمانی کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن آپ کی طرف منسوب کر کے امت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی پر جب امام الانبیاء اور نبیوں کے سردار کو معاف نہیں کیا جا سکتا تو

اور کسی کی کیا مجال ہے؟

پس جس شخص سے اللہ تعالیٰ اس دن اپنا عذاب ہٹا دے تو یہ اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت اور عنایت ہوگی اور یہی اللہ کے عذاب سے نجات کھلی اور واضح کامیابی ہے۔ یہاں کامیابی سے مراد دخول جنت ہے۔ (حقانی ۳۲۰ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۵ ۴ / ۲، معارف القرآن، ۲۹۳ / ۳)

اسلام کا بنیادی عقیدہ

۱۷، ۱۸۔ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ ط وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ ط وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ○

اور (اے بندے) اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی فائدہ پہنچائے تو وہ اس پر قادر ہے اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی حکمت والا باخبر ہے۔

کَاشِفَ: کھولنے والا۔ دور کرنے والا، کَشْفٌ سے اسم فاعل۔

فَوْقَ: اوپر۔ اونچا۔ ظرف مکان ہے۔

اَلْقَاھِرُ: غالب ہونے والا۔ زبردست۔ قَہْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: یہاں اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ نفع اور نقصان دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے کوئی شخص نہ تو کسی کو معمولی سا نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ اس کی قضا کو کوئی روکنے والا نہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ ○ (سورہ فاطر، آیت ۲)

اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے جس پر جو مہربانی کرنا چاہے اس سے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جس سے وہ روک لے اسے کوئی نہیں دے سکتا۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کی رسی کی لگام دے کر ایک خچر پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہیں یاد رکھے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو گے تو تم اس کو ہر حال میں اپنے سامنے پاؤ گے۔ تم امن و عافیت اور عیش و آرام کے وقت اللہ تعالیٰ کو پہچانو تو تمہاری مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ تمہیں پہچانے گا۔ جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔ اگر مدد طلب کرنی ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرو۔ جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے تقدیر کا قلم اس کو لکھ چکا ہے۔ اگر ساری مخلوق مل کر یہ کوشش کرے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف کوئی فائدہ پہنچا دے تو وہ ہرگز تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور اگر وہ سب مل کر تمہیں ایسا نقصان پہنچانے کی کوشش کریں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں نہیں لکھا تو وہ ہرگز تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو یقین کے ساتھ (مصائب پر) صابر رہ کر عمل کر۔ اگر اس پر قدرت نہیں تو صبر کر کیونکہ خلاف طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی بہتری ہے اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور مسند احمد میں بھی صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے۔ (مظہری ۲۴۷، ۲۴۸ / ۳)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب و قادر ہے۔ اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے سب پست ہیں۔ اس کا ہر فعل حکمت پر مشتمل ہے وہ اپنے ہر حکم کی حکمت سے واقف ہے۔ وہ مواضع اشیاء سے باخبر ہے۔ اگر وہ کچھ دیتا ہے تو مستحق ہی کو دیتا ہے اور وہ روک دیتا ہے تو غیر مستحق سے روک دیتا ہے۔ وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ کوئی شئے اس سے مخفی نہیں۔ وہ اپنے علم کے مطابق ہر ایک کو جزا اور سزا دے گا۔ اس شانِ فوقیت و قہر اور شانِ علم و حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز نہ بنایا جائے۔

(ابن کثیر ۱۲۶ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۱ / ۲)

شرک سے برأت

۱۹۔ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ قف
وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○

آپ پوچھئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس کو یہ پہنچے (اس کو) اس سے خبردار کروں۔ کیا تم اس بات کی گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بیشک میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو۔

بَلَغَ: وہ پہنچا۔ مُبْلُوْغٌ وَ بَلَاغٌ سے ماضی

بَرِیْءٌ: بری۔ بے تعلق۔ بیزار

ربط: گزشتہ آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال تھا۔ ان آیتوں میں توحید و رسالت دونوں کا بیان ہے۔

شانِ نزول: کلبیؒ نے بیان کیا کہ مکہ کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کیا کوئی شخص ایسا ہے جو آپ کے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو۔ ہمیں تو کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو آپ کی تصدیق کرتا ہو۔ ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی آپؐ کے بارے میں دریافت کیا۔ سب نے جواب دیا کہ ان کے ہاں آپ کا کوئی ذکر نہیں ہے (یعنی ان کی کتابوں میں آپ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے)۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۳/۲۲۸)

تشریح: جو لوگ آپؐ کی نبوت و رسالت پر شہادت و گواہی طلب کرتے ہیں، آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میری نبوت و رسالت کا گواہ تو اللہ تعالیٰ ہے جس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں کیونکہ وہی ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہے اور تمام بندوں پر غالب و قاہر اور ذرہ ذرہ سے باخبر ہے۔ اسی نے مجھے دلائلِ نبوت اور براہینِ رسالت دے کر بھیجا ہے۔ اور یہ قرآن جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وحی کے ذریعہ مجھ پر نازل کیا گیا ہے، یہ بھی میری نبوت کا ناقابل تردید گواہ ہے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کا رسول نہ ہوتا تو وہ مجھ پر اپنا کلام نازل نہ فرماتا۔ اور یہ قرآن جو رشد و ہدایت کے تمام علوم کا جامع ہے، مجھ پر اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ میں تمہیں اور جس کو یہ پہنچے، عذابِ الٰہی سے

خبردار کروں ۔ جو لوگ توحید و رسالت کا انکار کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو گا ۔ اے مشرکو! کیا تم اس شہادتِ کبریٰ کے بعد بھی یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دے سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو واحد و یکتا ہے ۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس چیز سے بیزار ہوں جس کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو ۔

حضرت عبد اللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے لوگوں کو پہنچادو خواہ وہ ایک ہی آیت ہو ۔

محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ جس شخص کو قرآن پہنچ گیا، اس نے گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرلی اور آپؐ سے قرآن سن لیا ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۳، ۲۵۲ / ۲، مظہری ۲۴۹ / ۳)

اہلِ کتاب کاآپ کوپہچاننا

۲۰۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ م اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں ۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے، وہ تو ایمان نہیں لائیں گے ۔

تشریح: اس آیت میں مشرکین کے اس قول کی تردید ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے تحقیق کرلی، کوئی بھی آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی نہیں دیتا ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ اہل کتاب اس قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل اسی طرح جانتے پہچانتے ہیں جس طرح وہ بہت سے بچوں میں اپنی اولاد کو پہچان لیتے ہیں کیونکہ آپ کا پورا حلیہ مبارک، آپؐ کا اصلی وطن، آپؐ کا ہجرت کے بعد کا وطن، آپؐ کی امت کے اوصاف، آپؐ کی عادات و اخلاق وغیرہ کا ایسا تفصیلی ذکر ان کی کتابوں میں موجود ہے کہ اس کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ۔ لہٰذا اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ جو شخص توریت و انجیل کو پڑھتا ہو اور ان پر ایمان رکھتا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچانے ۔ البتہ یہ لوگ حسد، کبر، آباء و اجداد کی تقلید اور حب جاہ و مال میں

گرفتار ہونے کی بنا پر آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت زید بن سعنہؓ اہل کتاب میں سے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توریت و انجیل میں بیان کردہ اوصاف ہی کے ذریعہ پہچانا تھا۔ صرف ایک وصف ایسا تھا جس کی ان کو تصدیق نہیں ہو سکی تھی اور وہ یہ کہ آپ کا حلم آپؐ کے غصہ پر غالب ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر تجربہ کیا تو یہ صفت بھی آپؐ میں پوری طرح پائی اور اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

آخر میں فرمایا کہ یہ اہل کتاب آپ کو پوری طرح پہچاننے کے باوجود اسلام نہیں لاتے۔ یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔

(معارف القرآن ۲۹۵۔۲۹۷ / ۳)

اللہ پر افتراء باندھنا

۲۱۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْکَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ط اِنَّہٗ لَایُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بیشک ایسے ظالم فلاح نہیں پاتے۔

تشریح: مشرکین عرب اہل کتاب کو پڑھا لکھا اور قابل سند سمجھتے تھے۔ چند اہل انصاف کو چھوڑ کر جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام، باقی اہل کتاب جب بھی مشرکوں سے ملتے تو جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے وہ بھی ظالم ہے اور جو سچے نبی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے وہ بھی ظالم ہے۔ اب دونوں فریق میں سے جو ناحق پر ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ ظالم کو فلاح نہ ہو گی۔ پس اگر یہ نبی جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق یہ خود خراب و خستہ ہو جائے گا، قتل کر دیا جائے گا، اس کی جماعت تتر بتر ہو جائے گی اور یہ کامیاب نہ ہو گا اور اگر تم ناحق پر ہو تو یہ کامیاب ہو جائے گا اور تم ذلیل و مقہور ہو جاؤ گے۔ حالانکہ اس نبی کی جماعت کے ہاتھ سے جو نہایت کمزور اور پست حالت میں ہے، بظاہر تمہاری ذلت و رسوائی کا کوئی امکان نہیں۔

سبحان اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا پیشن گوئی ہو گی جس کے مطابق آپ کامیاب و کامران ہوتے گئے اور مخالفین و معاندین ذلیل و خوار ہوتے گئے۔ (حقانی ۳۲۳ / ۲)

مشرکین کا انجام

۲۲، ۲۴۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ○ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ○ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○

اور جس دن، ہم ان سب کو جمع کریں گے (اس دن) پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شریک (معبود) کہاں ہیں جن کے معبود ہونے پر تم گھمنڈ کرتے تھے۔ پھر ان کی کچھ بھی چالاکی نہ چلے گی سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے کہ قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے، ہم تو کسی کو بھی (اللہ کا) شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ذرا ان کو دیکھئے تو کہ کس طرح وہ اپنے آپ پر جھوٹ بولنے لگے اور ان کی تمام فتنہ پردازیاں غائب ہو گئیں۔

تشریح: وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہم ان سب مشرکوں اور ان کے بنائے ہوئے معبودوں کو جمع کریں گے، پھر سرزنش کے طور پر، ہم مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دعویٰ کیا کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں اور جن کو تم اپنا مددگار اور کارساز سمجھتے تھے۔ آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت وہ کہاں چلے گئے۔ تم اپنے ان معبودوں کو بلاؤ تاکہ وہ تمہاری سفارش کریں۔ پھر جب قیامت کے روز، مشرکین اپنے لئے عذاب اور اہل توحید کے لئے نجات کو دیکھیں گے تو اس وقت وہ شرک سے نفرت و بیزاری ظاہر کریں گے اور اپنے شرک کو چھپانے کے لئے اپنے پروردگار کی جھوٹی قسم کھا کر اس کے سوا کچھ نہ کہیں گے کہ دنیا میں ہم مشرک نہ تھے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۵ / ۲)

اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کے موہنوں پر مہر سکوت لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں کو حکم دے گا کہ تم شہادت دو کہ یہ لوگ کیا کیا کرتے تھے۔ پھر کسی کو جرأت نہ ہو گی کہ وہ کوئی بات چھپائے یا جھوٹ بولے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا

اور اس روز وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے

مشرکین کی بد نصیبی

۲۶،۲۵۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ج وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ط وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ط حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ج وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○

اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا رکھی ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ جب وہ آپؐ کے پاس آتے ہیں تو آپؐ سے جھگڑا کرتے ہیں۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ تو محض پہلے لوگوں کے قصے ہیں اور وہ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی رکتے ہیں اور وہ اپنے آپ ہی کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کو سمجھتے نہیں۔

اَكِنَّةً: حجاب۔ پردے۔ واحد کِنَانٌ

يَفْقَهُوْهُ: وہ اس کو سمجھتے ہیں۔ وہ اس کو جانتے ہیں۔ فِقْہٌ سے مضارع

اٰذَانِهِمْ: ان کے کان۔ واحد اُذُنٌ

وَقْرًا: بوجھ۔ بہرا پن۔ ڈاٹ

اَسَاطِيْرُ: کہانیاں۔ بے سند باتیں۔ من گھڑت۔ واحد اُسْطُوْرَةٌ

يَنْهَوْنَ: وہ منع کرتے ہیں۔ وہ روکتے ہیں۔ نَھْیٌ سے مضارع

يَنْئَوْنَ: وہ پھر جاتے ہیں۔ وہ دور رہتے ہیں۔ نَاْیٌ سے مضارع

شانِ نزول: کلبیؒ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ابو سفیان بن حرب، ابو جہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف، ابی بن خلف اور حارث بن عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو کر قرآن مجید سننے لگے۔ پھر سب نے نضر بن حارث سے پوچھا کہ اے ابو قتیلہ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہہ رہے ہیں۔ نضر نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی زبان کو ہلاتے ہیں۔ اور اگلے لوگوں کی کہانیاں بیان کرتے ہیں، جیسے گزشتہ اقوام کے قصے میں تم سے بیان کرتا ہوں، ابو سفیان نے کہا کہ میرے خیال میں تو وہ بعض باتیں سچ کہتے ہیں۔ ابو جہل نے کہا کہ ہرگز نہیں تم ان کی بات کے سچا ہونے کا اقرار نہ کرو۔ ہمیں مرنا قبول ہے مگر ان پر ایمان لانا قبول نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۳/۲۵۳)

تشریح: ان آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو ہدایت حاصل کرنے اور حق کو قبول کرنے کے لئے نہیں بلکہ اعتراض اور عیب جوئی کی غرض سے اس کلام الٰہی کو کان لگا کر سنتے ہیں جس کی آپؐ تلاوت کرتے ہیں۔ ان کے عناد و سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دئے ہیں تاکہ وہ اس کلام کو سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے تاکہ وہ قرآن کو نہ سن سکیں۔ اب اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل اور نشانیوں کو دیکھتے ہیں لیکن چونکہ نہ انہیں عقل ہے اور نہ انصاف سے کام لیتے ہیں اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر ان میں ذرا بھی بھلائی کی صلاحیت ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں سننے اور سمجھنے کی توفیق دے دیتا۔

جب یہ لوگ آپؐ کے پاس آتے ہیں تو باطل تاویل کر کے حق کے بارے میں بحث و تمحیث شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپؐ جو کچھ وحی کے نام سے پیش کر رہے ہیں یہ تو پہلے لوگوں کی کتابوں سے منقول ہے۔ ایسے بے بنیاد شکوک و شبہات پیدا کر کے یہ لوگ دوسروں کو بھی قرآن سے دور رکھتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ ان کی ان ناپاک کوششوں سے بحمد اللہ نہ تو دین حق کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ پس اس طرح وہ غیر شعوری طور پر اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اپنے آپ ہی کو ہلاک و برباد کر رہے ہیں۔

(ابن کثیر ۲/۱۲۷)

حشر میں کفِ افسوس ملنا

۲۷-۳۰۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا
نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ
مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا
نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ
اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

اور اگر آپؐ ان کو اس وقت دیکھیں، جب ان کو دوزخ کے پاس کھڑا کیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں پھر بھیج دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور مومنوں میں سے ہو جائیں۔ بلکہ جس چیز کو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے وہ ان کے آگے آگئی اور اگر ان کو (دنیا میں) واپس بھیج بھی دیا جائے تب بھی وہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور مرنے کے بعد ہم اٹھائے نہیں جائیں گے اور اگر آپؐ ان کو اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا یہ (قیامت) سچ نہیں ہے، وہ جواب دیں گے کہ قسم ہے اپنے پروردگار کی ہاں (یہ سچ ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر اپنے کفر کے بدلے میں عذاب (کا مزہ) چکھو۔

وُقِفُوْا: وہ کھڑے کئے گئے۔ وَقْفٌ و وُقُوْفٌ سے ماضی مجہول۔

يٰلَيْتَنَا: اے کاش ہم۔

نُرَدُّ: ہم لوٹائے جائیں گے۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول۔

بَدَا لَهُمْ: وہ ان پر ظاہر ہو گیا۔ وہ ان پر کھل گیا۔

لَعَادُوْا: البتہ وہ واپس ہوئے۔ البتہ انہوں نے دوبارہ کیا۔ عَوْدٌ سے ماضی۔

بِمَبْعُوْثِیْنَ: قبروں سے اٹھائے جانے والے۔ دوبارہ زندہ کئے جانے والے۔ بَعْثٌ سے اسم مفعول۔

فَذُوْقُوْا: پس تم چکھو۔ ذَوْقٌ سے امر۔

تشریح: قیامت کے روز کفار جب دوزخ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور وہ اس کے طوق و سلاسل اور ہولناک مناظر دیکھیں گے تو اظہار تاسف کریں گے اور دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کریں گے اور کہیں گے کہ اب دنیا میں جاکر ہم ایمان لائیں گے، نیک اعمال کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے۔ پس ان کا دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا ایمان کے ساتھ رغبت و محبت کی بنا پر نہیں بلکہ وہ دنیا میں جس عذاب کے منکر تھے، اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر خوف زدہ ہیں اور ان کو یقین ہو گیا ہے کہ اب اپنے کفر و انکار کی سزا ملے گی۔ اس لئے وقتی طور پر دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لئے دنیا کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں۔ اگر بالفرض دنیا کو دوبارہ پیدا کر کے ان کو اس میں بھیج بھی دیا جائے تب بھی یہ لوگ کفر ہی کریں گے کیونکہ کفر و تکذیب اور بدی و شرارت ان کے خمیر میں داخل ہے اور ان کا یہ کہنا کہ اب ہم تکذیب نہیں کریں گے اور ایماندار بن کر رہیں گے، سب غلط ہے۔ پس کافروں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب و استہزاء وغیرہ سب اس وقت تک ہے جب تک کہ آخرت کی سزا کا ہولناک و ہوشربا منظر سامنے نہیں۔ جس وقت دوزخ کی ذرا سی بھی ہوا لگ جائے گی تو ان معاندین و منکرین کی ساری شیخی اور اکڑفوں جاتی رہے گی۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی زندگی ہے اور نہ ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ کاش آپ اس وقت ان کو دیکھ سکتے جب وہ باز پرس اور جواب دہی کے لئے اپنے رب کے سامنے مایوس کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ کیا یہ روزِ قیامت حق نہیں، کیا یہ عذاب اور حساب و کتاب حق نہیں اور کیا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق نہیں، تم تو دنیا میں اس کا انکار کرتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہاں قسم ہے ہمارے رب کی یہ تو سچ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے خود قیامت کے حق ہونے کا اقرار کر لیا ہے جس کا دنیا میں تم انکار کرتے تھے۔ پس اب تم اپنے کفر و انکار کا مزہ چکھو۔ اس کے بعد ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (ابن کثیر ۱۲۸ / ۲)

دنیا کی حقیقت

۳۱، ۳۲۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَتْهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ
يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۗ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ○
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۗ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

بیشک وہ لوگ تو نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنے کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب ان پر دفعتاً قیامت آپہنچے گی تو وہ پکار اٹھیں گے کہ ہائے افسوس، ہماری اس کوتاہی پر جو ہم نے (قیامت کے بارے میں) کی اور وہ اپنے بوجھوں (گناہوں) کو اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے۔ خوب سن لو! وہ بہت ہی برا بوجھ ہوگا جس کو وہ اٹھائے پھریں گے اور دنیا کی زندگی تو کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا گھر تو ان کے لئے بہتر ہے جو پرہیزگار ہیں کیا تم سمجھتے نہیں۔

بِلِقَاءِ: ملاقات سے۔ ملنے سے۔

قَدْ: کافی۔ تحقیق۔ کبھی۔ اسم بھی ہے حرف بھی۔ ماضی اور مضارع دونوں پر آتا ہے۔

السَّاعَةُ: گھڑی۔ وقت۔ قیامت

بَغْتَةً: یکایک۔ ایک دم۔ اچانک

اَوْزَارَهُمْ: ان کے بوجھ۔ ان کے گناہ

ظُهُوْرِهِمْ: ان کی پیٹھیں۔ ان کی پشتیں

سَاءَ: وہ برا ہے۔ سُوْءٌ سے ماضی۔ فعل ذم ہے۔

تشریح: کافر چونکہ قیامت اور جنت و دوزخ کا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جانے کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب کے لئے پیش ہونے کا انکار کرتے تھے، اس لئے یہ لوگ نامراد اور خسارے میں رہیں گے۔ یہاں تک کہ جب یکایک قیامت آجائے گی تو یہ اپنی

کوتاہی پر ندامت و مایوسی کا اظہار کریں گے، پھر قیامت کے روز جب یہ قبروں سے نکلیں گے تو اپنی پیٹھوں پر اپنی بداعمالیوں کے بوجھ لادے ہوئے ہوں گے، جن سے ان کی کمریں جھکی ہوئی ہوں گی اور وہ بہت ہی برا بوجھ ہوگا۔

اس مصیبت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اس دنیاوی زندگی کے سوا کوئی اور زندگی نہیں۔ حالانکہ دنیاوی زندگی چند روزہ کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور کھیل تماشے پر فریفتہ ہونا بے عقلوں اور نا سمجھوں کا کام ہے۔ البتہ آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور دنیا کے کھیل تماشوں اور اس کی لذتوں سے بچتے ہیں۔ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ تم باقی اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کے مقابلے میں لہو و لعب کو ترجیح دیتے ہو

ابن ابی حاتم ؒ نے عمرہ بن قیس ملائی کا بیان نقل کیا ہے کہ جب مومن قبر سے برآمد ہوگا تو اس کا نیک عمل حسین ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ اس کے سامنے آکر کہے گا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔ مومن کہے گا کہ نہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری صورت حسین اور تیری خوشبو پاکیزہ بنائی ہے۔ نیک عمل کہے گا کہ میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا۔ میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ میں مدت دراز تک دنیا میں تیرے اوپر سوار رہا۔ آج تو مجھ پر سوار ہو جا۔ پھر راوی نے یہ آیت تلاوت کی:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ (سورۂ مریم، آیت ۸۵)

جس دن پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمانوں کی طرح جمع کریں گے۔

اور کافر کا عمل مکروہ ترین شکل اور بدترین بُو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کہ کیا تو مجھے نہیں جانتا۔ کافر کہے گا نہیں۔ مگر اتنی بات جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری شکل بہت مکروہ اور تیری بو بہت گندی بنائی ہے۔ عمل کہے گا کہ میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا۔ میں تیرا برا عمل ہوں دنیا میں تو مدت دراز تک مجھ پر سوار رہا۔ آج میں تجھ پر سوار ہوں گا۔ پھر راوی نے یہ آیت تلاوت کی:

وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ

اور وہ اپنے بوجھوں (گناہوں) کو اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے۔

(مظہری ۲۵۷ - ۲۵۸، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۸ - ۲)

منکرین کی فطرت

۳۳، ۳۴۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ
لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○
وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا
وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ
جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جانتے ہیں کہ آپ کو ان کی باتوں سے رنج ہوتا ہے۔ سو وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ پس وہ جھٹلائے جانے پر اور ایذا دیئے جانے پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو کوئی نہیں بدل سکتا اور البتہ کچھ رسولوں کے حالات آپ کو پہنچ چکے ہیں۔

يَجْحَدُوْنَ: وہ انکار کرتے ہیں۔ جَحْدٌ جُحُوْدٌ سے مضارع۔

اُوْذُوْا: ان کو ایذا دی گئی۔ ان کو تکلیف دی گئی۔ اِیْذَاءٌ سے ماضی مجہول۔

مُبَدِّلَ: تبدیل کرنے والا۔ تَبْدِیْلٌ سے اسم فاعل۔

نَبَاِی: خبر۔ اطلاع۔ واقعہ۔ نَبَاٌ۔ ایسی خبر کو کہتے ہیں جو اہمیت و عظمت والی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے ذرائع سے حاصل ہوئی ہو جن سے اس کی صحت کا یقین ہو جائے یا کم از کم گمان غالب ہو جائے۔

تشریح: مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت اور وہاں کے حساب و کتاب کے بارے میں جھٹلاتے تھے۔ اس سے آپ کو رنج ہوتا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ منکرین کا آپؐ کو جھٹلانا اور اس پر آپ کا رنجیدہ ہونا ہمیں معلوم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ کو تو وہ پہلے ہی سے صادق و امین سمجھتے تھے، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ اس لئے کہ رسول کی تکذیب دراصل اسی کی تکذیب ہے۔ جس نے اس کو رسول بنایا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی اسی طرح سابقہ پیغمبروں کی قوموں نے ان کی تکذیب کی تھی اور انہیں تکلیفیں پہنچائی گئی تھیں۔ انہوں نے اپنی تکذیب و ایذا رسانی پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کو ہماری طرف سے مدد پہنچ گئی اور وہ منکرین و مکذبین پر غالب آ گئے، حالانکہ وہ بے سروسامان تھے۔ پس آپ بھی منکرین و مکذبین کی مخالفت سے تنگدل نہ ہوں کیونکہ پیغمبروں کی مخالفت قدیم دستور ہے کوئی نئی بات نہیں۔ لہٰذا آپؐ ان کی تکذیب پر صبر کیجئے، اللہ تعالیٰ آپؐ کو بھی ان پر غالب کر دے گا اور آپؐ کی تکذیب کرنے والے ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فتح و نصرت کے جو وعدے کئے ہیں وہ سب پورے ہوں گے۔ اس لئے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی باتوں اور وعدوں کو کوئی نہیں بدل سکتا وہ اس پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر غالب کر دے۔

(حقانی ۳۲۴، ۳۲۵ / ۲، مظہری ۲۵۹، ۲۶۰ / ۳)

ہدایت سے محرومی

۳۵، ۳۶۔ وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ○

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ان کی روگردانی آپ پر شاق گزرتی ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر کے یا آسمان کے لئے سیڑھی پیدا کر کے ان کو کوئی معجزہ لا دیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ سو آپ ہرگز نادانوں میں سے نہ بننا (کہ عذاب کی جلدی کرنے لگو) بیشک (نصیحت کو تو) وہی مانتے ہیں جو (دل کے کانوں سے) سن سکتے ہوں۔ (کفار تو مُردے ہیں) اور مُردوں کو تو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا۔ پھر وہ سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

كَبُرَ: وہ (مرتبہ میں) بڑا ہوا۔ وہ بزرگ ہوا۔ كِبَرٌ، كُبْرٌ و كِبَارَةٌ سے ماضی۔

تَبْتَغِيَ: تو چاہتا ہے تو تلاش کرتا ہے۔ اِبْتِغَاءٌ سے مضارع۔

نَفَقًا: سرنگ۔ تنگ راستہ۔ جمع اَنْفَاقٌ

سُلَّمًا: سیڑھی۔ زینہ۔ جمع سَلَالِمُ و سَلَالِيمُ

شانِ نزول: مشرکین و منکرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وقتاً فوقتاً امتحان کے طور پر معجزات کا سوال کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ نہیں کہ لوگوں کے کہنے پر معجزہ ظاہر کیا جائے۔ اسی لئے جب حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف چند کفار کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی معجزہ کا خواستگار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ظاہر نہ فرمایا اس لئے وہ جماعت اس وقت ایمان نہ لائی۔ یہ بات آپؐ پر شاق گزری۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (حقانی ۲/۳۲۵)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے مسلمان ہونے کی رغبت حرص کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ مشرکین کی ایمان سے روگردانی آپ کو بہت شاق گزرتی تھی۔ اسی لئے جب وہ آپ سے کوئی معجزہ طلب کرتے تو آپؐ بتہ دل سے خواستگار ہوتے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے یہ معجزہ نمودار کر دے تاکہ یہ لوگ ایمان لے آئیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزرتا ہے تو اگر آپ زمین میں کوئی سرنگ بنا سکتے ہوں اور اس کے ذریعہ زمین میں گھس کر ان کے لئے کوئی معجزہ نمودار کر سکتے ہوں یا آسمان پر چڑھنے کے لئے کوئی زینہ بنا کر اس کے ذریعہ آسمان سے کوئی معجزہ لا کر ان کے سامنے ظاہر کر سکتے ہوں تو کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ آپ خود تو کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتے، اس لئے خوامخواہ اپنے آپ کو بے چین نہ کریں۔ خواہ ان کا اعراض آپ کو کتنا ہی شاق گزرے، آپ اس پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی ہدایت منظور نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو کسی پیغمبر یا معجزات کے توسط کے بغیر شروع ہی سے ہدایت پر متفق کر دیتا، مگر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت و مصلحت کے پیش نظر ان کی ہدایت نہیں چاہتا۔ اور اس کی مشیت و مصلحت سے کوئی دوسرا واقف نہیں اور نہ کسی اور کو اس کی مشیت میں دخل ہے۔ اس لئے ان کے ہدایت نہ پانے پر آپ مضطرب نہ ہوں۔

بلاشبہ آپ کی دعوت تو وہی لوگ قبول کریں گے جو سنتے ہیں اور حق کے طالب ہیں ورنہ

جن کے دل مردہ ہیں وہ کہاں کسی کی بات مانتے ہیں ۔ ان کافروں کے دلوں پر تو اللہ تعالیٰ نے تالے ڈال دئے ہیں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے ۔ اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دئے ہیں ۔ اس لئے یہ حق کو حق اور باطل کو باطل نہیں جانتے ۔ اب یہ حکماً مردے ہیں، پھر ایک روز حقیقت میں مردے ہوں گے ۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سب مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا ۔ پھر سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے وہی ان کو کفر اور انکار کی سزا دے گا ۔ اس سے پہلے نہ وہ حق بات سنیں گے اور نہ حق کو مانیں گے ۔ (مظہری ۲۶۱ / ۳)

معجزہ طلب کرنا

۳۷، ۳۹ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اور (کافر) یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بیشک نشانی نازل کرنے پر تو اللہ تعالیٰ پوری طرح قادر ہے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ (نشانی نازل کرنے کی مصلحتیں) نہیں جانتے اور جو جاندار زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور جتنے پرندے اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے پھرتے ہیں وہ سب تمہاری طرح کے گروہ ہیں ۔ ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ۔ پھر سب اپنے رب کے پاس جمع کئے جائیں گے اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے ہیں اور گونگے ہیں ۔ اندھیروں میں (پڑے ہوئے) ہیں ۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ۔ گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے ۔

دَآبَّةٍ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ مخلوق۔ دَبٌّ و دَوَابٌّ سے اسم فاعل۔

طٰٓئِرٍ: پرندہ۔ اڑنے والا۔ واحد طَیْرٌ۔

بِجَنَاحَیْهِ: اپنے دونوں بازوؤں کے ساتھ۔ اپنے دونوں پروں کے ساتھ۔

فَرَّطْنَا: ہم نے کوتاہی کی۔ ہم نے نہیں چھوڑی۔

ربط: گزشتہ آیات میں مشرکین کے فلاح نہ پانے اور ان کے عناد کا بیان تھا۔ پھر ان کی درد انگیز حسرتوں کو بیان کیا گیا جو وہ قیامت کے روز دیکھیں گے۔ ان آیتوں میں منکرین و مشرکین کی تکذیب کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تشفی کے لئے فرمایا کہ آپؐ ان کی تکذیب سے رنجیدہ و افسردہ نہ ہوں۔ یہ لوگ آپ کی نہیں بلکہ اللہ کی تکذیب کرتے ہیں۔ آپؐ ان کی فکر نہ کریں۔ ان کو اللہ تعالیٰ خود ہی سمجھ لے گا۔ آپؐ تو سابقہ انبیاء کی طرح ان کی تکذیب پر صبر کریں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو غلبہ عطا فرمایا تھا اسی طرح وہ آپؐ کو بھی ان پر غالب فرمائے گا۔

تشریح: مشرکین کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا طلب کردہ معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو ایسا معجزہ اتارنے پر قادر ہے، جیسا وہ چاہتے ہیں لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کا طلب کردہ معجزہ اتارنے کے بعد، اس کا انکار کرنے والوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور ان کو تباہ و برباد کرنے پر بھی قادر ہے، جیسا کہ اس سے پہلے گزشتہ امتوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔

پھر فرمایا کہ زمین پر چلنے والے جانور اور ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی پیدا ہونے میں، مرنے میں، پھر زندہ ہو کر اٹھنے میں، غذا کی ضرورت اور رزق کی طلب میں اور عافیت و مصیبت وغیرہ میں تمہاری طرح امتیں، جماعتیں اور مختلف گروہ ہیں۔ محض معرفت الٰہی کی وجہ سے تمہیں ان پر برتری حاصل ہے ورنہ فضیلت کی اور کوئی وجہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کتاب کے اندر کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ تمام دینی امور تفصیل یا اجمال کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اس کا علم ہمہ گیر ہے، ظاہر ہو یا پوشیدہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں اور کوئی حیوان یا غیر حیوان ایسا نہیں کہ اس کا اندراج لوح محفوظ میں نہ ہو۔ پھر

سب کو ان کے مالک کے پاس جمع کیا جائے گا۔

ابن ابی حاتمؒ، ابن جریرؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز تمام مخلوق اٹھائی جائے گی۔ چوپائے، کیڑے، مکوڑے اور پرندے سب ہی کا حشر ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا انصاف اس حد تک پہنچ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سینگوں والی بکری سے بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ دلوائے گا۔ پھر فرمائے گا تم سب مٹی بن جاؤ۔ حقوق ادا ہونے کے بعد سب جانور مٹی بن جائیں گے۔ اس وقت کافر کہیں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے تاکہ دوامی عذاب سے نجات ہو جاتی۔

حیوانات کا حشر باز پرس کی غرض سے نہیں ہو گا بلکہ محض اس لئے ہو گا کہ ان کو دنیا میں جو تکلیفیں پہنچی تھیں ان کا عوض اور بدلہ ان کو دلایا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کا عدل ظاہر ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ اپنے جہل، قلتِ علم اور عدم فہم کے سبب بہرے اور گونگوں کی طرح ہیں۔ یہ لوگ کفر کی جہالت، ضد و عناد اور اسلاف پرستی کے اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں، اسی لئے ان کی زبانوں پر کلمہ حق نہیں آتا۔ ایسے لوگ سیدھے راستہ پر کیسے چل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر چلا دیتا ہے۔ پس کسی کا ہدایت یاب ہونا یا نہ ہونا اس کی مشیت پر موقوف ہے۔
(مظہری ۲۶۱، ۲۶۲ / ۳، ابن کثیر ۱۳۱ / ۲)

مصیبت میں اللہ کو پکارنا

۴۰، ۴۱۔ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ دیکھو تو اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آپڑے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ۔ بلکہ تم تو اسی کو پکارنے لگو گے۔ پھر اگر وہ چاہے تو اس مصیبت کو دور کر دے گا جس کے لئے تم اس کو پکارو گے اور جن کو تم اللہ

تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو (اس وقت) ان سب کو بھول جاؤ گے۔

فَيَكْشِفُ: پس وہ کھولتا ہے۔ پس وہ دور کرتا ہے۔ پس وہ ہٹاتا ہے۔ کَشْفٌ سے مضارع

تَنْسَوْنَ: تم بھول جاتے ہو۔ تم فراموش کر دیتے ہو۔ نِسْيَانٌ سے مضارع۔

تشریح: عرب کے مشرکین بتوں کو خدائی کار کن سمجھتے تھے۔ مگر جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی تو مدد کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے اور اسی سے دعا مانگتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جب تم دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں گھر جاتے ہو تو مجبور ہو کر اسی خدائے واحد و یکتا اور بزرگ و برتر کو پکارتے ہو جو تمہارا اور تمام مخلوقات کا خالق و مالک ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہاری مصیبت دور کر دے اور چاہے تو تمہیں مصیبت میں گرفتار رکھے۔ اس وقت تم اپنے سب شرکاء کو بھول جاتے ہو، کیونکہ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہاری مصیبت دور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب اللہ کا عذاب تمہیں یکایک آپکڑے یا اچانک قیامت آجائے تو اس وقت بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا

(ابن کثیر ۱۳۲/ ۲، مظہری ۲۶۳/ ۳)

کفار کی بد بختی

۴۲، ۴۳۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۞ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

اور البتہ ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ شاید وہ گڑگڑانے لگیں۔ پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے۔ لیکن ان کے دل تو سخت ہو گئے تھے اور شیطان ان کو ان کے اعمال بد آراستہ کر کے دکھاتا رہا۔

بَاْسَآءِ: تنگدستی۔ مفلسی۔ فقر۔ سختی۔

الضَّرَّآءِ: تکلیف۔ سختی۔ مصیبت۔

قَسَتْ: وہ (دل) سخت ہو گئے۔ وہ سیاہ ہو گئی۔ قَسْوَۃٌ سے ماضی۔
زَیَّنَ: اس نے زینت دی۔ اس نے سنوارا۔ تَزْیِیْنٌ سے ماضی۔
تشریح: گزشتہ آیتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ مصیبت کے وقت کفار بتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنی رحمت سے ان کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ان مشرکین سے بڑھ کر سیاہ دل قومیں بھی گزری ہیں جو مصیبت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تھے۔ جب انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کو فقر و تنگدستی کے عذاب میں جکڑ لیا اور ان کو بیماری اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ ہمارے آگے گڑگڑائیں اور عاجزی کریں اور کفر و شرک سے توبہ کریں۔ مگر ان سنگدلوں پر تنبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر جب ان کو عذاب میں مبتلا کیا گیا تو انہوں نے اس وقت بھی توبہ نہیں کی، کیونکہ ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور شیطان ان کے شرک و معاندت کے اعمال کو ان کی نگاہوں کے سامنے اچھا بنا کر دکھا رہا تھا۔ اگر وہ اس وقت گڑگڑا کر توبہ کر لیتے تو ان کی مصیبت دور ہو جاتی (حقانی ۳۲۸ / ۲، ابن کثیر ۱۳۲ / ۲)

کفار کی گرفت

۴۴، ۴۵۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں وہ ان پر اترانے لگے، تو ہم نے ان کو یکایک آپکڑا۔ پھر تو وہ بالکل نا امید ہو گئے۔ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، جو تمام عالم کا رب ہے۔

بَغْتَةً: یکایک۔ ایک دم۔ اچانک۔

مُبْلِسُوْنَ: حیرت زدہ۔ ناامید۔ مایوس۔ اِبْلَاسٌ سے اسم فاعل۔
دَابِرُ: جڑ۔ بنیاد۔ پچھاڑی

تشریح: جب انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے وعظ و نصیحت کو بالائے طاق رکھ دیا اور ہماری تنبیہ کو بھول گئے تو ہم نے امتحان و آزمائش کے لئے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ غلہ اور میوے خوب پیدا ہوئے، تجارت و صنعت میں خوب کامیابیاں ہوئیں۔ غرض ان کو ہر قسم کی خوشی اور کامیابیاں دی گئیں۔ یہ سب اس لئے کیا گیا کہ وہ سختی اور تکلیف میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں ہوئے، شاید راحت و آرام میں ہی اس کی طرف رجوع کریں، مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے کیونکہ ان کے دل سخت ہوگئے تھے۔ وہ سختی اور تنگی کے زمانے کو اور پھر راحت و آرام کے دنوں کو اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ و آزمائش خیال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے خیال میں یہ سب ان کی بد تدبیری اور خود تدبیری کا نتیجہ تھا۔

پس جب ان کی یہ حالت ہو گئی اور وہ ہماری نعمتوں پر اترانے لگے تو ان پر ہماری طرف سے ناگہانی بلا نازل ہوئی اور وہ ہر بھلائی سے ناامید ہوگئے۔ پھر وہ قومیں ہلاک و برباد ہو گئیں اور ان کی جڑ ہی کٹ گئی۔ (حقانی ۳۶۸ / ۲)

آیت کے آخر میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جب مجرموں اور ظالموں پر کوئی عذاب و مصیبت آتی ہے تو یہ پورے عالم کے لئے ایک نعمت ہے، جس پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اس وقت تک نہیں پکڑا جب تک کہ وہ اپنی نعمت میں بدمست نہیں ہوگئے۔ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کے گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے دنیاوی عیش و تنعم دے رکھا ہے تو تم یقین کر لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ڈھیل کا وقت گزار رہا ہے۔ پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ۔

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ (ابن کثیر ۱۳۲ / ۲)

منکرین کو تنبیہ

۴۶، ۴۷۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۔ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو سہی، اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سننے اور دیکھنے کی قوت بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں واپس لا دے۔ دیکھو ہم دلائل کو کس طرح مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بھلا تم دیکھو تو سہی کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر یکایک یا کھلم کھلا آپڑے تو کیا ظالموں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہو گا؟

نُصَرِّفُ: ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں۔ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تَصْرِيْفٌ سے مضارع۔

يَصْدِفُوْنَ: وہ کنارہ کرتے ہیں۔ وہ اعراض کرتے ہیں۔ صَدْفٌ و صُدُوْفٌ سے مضارع۔

جَهْرَةً: برملا۔ ظاہراً۔ کھلم کھلا

تشریح: ملحدین و منکرین، کامیابی و ناکامی کو اپنے تدبر کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ انسان کی تمام صنعت و دانش اور تدابیر کے آلات، کان، آنکھ اور دل ہیں۔ یہ سب اسی کی نعمت ہیں۔ اس میں بندے کا کچھ بھی دخل نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت و بصارت سلب کر لے اور تمہیں اندھا، بہرا کر دے اور تمہارے دلوں پر ایسی غفلت طاری کر دے کہ تمہاری عقلیں ناکارہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں واپس کر دے۔ ذرا غور تو کرو کہ ہم اپنی باتیں کس قدر وضاحت سے بیان کرتے ہیں جو اس بات کی کافی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کے باوجود یہ منکرین و ملحدین، ان کو ماننے اور قبول کرنے سے

اعراض کرتے ہیں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب بے خبری یا خبرداری میں، کہ پہلے سے اس کی کوئی علامت اور نشانی نہ ہو، یا تمہاری آنکھوں دیکھتے آجائے تو اس سے سوائے ظالموں کے اور کس کو ہلاک کیا جائے گا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تم عذاب کے آنے سے پہلے ہی اپنے ظلم و شرک سے توبہ کر لو۔ (حقانی ۳۲۹ / ۲، ابن کثیر ۱۳۳ / ۲)

پیغمبروں کی بعثت کا مقصد

۴۸، ۴۹۔ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلاَّ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ج فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

اور ہم نے رسولوں کو تو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو خوشخبری سنا دیں اور (عذاب سے) خبردار کر دیں۔ پھر جو کوئی ایمان لائے اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لے تو ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب پہنچے گا۔

يَمَسُّهُمْ: وہ ان کو مس کرتا ہے۔ وہ ان کو چھوتا ہے۔ مَسٌّ سے مضارع۔

يَفْسُقُوْنَ: وہ فسق کرتے ہیں۔ وہ گناہ کرتے ہیں۔ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔ فِسْقٌ سے مضارع۔

تشریح: انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں بھیجنے کی غرض یہ نہیں کہ وہ لوگوں کو ان کی خواہش کے مطابق معجزے دکھائیں اور جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دینا چاہتا ان کو ہدایت دیں بلکہ ان کا کام تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اچھے اور برے کاموں کے نتائج سے مطلع کریں اور اہل ایمان و نیک لوگوں کو جنت کی خوشخبری دیں اور منکرین و مکذبین کو دوزخ کے عذاب سے خوف دلائیں۔ پھر جو لوگ انبیاء کی پیش کی ہوئی تعلیم کو سچا جان کر جنت کی امید اور دوزخ کے خوف سے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیتے ہیں تو ان کو نہ عذاب کا ڈر ہو گا اور نہ ثواب کے فوت ہونے کا غم اور جن لوگوں

نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، انہیں ایمان و اطاعت کے دائرہ سے خارج ہونے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے اور ان کے کفر و فسق کے سبب عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(مظہری ۲۶۵ / ۳، ابن کثیر ۱۳۳ / ۲)

مشرکین کی فرمائش

۵۰۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔

عِنْدِيْ : میرے نزدیک۔

مَلَكٌ : فرشتہ۔

اَعْمٰى : اندھا۔ جمع عُمْیٌ۔

اَلْبَصِيْرُ : دیکھنے والا۔

تشریح: کفارِ مکہ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزوں کا ظہور ہو چکا تھا۔ مثلاً آپ کا حالتِ یتیمی میں دنیا میں تشریف لانا، بالکل ان پڑھ اور اُمّی ہونا، ایسے علاقہ میں پیدا ہونا جس کے آس پاس بھی کوئی عالم تھا نہ کوئی علمی مرکز، اسی اُمّیت کے عالم میں چالیس سال تک اہل مکہ کے سامنے رہنا، پھر دفعۃً آپ کی زبان مبارک سے ایسا محیر العقول اور حکیمانہ کلام جاری ہونا جس کی فصاحت و بلاغت نے تمام عرب کے بلغاء کو چیلنج دے کر ہمیشہ کے لئے ان کے موہنوں پر مہر لگا دی۔ اسی طرح آپ کی زندگی کا ہر دور اور اس میں پیش آنے والے عظیم واقعات میں سے ہر ایک واقعہ ایک مستقل معجزہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے بعد کسی انصاف پسند آدمی

کے لئے مزید کسی معجزہ کے طلب کرنے کی گنجائش باقی نہ تھی ۔ لیکن کفار قریش نے اس کے باوجود اپنی خواہش کے مطابق معجزے طلب کئے ۔ ان کے مطلوبہ معجزوں میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھا بھی دیا ۔ مثلاً چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ ۔ یہ معجزہ نہ صرف قریش نے بلکہ دنیا کے دوسرے حصوں میں رہنے والوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ اس کے باوجود وہ اپنے کفر و ضلالت اور ضد و عناد پر قائم رہے ۔

ان کی طرف سے آئے دن نئے نئے معجزات کا مطالبہ رہتا تھا ۔ قرآن کریم نے ان کے جواب میں آپؐ کو حکم دیا کہ آپؐ ان لوگوں کو بتادیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو سب کچھ ہے ۔ جس طرح اس نے تمہارے مانگے بغیر بہت سے معجزے نازل فرمادیئے اسی طرح وہ تمہارے مطالبہ پر بھی معجزات نازل فرما سکتا ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کا مطلوبہ معجزہ دکھادیتا ہے اور پھر وہ اس پر ایمان نہ لائیں تو ان کو فوراً عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے ۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کے مطلوبہ معجزات ظاہر نہ کئے جائیں ۔ مختلف اوقات میں کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مطالبے کئے تھے:

(۱) اگر آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو معجزہ کے ذریعہ ہمارے لئے تمام دنیا کے خزانے جمع کر دیں ۔

(۲) اگر آپؐ سچے رسول ہیں تو ہمارے مستقبل میں پیش آنے والے تمام مفید یا مضر حالات و واقعات بتادیجئے تاکہ ہم مفید چیزوں کو حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے کا انتظام پہلے سے کر لیں ۔

(۳) ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری ہی قوم کا ایک انسان جو ہماری ہی طرح ماں باپ سے پیدا ہوا ہو، کھاتا پیتا اور بازاروں میں گھومتا پھرتا ہو، وہ اللہ کا رسول بن جائے ۔ کوئی فرشتہ ہوتا جس کی تخلیق و اوصاف ہم سے ممتاز ہوتے تو ہم اس کو اللہ کا رسول مان لیتے ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ان تینوں سوالوں کا جواب دیا ہے اور آپؐ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ کا رسول ہوں، اس کی بھیجی ہوئی ہدایت انسانوں کو پہنچاتا ہوں اور خود بھی اس کی اتباع کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتا ہوں ۔

رسالت کے اس دعوے کے لئے نہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول، اللہ کے سب

خزانوں کا مالک ہو جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرح غیب کی ہر چھوٹی بڑی چیز سے واقف ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ انسانی اور بشری صفات سے جدا کوئی فرشتہ ہو بلکہ رسول کا منصب صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی کا اتباع کرے۔ خود اس پر عمل کرنا بھی اس میں داخل ہے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی دعوت شامل ہے۔

(معارف القرآن ۳۲۵۔۳۲۷ / ۳)

پھر فرمایا کہ اگرچہ پیغمبر بنی نوع انسان سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں۔ علمی اور عملی۔ علمی قوت کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی میں اندھے اور آنکھوں والے جیسا تفاوت سمجھنا چاہئے۔ نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیاتِ الٰہی اور تجلیاتِ ربانی کے دیکھنے کے لئے کھلی رہتی ہیں، جس کے بلاواسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں۔ جہاں تک قوتِ عملیہ کا تعلق ہے تو پیغمبر اپنے قول و فعل اور ہر ایک حرکت و سکون میں رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کے تابع ہوتا ہے۔ احکام الٰہی کے خلاف نہ تو ان کا کوئی قدم اٹھ سکتا ہے اور نہ زبان حرکت کر سکتی ہے۔ پیغمبر کی مقدس ہستی اخلاق و اعمال اور واقعاتِ زندگی میں تعلیماتِ ربانی اور مرضیاتِ الٰہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور و فکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں رہ سکتا۔ (تفسیر عثمانی ۴۰۶ / ۱)

تبلیغِ دین کی تاکید

۵۱۔ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس قرآن کے ذریعہ ایسے لوگوں کو خبر دار کیجئے جن کو اس بات کا ڈر ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ ان کا کوئی حمایتی ہو گا اور نہ سفارش کرنے والا شاید وہ (آپؐ کے خبردار کرنے سے) پرہیزگار بن جائیں۔

اَنْذِرْ: تو ڈرا۔ تو خبردار کر۔ اِنْذَارٌ سے امر۔

یُحْشَرُوْا: ان کو جمع کیا جائے گا۔ ان کو اکٹھا کیا جائے گا۔ حَشْرٌ سے مضارع مجہول۔

وَلِیٌّ: دوست۔ مددگار

شَفِیْعٌ: سفارش کرنے والا۔ شَفَاعَۃٌ سے فاعل کے معنی میں۔

شانِ نزول: امام احمدؒ، طبرانیؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ قریش کے کچھ سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرے۔ اس وقت حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عمارؓ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ قریش کے سردار کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے انہی لوگوں کا انتخاب کیا ہے۔ کیا اللہ نے ہم لوگوں میں سے انہی کو اپنی نعمت سے سرفراز کیا ہے؟ اگر آپ ان کو اپنے پاس سے نکال دیں تو ہم آپ کے ساتھی ہو جائیں گے۔ اس پر **وَاَنْذِرْ بِهٖ** سے .... **سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ** تک پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ یہ آیت چھ آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی، میں اور عبد اللہ بن مسعودؓ اور چار دوسرے لوگ۔ کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں کو نکال دیں تو ہم آپ کے پیرو ہو جائیں گے، ہمیں ان کی طرح آپ کا پیرو ہونے میں شرم آتی ہے (یعنی ہم ان لوگوں کے ساتھ آپ کے پاس نہیں بیٹھ سکتے)۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۶۷ / ۳)

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر یہ مشرکین و منکرین ان واضح بیانات کے بعد بھی اپنے عناد اور ضد سے باز نہ آئیں تو آپ کو ان سے بحث و مباحثہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ تو تبلیغ دین کرتے رہیئے اور ان لوگوں کو خبردار کرتے رہیئے جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی پیشی اور حساب و کتاب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

قیامت کے بارے میں عقیدے کے اعتبار سے تین طرح کے آدمی ہیں:

(۱) جو قیامت کا یقین رکھتے ہیں، (۲) جو قیامت کے بارے میں متردد ہیں، (۳) جو قیامت کے بالکل منکر ہیں۔

تبلیغ و انذار کا کام اگرچہ ان تینوں طبقوں کے لئے عام ہے لیکن پہلے دو طبقوں کے اثر قبول کرنے کی زیادہ توقع ہے، اس لئے اس آیت میں خاص طور پر انہی کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (معارف القرآن ۳۲۹ / ۳)

غریب مومنوں کی صفات

۵۲، ۵۳۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ
حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝

اور ایسے لوگوں کو (اپنے پاس سے) دور مت کیجئے، جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں (اور) اس کی رضا چاہتے ہیں ۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے ذمہ نہیں اور نہ آپ کا حساب ان کے ذمہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو دور کرنے لگیں پس آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور ہم نے اسی طرح ایک کو دوسرے کے ذریعہ آزمایا تاکہ وہ یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا، کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا ۔

تَطْرُدِ: تو نکالے ۔ تو ہانکے ۔ طَرْدٌ سے مضارع

اَلْغَدٰوةِ: صبح کا وقت ۔ صبح، جمع غَدَوَاتٌ

اَلْعَشِيِّ: شام ۔ سورج ڈھلے ۔ زوال کے بعد ۔

فَتَنَّا: ہم نے آزمایا ۔ ہم نے سزا دی ۔ فُتُوْنٌ سے ماضی ۔

مَنَّ: اس نے احسان کیا ۔ اس نے مہربانی کی ۔ مَنٌّ سے ماضی ۔

بَيْنِنَا: ہمارے درمیان ۔

تشریح: اس آیت میں غریب مسلمانوں کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ صبح و شام یعنی دن رات کے تمام اوقات میں اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، حسن نیت اور خلوص کے ساتھ اس کی رضامندی چاہتے ہیں ۔ اس لئے ایسے مخلص عبادت گزاروں کی عزت کیجئے اور ان کو اپنے پاس سے نہ نکالئے کیونکہ نہ تو ان کا حساب آپ کے ذمہ ہے اور نہ آپ کا حساب ان کے ذمے ۔ اگر بالفرض آپ نے ان دولت مندوں کی ہدایت کی طمع میں، ان غریب مخلص مسلمانوں کو اپنے پاس سے نکالا تو یہ بے انصافی ہوگی ۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اسی طرح ایک دوسرے کو آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ قریش کے سرداروں پر یہ واضح ہو جائے کہ جن غریب مسلمانوں کو وہ حقیر و ذلیل سمجھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے سے کس مقام پر پہنچ گئے اور دنیا و آخرت میں ان کو کیسی عزت حاصل ہوئی۔ اور مشرکین یہ کہتے پھریں کہ کیا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے زیادہ مستحق تھے کہ ہم سب اشراف کو چھوڑ کر ان کو نوازا گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزاروں سے بخوبی واقف نہیں؟ (مظہری ۲۶۸ / ۳، معارف القرآن ۳۳۵ / ۳)

مومنوں کو خوشخبری

۵۴، ۵۵۔ وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ○

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ کے پاس ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے لوگ آئیں تو ان سے کہئے کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے مہربانی کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جو شخص نا سمجھی میں گناہ کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔ اور ہم اسی طرح تفصیل کے ساتھ آیتیں بیان کرتے ہیں اور تاکہ گنہگاروں کا طریقہ ظاہر ہو جائے۔

کَتَبَ: اس نے لکھا۔ اس نے فرض کیا۔ اس نے حکم دیا۔ کَتْبٌ و کِتَابَۃٌ سے ماضی۔

سُوْٓءًا: برائی۔ گناہ۔ آفت

نُفَصِّلُ: ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تَفْصِیْلٌ سے مضارع۔

لِتَسْتَبِیْنَ: تاکہ وہ ظاہر ہو جائے۔ تاکہ وہ کھل جائے۔ اِسْتِبَانَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں غریب اور مخلص مسلمانوں کی دل شکنی کا بہترین تدارک اور ان کا

انتہائی اعزاز و اکرام ہے تاکہ ان کا دل بڑھے اور وہ دولت مند متکبرین کے طعن و تشنیع اور تحقیر آمیز رویے سے شکستہ خاطر نہ ہوں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب وہ لوگ، جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں، آپؐ کے پاس آئیں تو آپؐ ان کو السلام علیکم کہہ کر مخاطب فرمائیے۔ یعنی ان کو اللہ جل شانہ کا سلام پہنچائیے۔ اس کے بعد ان مسلمانوں کے لئے مزید احسان و انعام کا وعدہ فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کے رب نے رحمت کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اس لئے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی تقدیر کا فیصلہ فرما دیا تو ایک کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ لکھا:

ان رحمتی غلبت غضبی

میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے

پھر فرمایا کہ جو شخص غلطی سے کوئی گناہ کر بیٹھے اور اس کے بعد وہ توبہ کر لے اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ بہت مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔ وہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو واضح کر کے بیان کرتے ہیں تاکہ سیدھا راستہ بھی واضح ہو جائے اور مجرموں کا راستہ بھی معلوم ہو جائے۔

(معارف القرآن ۳۳۸ / ۳، مظہری ۲۷۲ / ۳)

حاکمِ مطلق

۵۶، ۵۷۔ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ○ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھے ان چیزوں کی

عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا (اگر میں ایسا کروں) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ اور ہدایت پانے والوں میں نہ رہوں گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے پروردگار کی ایک روشن دلیل پر ہوں، حالانکہ تم اس کو جھٹلا چکے ہو۔ جس (عذاب) کی تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ وہی حق بیان فرماتا ہے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

نُهِيْتُ: مجھے منع کیا گیا۔ نَھْیٌ سے ماضی مجہول۔

اَهْوَآءَكُمْ: تمہاری خواہشیں، تمہارے خیالات۔ واحد ھَوًی۔

يَقُصُّ: وہ بیان کرتا ہے۔ وہ سناتا ہے۔ قَصَصٌ سے مضارع۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ آپ کو بت پرستی کی دعوت دیتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے ان معبودوں کی پرستش سے منع کر دیا ہے جن کو تم معبود قرار دے کر پوجتے ہو۔ حالانکہ تم خود بھی اس کا اعتراف کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کمتر ہیں اور جو کمتر ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور نہ وہ عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ خدا تو وہ ہے جو سب سے بالا و برتر ہے۔ پس تم جن خیالات پر چل رہے ہو ان کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی ثبوت۔ اس لئے میں تمہاری خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے بتوں کی پرستش نہیں کروں گا اگر میں تمہاری خواہشات پر چلا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ حالانکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے کر بھیجا ہے۔ اس لئے میں ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اختیار نہیں کر سکتا۔

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو میرے رب کی طرف سے اس کی معرفت کی دلیل اور اس بات کا علم ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور تم میرے رب کی تکذیب کرتے ہو اور دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو۔ تم جس عذاب کی جلدی کر رہے ہو اس کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تم پر عذاب نازل کر دے گا جیسا کہ وہ پہلی امتوں پر نازل کر چکا ہے۔ عذاب میں تعجیل یا تاخیر یا قیامت کو لانے سے متعلق حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ تم پر جلد عذاب لانا چاہے تو فوراً ہی آجائے اور اگر وہ اپنی حکمت و مصلحت سے تمہیں مہلت دینا چاہے تو وہ اس پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ حق کا طریقہ اختیار فرماتا ہے اور وہ احکام و قضایا کے فیصلے کرنے اور بندوں کے درمیان کوئی حکم نافذ کرنے میں حق پر

ہوتا ہے۔ (ابن کثیر ۱۳۶ ۔ ۱۳۷ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۷۴ / ۲)

کمالِ علم و قدرت

۵۹۔۶۰ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور اسی کے پاس غیب (کے خزانوں) کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کو خشکی اور دریاؤں کی سب چیزیں معلوم ہیں اور کوئی پتہ ایسا نہیں جھڑتا جس کو وہ نہ جانتا ہو اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں ایسا نہیں اور کوئی ایسی تر اور خشک چیز ہے جو کتاب مبین (لوح محفوظ) میں نہ ہو اور وہی تو ہے جو رات کو تمہیں موت دیتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کر چکے۔ پھر وہ تمہیں دن میں اٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ مقررہ میعاد پوری ہو جائے۔ پھر تمہیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں سب کچھ بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

مَفَاتِحُ: یہ جمع ہے اس کا مفرد مَفْتَحٌ میم کے زبر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی خزانے کے ہیں اور مِفْتَحٌ میم کی زیر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی کنجی کے ہیں۔ لفظ مفاتح میں دونوں معنی کی گنجائش ہے۔ اس لئے بعض نے اس کا ترجمہ خزانوں سے کیا ہے اور بعض نے کنجیوں سے اور دونوں کا حاصل ایک ہی ہے، کیونکہ کنجیوں کا مالک ہونے سے بھی خزانوں کا مالک ہونا مراد ہوتا ہے

(معارف القرآن ۳۴۴ / ۳)

اَلْغَيْبِ : غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئیں ۔ جیسے قیامت کے احوال ۔ بارش ہونا یا نہ ہونا اور کب ہونا ۔ یا وجود میں تو آچکی ہیں مگر اللہ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا ۔ (مظہری ۲۷۳ / ۳)

تَسْقُطُ : وہ گرتی ہے ۔ وہ جھڑتی ہے ۔ سُقُوْطٌ سے مضارع ۔

وَرَقَةٍ : کوئی ایک پتہ ۔ اس میں تا وحدت کے لئے ہے ۔

حَبَّةٍ : دانہ ۔

رَطْبٍ : تازہ ۔ تر ۔ ہرا ۔ رُطُوْبَةٌ سے صفت مشبہ

يَابِسٍ : خشک ۔ سوکھا ہوا ۔ يُبْسٌ سے اسم فاعل ۔

جَرَحْتُمْ : تم نے زخمی کیا ۔ تم نے کمایا ۔ جُرْحٌ سے ماضی ۔

اَجَلٌ : وقت ۔ موت

مُسَمًّى : معین ۔ مقرر کیا ہوا ۔ نام رکھا ہوا ۔ تَسْمِيَةٌ سے اسم مفعول ۔

يُنَبِّئُكُمْ : وہ تمہیں بتائے گا ۔ وہ تمہیں آگاہ کرے گا ۔ تَنْبِئَةٌ سے مضارع ۔

تشریح : تمام دنیا کے مذاہب میں اسلام کا طغرائے امتیاز اور اس کا رکن اعظم عقیدہ توحید ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو واحد و یکتا جاننے کا نام توحید نہیں بلکہ اس کو تمام صفاتِ کمال میں یکتا و بے مثل ماننے اور اس کے سوا کسی مخلوق کو ان صفاتِ کمال میں اس کا شریک نہ سمجھنے کو توحید کہتے ہیں ۔

علم ، قدرت ، سمع ، بصر ، ارادہ ، مشیت ، خلق ، رزق وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال ہیں وہ ان سب صفات میں ایسا کامل ہے کہ اس کے سوا کوئی مخلوق کسی صفت میں اس کے برابر نہیں ہو سکتی ۔ پھر ان صفات میں بھی دو صفتیں سب سے زیادہ ممتاز ہیں ۔ ایک علم دوسرے قدرت اس کا علم بھی تمام موجود و غیر موجود ، ظاہر و مخفی ، بڑے اور چھوٹے ، ہر ذرہ پر حاوی و محیط ہے اور اس کی قدرت بھی ان سب پر پوری پوری محیط ہے ۔

مذکورہ آیتوں میں انہی دو صفتوں کا بیان ہے ۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفتوں پر مکمل یقین اور اس کے استحضار کی کیفیت پیدا کر لے تو اس سے کوئی جرم و گناہ سرزد نہیں ہو سکتا ۔

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ غیب کے خزانوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے

اور ان کو وجود و ظہور میں لانا بھی اسی کی قدرت میں ہے کہ کب کب اور کتنا کتنا وجود میں آئے گا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ

اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں مگر ہم ہر چیز کو ایک خاص انداز سے نازل کرتے ہیں۔ (الحجر آیت ۲۱)

پھر فرمایا کہ غیب کے ان خزانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہی غیب کی تمام چیزوں پر علم محیط کے ساتھ مطلع اور ان سب پر قدرتِ کاملہ کے ساتھ قادر ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے خواہ وہ خشکی میں ہے یا دریا میں اور کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اس کو علم نہ ہو۔ اسی طرح جو دانہ زمین کے تاریک حصہ میں چھپا ہوا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے اور ہر بحر و بر میں کل کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ ہے کہ انسان کے جینے، مرنے اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا ایک نمونہ ہر روز اس کے سامنے آتا رہتا ہے۔ یعنی وہ ہر رات کو تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور پھر صبح کو جگا کر اٹھا دیتا ہے تاکہ تمہاری مقررہ عمر پوری کر دے اور پھر دن بھر جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اس کے علم میں ہے۔ پھر تم سب لوٹ کر اسی کی طرف جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں تمہارا ہر ہر عمل بتادے گا اور تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ (معارف القرآن ۳۴۴۔۳۵۱ / ۳)

فرشتوں کا روح قبض کرنا

۶۱، ۶۲ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ○ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ○

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی

طرف لوٹایا جائے گا جو ان سب کا حقیقی مالک ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! بس اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اَلْقَاہِرُ: غالب ہونے والا۔ زبردست۔ قَہْرٌ سے اسم فاعل۔

فَوْقَ: اوپر۔ اونچا۔ ظرف مکان ہے۔

حَفَظَۃً: حفاظت کرنے والا۔ نگہبان۔ واحد حَافِظٌ۔

یُفَرِّطُوْنَ: وہ کوتاہی کرتے ہیں۔ وہ زیادتی کرتے ہیں۔ تَفْرِیْطٌ سے مضارع۔

اَسْرَعُ: بہت جلدی کرنے والا۔ سُرْعَۃٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر شئے اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اس نے انسان پر فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے جو زندگی بھر اس کے اعمال لکھتے ہیں، ہر وقت اس کی حفاظت و نگہبانی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ۔ (الانفطار آیت ۱۰)

بیشک تم پر محافظ و نگہبان مقرر ہیں۔

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ۔

جب وہ دو لینے والے لے لیتے ہیں۔ ایک دائیں طرف بیٹھا ہے اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہے۔ (ق۔ آیت۔ ۱۶)

جب تم میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ کئی فرشتے ملک الموت کے مددگار ہیں، جو جسم سے روح کھینچتے ہیں۔ جب وہ روح حلق تک آپہنچتی ہے تو ملک الموت قبض کر لیتا ہے۔ اور وہ وفات پانے والے کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ پھر اس روح کو وہ فرشتے وہاں پہنچا دیتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اگر وہ نیک ہے تو علیین میں جگہ دی جاتی ہے اور اگر وہ فاجر و گنہگار ہے تو سجین میں جگہ دی جاتی ہے۔

کلبیؒ کا بیان ہے کہ ملک الموت روح کو قبض کر کے رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے (جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں) پھر سب روحوں کو ان کے مالکِ حقیقی کے پاس لایا جائے گا۔ آگاہ ہو جاؤ! اس دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہو گا، کسی اور کا نہیں اور وہ بہت تیزی سے حساب لے گا۔ (ابن کثیر ۱۳۸ / ۲، مظہری ۲۷۵، ۲۷۹ / ۳)

توحید کی ایک اور دلیل

۶۴،۶۳۔ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ
تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝
قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں خشکی (جنگل) اور دریا کی تاریکیوں سے بچا کر لاتا ہے۔ جس کو تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں اس سے بچا دیا تو ہم ضرور احسان مانیں گے۔ (سو ان سے) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس سختی اور ہر بے چینی سے نجات دیتا ہے۔ پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔

يُنَجِّيْكُمْ: وہ تم کو نجات دیتا ہے۔ وہ تم کو بچاتا ہے۔ تَنْجِيَةٌ سے مضارع۔

تَدْعُوْنَهٗ: تم اس کو پکارتے ہو۔ تم اس کو بلاتے ہو۔ دُعَاءٌ سے مضارع۔

تَضَرُّعًا: تضرع کرنا۔ عاجزی کرنا۔ گڑگڑانا۔ مصدر ہے۔

كَرْبٍ: کرب۔ سختی۔ غم۔ جمع کُرُوْبٌ۔

تشریح: عرب مشرکین جنگلوں اور سمندروں میں تجارت کے لئے سفر کیا کرتے تھے۔ پھر جب وہ جنگل کی ہولناک تاریکیوں میں جو رات کے وقت یا ابر اور گھنے درختوں کی وجہ سے بڑھ جاتی تھیں، راستہ بھول جاتے یا کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے یا سمندر میں رات یا ابر کی تاریکی میں جب طوفان آجاتا اور طوفان کی موجیں اور بادل کی کڑک ہر طرف سے گھیر لیتی اور یہ لوگ گویا موت کے دروازے پر پہنچ جاتے تو اس وقت یہ نہایت گریہ و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور دعا کرتے کہ اگر اب اس مصیبت سے بچا دیا تو ہمیشہ شکر گزار رہیں گے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ان کی یہی حالت یاد دلا کر فرمایا کہ ہر مصیبت و بے قراری کے وقت تمہارے بت کسی کام نہیں آتے۔ میں ہی تمہیں مصیبت و غم سے نجات دیتا ہوں۔ پھر نجات پانے کے بعد تم اپنے وعدے پر قائم نہیں رہتے بلکہ اپنے کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتے ہو۔

(حقانی ۲/۳۳۶)

مسلمانوں کو مشرکین کے اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ مصیبت کے وقت

وہ بھی خدا ہی کو یاد کرتے تھے ۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ تمام مصائب اور تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے مادی سامان اور تدبیروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، ورنہ انجام وہی ہو گا جو روز مشاہدے میں آتا رہتا ہے کہ ہر تدبیر مجموعی حیثیت سے الٹی پڑتی ہے ۔

(معارف القرآن ۳۵۶ / ۳)

ابتلا میں ڈالنے کی قدرت

۶۵۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۚ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ○

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا تم میں نااتفاقی ڈال دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے ۔ دیکھو ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں ۔

يَلْبِسَكُمْ: وہ تم کو ملا دے گا۔ وہ تم کو مشتبہ کر دے گا۔ لَبْسٌ سے مضارع ۔

شِيَعًا: فرقے ۔ گروہ ۔ مددگار ۔ واحد شِيْعَةٌ

بَاْسَ: قتال ۔ لڑائی ۔ جنگ ۔ آفت ۔

نُصَرِّفُ: ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں ۔ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ۔ تَصْرِيْفٌ سے مضارع ۔

تشریح: جس طرح اللہ تعالیٰ مصیبت سے نجات دے سکتا ہے اسی طرح وہ دوبارہ بھی اس مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہے ۔ وہ اس پر قادر ہے کہ آسمان سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے پتھر برسانا، ہوا یا بارش کا طوفان بھیجنا یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے زلزلہ، زمین کے اندر دھنسانا یا پانی میں غرق کر دینا یا تمہیں کسی داخلی عذاب میں مبتلا کر دے کہ تم گروہوں میں تقسیم ہو کر آپس میں لڑنے لگو ۔

حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے **عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ** پر فرمایا **اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ** اور **تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ** پر بھی فرمایا **اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ** یعنی اے خدا تیری پناہ اور جب **اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا** سنا تو فرمایا یہ نسبتاً سہل ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے اور مسجد معاویہ میں آئے۔ وہاں آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ دیر تک اللہ تعالیٰ سے مناجات میں مصروف رہے پھر فرمانے لگے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی درخواست کی تھی کہ میری امت فرعونیوں کی طرح غرق ہو کر تباہ نہ ہو، اور قحط سے ہلاک نہ ہو اور ان کے گروہوں کے اندر جنگ برپا نہ ہو تو پہلی دو باتیں تو منظور کر لی گئیں اور تیسری بات نامنظور کی گئی۔ (ابن کثیر ۱۳۹، ۲/۱۴۰)

مکذبین سے کنارہ کشی کی تلقین

۶۶، ۶۷۔ **وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝**

اور آپ کی قوم تو اس (قرآن) کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ برحق ہے۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

ربط : گزشتہ آیات میں مشرکین و منکرین کی تنبیہ و تہدید کے لئے عذابِ خداوندی کے نزول کے سلسلہ میں فرمایا کہ پہلے ہم مجرموں کو تنبیہ کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ سرکشی سے باز نہ آئیں تو ان کو ڈھیل دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ نافرمانی میں بے باک ہو جاتے ہیں تو ان کو یکایک عذاب میں پکڑ کر تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قریش کے متکبر سرداروں کا ذکر تھا جنہوں نے آپ سے کہا کہ ہمارا دل آپ کے پاس بیٹھنے کو چاہتا ہے تاکہ ہم آپ کی باتیں سنیں۔ آپ کے پاس رذیل لوگ بیٹھتے ہیں اور ہم قریش کے سردار ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ بیٹھنے میں عار سمجھتے ہیں۔ لہذا جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو ان کو مجلس سے اٹھا دیا کریں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بت پرستی کی مذمت اور اپنی قدرتِ کاملہ اور تصرفِ کامل کو بیان فرمایا ہے۔

تشریح: خوف و عذاب کی باتوں کو سن کر ان کی تصدیق اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے مشرکین مکہ ان کی تکذیب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب آنے کا وعدہ لیتے تھے کہ اگر فلاں روز عذاب آیا تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان حق باتوں کو آپ کی قوم نے جھٹلا دیا حالانکہ یہی حق ہے۔ خواہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ ان کو ہدایت پر لانا آپ کے ذمہ نہیں۔ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میرا کام تو صرف تبلیغ دین کرنا ہے اور تمہارا کام سننا اور اطاعت کرنا ہے، جو میری اطاعت کرے گا وہ دین و دنیا میں سرخ رو رہے گا اور جو میری مخالفت کرے گا وہ دونوں جگہ بد بخت رہے گا۔ رہا ان کے کہنے پر عذاب یا قیامت کا آنا تو ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ کسی کی جلدی اور نادانی سے اللہ تعالیٰ آسمان سے پتھر برسا کر یا آندھی یا زلزلے کے ذریعہ کسی کی نسل قطع نہیں کرتا۔ (حقانی ۳۳۷/ ۲، ابن کثیر ۱۴۳، ۱۴۴ / ۲)

دین کا تمسخر کرنے والوں سے کنارہ کشی

۶۸، ۶۹۔ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں بحث کرتے ہیں تو ان سے اعراض کر لیجئے یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر کبھی شیطان آپ کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالموں کے ساتھ مت بیٹھئے اور پرہیز گاروں پر ان ظالموں کی ذرا بھی جواب دہی نہیں۔ البتہ ان کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے کہ شاید وہ بھی پرہیز گاری اختیار کریں۔

يَخُوْضُوْنَ: وہ بحث کرتے ہیں۔ وہ عیب جوئی کرتے ہیں۔ خَوْضٌ سے مضارع۔

تَقْعُدُ: تو بیٹھے گا۔ قُعُوْدٌ سے مضارع۔

تشریح: مشرکین مکہ، تکذیب کے علاوہ قرآن مجید اور ارکان اسلام کے ساتھ تمسخر بھی کرتے تھے۔ جس سے ان مسلمانوں کو جو ان کی مجلس میں ہوتے تھے بہت رنج و تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کفار و مشرکین ہماری آیتوں کے ساتھ استہزا اور تمسخر کرنے لگیں تو تم وہاں نہ بیٹھو بلکہ وہاں سے اٹھ جایا کرو یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں لگ جائیں، ورنہ تم بھی استہزاء کرنے والوں میں گنے جاؤ گے اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے اور تم بھولے سے بیٹھ جاؤ تو یاد آجانے پر وہاں سے اٹھ جایا کرو۔ پھر فرمایا کہ ان کفار کا حساب پرہیزگاروں یعنی اہل اسلام کے ذمہ نہیں۔ جو گناہ کرے گا وہی اس کی سزا پائے گا۔ یہ لوگ اپنے برے اعمال کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ اہل اسلام ان کی بد اعمالیوں کے ذمہ دار نہیں۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو ان کو نصیحت کر دینی چاہیئے تاکہ وہ بھی کفر و بت پرستی چھوڑ کر پرہیزگاری اختیار کر لیں۔

(حقانی ۳۳۷، ۳۳۸ / ۲)

منکرین سے کنارہ کشی کی تلقین

۷۰۔ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ؀

آپ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیئے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعہ ان کو نصیحت کرتے رہئے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا نہ کوئی حمایتی ہو اور نہ سفارش کرنے والا اور یہ کیفیت ہو کہ اگر وہ دنیا کے برابر بھی معاوضہ دے تب بھی اس سے قبول نہ کیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے سبب پھنس گئے ہیں ان کے لئے نہایت گرم پانی ہے اور

ان کے کفر کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

وَذَرِ: اور تو چھوڑ دے اور تو کنارہ کش رہ۔ وَذْرٌ سے امر۔

غَرَّتْهُمْ: اس (دنیوی زندگی) نے انہیں فریب دیا۔ غُرُوْرٌ سے ماضی۔

تُبْسَلَ: وہ عذاب میں مبتلا کی جائے۔ وہ پھنس جائے۔ اِبْسَالٌ سے مضارع مجہول۔

حَمِيْم: کھولتا ہوا پانی۔ نہایت گرم پانی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے کنارہ کشی کی تلقین فرمائی ہے جنہوں نے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ دنیا کی اس تھوڑی سی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ آخرت سے غافل ہیں۔ اگر آخرت پر ان کا ایمان و یقین ہوتا تو یہ بد اعمالیوں میں ہرگز مبتلا نہ ہوتے۔ آپ ان کو قرآن مجید کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہیئے۔

قیامت کے روز ایسے مکذبین کو نہ کوئی حمایتی ملے گا جو ان کی مدد کرے اور ان کو زبردستی عذاب الٰہی سے بچا لے اور نہ ان کے لئے کوئی سفارش کرنے والا ہوگا اور نہ ان کی طرف سے کسی قسم کا فدیہ اور معاوضہ قبول کیا جائے گا۔ اگر بالفرض کوئی مجرم دنیا بھر کا معاوضہ دے کر بھی چھوٹنا چاہیئے گا تو نہ چھوٹ سکے گا۔ اپنے کفر و عناد اور دین کو کھیل تماشا بنانے کے سبب قیامت کے روز، یہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ان کو پینے کے لئے سخت کھولتا ہوا پانی ملے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ (حقانی ۲/۳۳۸، ابن کثیر ۲/۱۴۴)

حقیقی ہدایت

۷۱، ۷۳۔ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى
اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى
الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ
اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ
وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○
وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ

فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے پوچھئے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کریں جو نہ ہمیں نفع دے سکے اور نہ ضرر اور کیا ہم اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کر دی ہو، اس شخص کی طرح الٹے پاؤں لوٹ جائیں جس کو شیطانوں نے جنگل میں بھلا کر حیران کر دیا ہو۔ اس کے ساتھی اس کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہماری طرف چلا آ۔ آپ کہہ دیجئے کہ بیشک سیدھی راہ تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے اور ہمیں پروردگار عالم کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اس سے ڈرتے رہو اور تم سب اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو ہر چیز ہو جائے گی۔ اسی کی بات سچی ہے اور اس دن اسی کی بادشاہت ہو گی جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ پوشیدہ اور ظاہری چیزوں کا جاننے والا ہے اور وہی حکمت والا (اور) پوری خبر رکھنے والا ہے۔

اَعْقَابِنَا: ہماری ایڑیاں

اسْتَهْوَتْهُ: اس نے اس کو بھٹکایا۔ اس نے اس کو راستہ بھلا دیا۔ اِسْتِهْوَاءٌ سے ماضی۔

حَيْرَانَ: حیران۔ پریشان۔ سرگرداں۔ متردد۔ حَيْرَةٌ سے صفت مشبہ۔

يُنْفَخُ: اس میں پھونک ماری جائے گی۔ نَفْخٌ سے مضارع مجہول۔

الصُّوْرِ: صور۔ سینگ۔

تشریح: مشرکین مکہ نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو چھوڑ دو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو دین اسلام کا مضحکہ اڑاتے ہیں کہ تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ تم نے ایسی چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے جو نہ تمہیں کسی قسم کا نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ کیا ہم بھی تمہارے کہنے سے ان بتوں کو پوجنے لگیں جو محض عاجز و لاچار ہیں اور وہ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں کفر و گمراہی سے نکال کر سیدھے راستے پر چلایا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے

ہو کہ ہم سیدھا راستہ چھوڑ کر پہلے والی گمراہی پر لوٹ جائیں اور کفر اختیار کر لیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر معاذ اللہ ایسا ہو بھی جائے کہ ہم توحید کی سیدھی اور صاف راہ چھوڑ کر کفر و شرک کی راہ اختیار کر لیں اور اس شخص کی مانند ہو جائیں جس کو شیطان نے جنگل میں لے جا کر سراسیمہ اور حیران و پریشان کر کے ڈال دیا ہو اور وہ منزل سے بے خبر بھٹکتا پھرتا ہو جبکہ اس کے کچھ ساتھی راہ راست پر ہوں اور وہ اس کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہوں۔ اگر وہ شیطانوں کا کہا مان لے گا تو اس کو کبھی سیدھا راستہ نہ ملے گا۔ اگر اس نے اپنے ساتھیوں کا کہا مان لیا تو وہ اس مہلک بیابان سے نجات پا کر راہ راست پر آجائے گا اور آخر کار منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ان کافروں کی مثال بیان کی ہے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں اور مسلمان ان کو راہ راست کی طرف بلاتے ہیں۔

آپ کہہ دیجئے کہ حقیقی ہدایت شرک و بت پرستی میں نہیں بلکہ وہ تو صرف اسلام میں ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم پوری طرح اللہ کے مطیع و فرماں بردار ہو جائیں، نماز کی پابندی کریں اور اللہ تعالیٰ ہی سے ڈریں اور اسی کے پاس سب لوگ جمع کئے جائیں گے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ اظہار حق کے لئے پیدا کیا۔ جس دن وہ کسی مردہ مخلوق سے فرمائے گا کہ اٹھ کھڑی ہو، وہ سب فوراً کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کا قول برحق ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا، اس دن صرف اسی کی سلطنت و بادشاہت ہو گی۔ اس دن دنیا کے بادشاہوں کا عجز ظاہر ہو جائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقی بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ وہ ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے ہر موجود اللہ کے سامنے ہے۔ کائنات کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں وہی حکمت والا اور خبردار ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ پس جس ذات کی یہ شان ہو وہی عبادت و بندگی کے لائق ہے، اس کو چھوڑ کر شرک و بت پرستی کی راہ کیسے اختیار کی جا سکتی ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۰۔ ۴۸۲ / ۲، مظہری ۲۸۳۔ ۲۸۶ / ۳)

حضرت ابراہیم ؑ کا مناظرہ

۷۴۔ ۷۹۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ

اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیۡۤ اَرٰىكَ وَقَوۡمَكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ○ وَكَذٰلِكَ نُرِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ
مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلِیَكُوۡنَ مِنَ الۡمُوۡقِنِیۡنَ ○
فَلَمَّا جَنَّ عَلَیۡهِ الَّیۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ
لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ ۚ
فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ یَهۡدِنِیۡ رَبِّیۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ
الضَّآلِّیۡنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ ۚ
فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ○ اِنِّیۡ
وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا
وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ○

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے (یہ) کہا کہ کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو؟ میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں، اور اسی طرح ہم (حضرت) ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھانے لگے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ پھر جب اس (حضرت ابراہیمؑ) پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارے کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ میں غائب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہیں کرے گا تو میں ضرور گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر جب انہوں نے سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو۔ میں نے تو یک طرفہ ہو کر اپنا رخ اسی کی جانب کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اَصۡنَامًا: بت مورت۔ واحد صَنَمٌ۔

مَلَكُوْتَ: اختیار کامل ۔ حقیقی حکومت ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے لئے مخصوص ہے ۔

جَنَّ: وہ چھا گئی ۔ اس نے ڈھانپ لیا ۔ جَنٌّ سے ماضی ۔

کَوْکَبًا: ستارہ ۔ جمع کَوَاکِبُ ۔

اَفَلَ: وہ غائب ہو گیا ۔ وہ چھپ گیا ۔ اُفُوْلٌ سے ماضی ۔

بَازِغًا: روشن ۔ چمکتا ہوا ۔ بُزُوْغٌ سے اسم فاعل ۔

ربط: پہلے مسلمانوں کو کافروں کی ایسی مجلسوں سے کنارہ کشی کا حکم دیا گیا جہاں اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہو ۔ پھر ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی بھی ممانعت کر دی گئی کیونکہ غیرت ایمانی کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے لوگوں کو بالکل چھوڑ دیا جائے ۔ پھر ان کے تمسخر کا جواب دیا گیا کہ جو لوگ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں ان کو اتنی بھی عقل نہیں کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو معبود بناتے ہیں جو کسی قسم کے نفع و ضرر کے مالک نہیں ۔ ان آیتوں میں باطل معبودوں کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ کا بیان ہے ۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکین و اہل کتاب سب کے نزدیک مسلمہ بزرگ تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اثبات توحید اور ابطال شرک کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ، ان کی قوم کے ساتھ ہونے والے مناظرے اور مکالمے ذکر فرمائے ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانے کے بادشاہ نمرود کے ساتھ ان کا مناظرہ تیسرے پارے کے شروع میں بیان فرمایا ہے جس کی تفسیر سورۂ بقرہ کے رکوع ۳۵ میں گزر چکی ہے ۔ ایک مناظرہ کا بیان ان آیات ۷۴ تا ۸۲ میں ہے ۔ تیسرا مناظرہ سورۂ انبیاء میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑ کر پھاؤلہ بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دیا ۔ چوتھا مکالمہ ان کے باپ آزر کے ساتھ ہوا جس کا ذکر سورۂ مریم میں ہے ۔

اس مناظرہ اور مکالے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو ایسے بتوں کو اپنا معبود بناتا ہے جن کو تم نے بسولہ سے تراش کر بنایا ہے ۔ بلاشبہ میں تو تجھے اور تیرے ہم مذہب لوگوں کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورت کو خدا بنا لیا ہے ۔ کیا کوئی بندہ بھی خدا کو تخلیق کر سکتا ہے ۔

جس طرح ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو بت پرستی کی گمراہی اور جہالت و حماقت دکھائی اسی طرح ہم نے ان کو آسمانوں اور زمین میں قائم اپنی سلطنت و حکومت کا مشاہدہ بھی کرایا۔ یعنی ساتوں آسمانوں اور زمین ان کی نظروں کے سامنے کردئے گئے اور چاند و سورج، ستاروں اور درختوں، پہاڑوں اور سمندروں کے عجائبات ان پر منکشف کردئے یہاں تک کہ عرش سے لے کر فرش تک تمام اشیاء کے حقائق ان کو دکھائے دئے تاکہ وہ مخلوقات ارضی و سماوی کی عاجزی و لاچارگی، ان کی ذلت و خاکساری اور ان کے امکان و حدوث کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں اور اس سے وجود باری تعالیٰ پر استدلال کریں اور ہماری خالقیت و وحدانیت پر کامل یقین کرنے والوں میں سے ہوجائیں۔

کافر، بتوں اور ستاروں کی پوجا اور تعظیم کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام کام انہی کے ہاتھوں میں ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو اس گمراہی پر متنبہ کرنا چاہا، اس لئے جب رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارے کو چمکتے ہوئے دیکھ کر اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کیا تمہارے خیال کے مطابق یہ ستارہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ پس ذرا انتظار کرو، تھوڑی دیر میں تم پر اس کی ربوبیت کی حقیقت کھل جائے گی۔ پھر جب وہ ستارہ چھپ گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ جو ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہوجائے اور جو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر ہوجائے میں تو اس کو دوست بھی نہیں رکھتا چہ جائے کہ میں اس کو خدا مانوں، کیونکہ تغیر تو حادث ہونے کی نشانی ہے اور قدیم حادث نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حادث قابل عبادت نہیں۔

پھر جب اسی شب یا کسی دوسری شب میں حضرت ابراہیمؑ نے چاند کو طلوع کی ابتداء میں چمکتے ہوئے دیکھا تو پہلے کی طرح کہا کہ کیا تمہارے گمان کے مطابق یہی میرا اور ساری قوم کا رب ہے۔ اچھا تھوڑی دیر اس کا بھی انتظار کرو۔ اس کی حقیقت و کیفیت بھی تم پر واضح ہوجائے گی۔ پھر جب وہ بھی غائب ہوگیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ یہ محض میرے خدا کا فضل ہی ہے کہ میں اپنی قوم سے مختلف عقائد رکھتا ہوں اور خالص توحید پر ہوں۔ اگر اس کی ہدایت و توفیق نہ ہوتی تو میں بھی ان گمراہوں کی طرح ستاروں کی الوہیت کا قائل ہوتا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے طلوع آفتاب کا انتظار کیا پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا یہی میرا اور تمہارا رب ہے کیونکہ یہ تمام ستاروں سے بڑا ہے۔ پھر

جب وہ بھی غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میری قوم والو! تم جن چیزوں کو معبود برحق کی عبادت میں شریک بناتے ہو میں ان سب سے بیزار ہوں۔ بلاشبہ ستارے اور چاند و سورج اجرام علوی ہیں، بڑے بڑے اور روشن ہیں مگر یہ الوہیت کے قابل نہیں کیونکہ یہ خود بھی حادث ہیں، ان کے احوال بھی حادث ہیں اور یہ پیدا کرنے والے کے محتاج ہیں۔ میں تو سب کو چھوڑ کر اسی ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

قوم کا حضرت ابراہیمؑ سے جھگڑنا

۸۰،۸۲۔ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

اور (جب) ان کی قوم کے لوگ ان سے جھگڑنے لگے تو انہوں نے کہا کہ کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو اور وہ تو مجھے راہ راست دکھا چکا ہے۔ اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک مانتے ہو۔ سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ (تکلیف دینا) چاہے۔ میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے، کیا تم نہیں سمجھتے اور میں ان چیزوں سے کیوں ڈروں جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا لیا ہے۔ حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کر رکھا ہے جن کے لئے اس نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ پھر دونوں فریقوں میں سے کون اس کا زیادہ مستحق ہے۔ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے

ایمان کو ظلم (یعنی شرک) کے ساتھ نہیں ملاتے، انہی کے لئے امن و دلجمعی ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔

حَآجَّهٗ: اس نے اس سے حجت کی۔ اس نے اس سے جھگڑا کیا۔ مُحَاجّۃٌ سے ماضی۔

سُلْطٰناً: اقتدار۔ قوت۔ غلبہ۔ دلیل۔

یَلْبِسُوا: وہ ملاتے ہیں۔ وہ خلط ملط کرتے ہیں۔ لَبْسٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے ان سے توحید اور شرک کی نفی کے بارے میں جھگڑنا شروع کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے حق و استدلال کا راستہ دکھایا ہے کہ اس کے سوا ہر چیز فانی اور ناقص ہے اور خدائی کے لئے کمال مطلق اور بقا اور دوام ضروری ہے۔ جن چیزوں کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا۔ یہ مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے ہاں اگر میرا رب ہی مجھے تکلیف میں مبتلا کرنا چاہے تو وہ مجھے کسی بھی ذریعہ سے تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ وہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گی نہ کہ ان بتوں کی طرف سے اور میرا رب علم کے لحاظ سے ہر شئے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کوئی شئے اس کے علم سے باہر نہیں۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک ہستی تو اللہ تعالیٰ کی ہے جو مکمل طور پر بااقتدار و اختیار اور قہار ہے اور دوسری مخلوق وہ ہے جو پوری طرح عاجز و لاچار ہے جیسے بت۔

پس تم نے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے میں ان سے کیوں ڈروں۔ وہ تو پتھر ہیں، نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تم اپنے اس جرم عظیم سے کیوں نہیں ڈرتے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہو جن کو شریک ٹھہرانے کی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ نہ عقلی نہ نقلی۔ پس اب تم ہی بتاؤ کہ موحدین اور مشرکین میں سے قیامت کے روز کون سا فریق دنیا و آخرت کے عذاب و شدائد سے محفوظ رہنے کا زیادہ مستحق ہے۔ پس اگر تم جانتے اور سمجھتے ہو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرو، اس کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم یعنی شرک سے آلودہ نہیں کیا تو قیامت کے روز ایسے ہی لوگ عذاب الٰہی سے محفوظ ہیں اور وہی حق کا راستہ پانے والے ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۶ - ۴۹۳ / ۲، مظہری ۲۸۶ - ۲۹۵ / ۳)

انعامِ خداوندی

۸۳۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے (حضرت) ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک آپ کا رب حکمت والا (اور) خبردار ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے ساتھ مناظرے میں ان کو لاجواب کر کے جو کھلی فتح پائی وہ ہمارا ہی انعام تھا۔ ہم ہی نے ان کو صحیح نظریہ اور اس کے واضح دلائل بتائے۔ کسی کو اپنی عقل و فہم یا زورِ خطابت پر ناز نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت کے بغیر کسی کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہی جس کے چاہتا ہے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو پورے عالم میں اور قیامت تک آنے والی نسلوں میں خاص عزت و مقام عطا ہوا ہے اور یہود و نصاریٰ اور مسلمان وغیرہ سب کے سب ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و انعام ہے۔ کسی کے کسب و اکتساب کا اس میں دخل نہیں۔ (معارف القرآن ۳۸۷ / ۳)

اٹھارہ انبیاء کے نام

۸۴، ۸۸۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا
مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ
وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝
وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي
الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ
وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ

هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور ہم نے اس (ابراہیمؑ) کو اسحٰقؑ و یعقوبؑ عطا فرمائے۔ ہم نے سب کو ہدایت دی اور سب سے پہلے ہم نے (حضرت) نوحؑ کو ہدایت دی تھی۔ اور اس کی نسل میں (حضرت) داؤدؑ اور (حضرت) سلیمانؑ اور (حضرت) ایوبؑ اور (حضرت) یوسفؑ اور (حضرت) موسیٰؑ اور (حضرت) ہارونؑ کو بھی (ہدایت دی) اور ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اور (حضرت) ذکریاؑ اور (حضرت) یحیٰؑ اور (حضرت) عیسیٰؑ اور (حضرت) الیاسؑ کو بھی (ہدایت دی) یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور (حضرت) اسمٰعیلؑ اور (حضرت) الیسعؑ اور (حضرت) یونسؑ اور (حضرت) لوطؑ کو بھی (ہدایت دی) اور ہم نے ہر ایک کو تمام اہل جہاں پر فضیلت دی اور ان کے آباء و اجداد میں سے ان کی اولاد میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے بھی، ہم نے بعض کو برگزیدہ کیا اور ان کو سیدھا راستہ دکھایا۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس پر چلاتا ہے اور اگر وہ لوگ بھی شرک کرتے تو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب ضائع ہو جاتا۔

وَهَبْنَا: ہم نے بخشا۔ وَهْبٌ و هِبَةٌ سے ماضی۔

اِجْتَبَيْنٰهُمْ: ہم نے ان کو چن لیا۔ ہم نے ان کو پسند کر لیا۔ اِجْتِبَاءٌ سے ماضی۔

لَحَبِطَ: البتہ وہ غارت ہو گیا البتہ وہ ضائع ہو گیا۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام سمیت ۱۸ انبیاء علیہم السلام کے نام مذکور ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدا پرستی اور اتباع توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی پر موقوف نہیں۔ ان سے پہلے ان کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام بھی موحد و مخلص تھے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کی نسل ہی میں سے یہ لوگ بھی موحد تھے، مشرک نہ تھے۔ اور ان کی بزرگی عرب و دیگر بلاد میں مشہور ہے۔ جن انبیاء کا یہاں ذکر ہے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت ابراہیمؑ (۲) حضرت اسحٰقؑ (۳) حضرت یعقوبؑ (۴) حضرت نوحؑ

(۵) حضرت داؤدؑ (۶) حضرت سلیمانؑ (۷) حضرت ایوبؑ (۸) حضرت یوسفؑ
(۹) حضرت موسیٰؑ (۱۰) حضرت ہارونؑ (۱۱) حضرت زکریاؑ (۱۲) حضرت یحیٰؑ
(۱۳) حضرت عیسیٰؑ (۱۴) حضرت الیاسؑ (۱۵) حضرت اسمٰعیلؑ
(۱۶) حضرت الیسعؑ (۱۷) حضرت یونسؑ (۱۸) حضرت لوط علیہم السلام۔ (حقانی ۳۴۳ / ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے بعد جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے وہ سب ان کی اولاد میں ہیں۔ ایک شاخ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چلی جس میں بنی اسرائیل کے تمام انبیاء آئے اور دوسری شاخ حضرت اسمٰعیلؑ سے چلی جس میں سید الاولین والآخرین حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

پھر فرمایا کہ ان کے باپ دادا، نسل اور بھائیوں میں سے، ہم نے بعض کو برگزیدہ بنایا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ یہ دین توحید تو اللہ تعالیٰ ہی کا بتایا ہوا ہے۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت کرتا ہے۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا، بالفرض اگر یہ پیغمبر بھی شرک کرتے تو جو کچھ نیک اعمال وہ کرتے وہ سب اکارت چلے جاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرکیہ اعمال قبول نہیں۔

انبیاء کی پیروی کی تلقین

۸۹، ۹۰۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ج فَاِنْ یَّکْفُرْ بِھَا ھٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِھَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ ○ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ ط قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ط اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ○

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، شریعت اور نبوت عطا کی تھی۔ پھر اگر یہ لوگ (اہل مکہ) ان باتوں کو نہ مانیں تو (ان کو تسلیم کرنے کے لئے) ہم نے ایسے لوگ مقرر کئے ہیں جو ان کا انکار ہی نہ کریں گے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی۔ پس (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی انہی کے طریقے پر چلئے اور کہہ دیجئے کہ میں اس (قرآن سنانے) پر تم سے کوئی معاوضہ

نہیں چاہتا۔ بس یہ تو دنیا جہاں کے لئے محض ایک نصیحت ہے۔

وَكَّلْنَا: ہم نے سونپا۔ ہم نے حوالے کیا۔ ہم نے مقرر کر دیا۔ تَوْكِيْلٌ سے ماضی۔

فَقَدْ: پس تحقیق

لَيْسُوْا: وہ نہیں ہیں۔ فعل ناقص ہے۔

اُقْتَدِهْ: تو اس کی اقتدا کر۔ تو اس کی پیروی کر۔ اِقْتِدَاءٌ سے امر۔

تشریح: ان تمام انبیاء کو، ہم نے کتاب، حکومت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اب اگر یہ کفار آپ کے طریقہ کا انکار کریں تو آپ اس کا غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے اس کے لئے ایسے بہت سے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کا انکار نہیں کرتے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو مہاجرین و انصار موجود تھے وہ بھی داخل ہیں اور قیامت تک آنے والے مسلمان بھی۔ یہ آیت ان سب لوگوں کے لئے باعث فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام مدح میں ذکر فرمایا ہے۔ اے اللہ، ہمیں بھی ان میں سے بنا اور ہمارا حشر بھی انہی کے زمرے میں فرما۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر اہل مکہ کو سنایا گیا کہ کسی قوم کے آباد اجداد محض باپ دادا ہونے کی بنا پر قابل تقلید نہیں ہو سکتے کہ ان کے ہر قول و فعل کو قابل اتباع سمجھا جائے، جیسا کہ عموماً عرب اور اہل مکہ کا خیال تھا بلکہ تقلید و اتباع کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم جس کی پیروی کرتے ہیں وہ خود بھی ہدایت کے صحیح راستہ پر ہے یا نہیں۔ پھر مذکورہ انبیاء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے۔ آپ بھی انہی کے طریقے کو اختیار فرمایئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء اپنی امتوں سے تبلیغ دین کے اجر کے طالب نہ تھے، اس طرح میں بھی تم سے اس تبلیغ دین یا قرآن کا معاوضہ نہیں مانگتا۔ یہ تبلیغ دین یا قرآن تو جنوں اور انسانوں کے لئے محض ایک یادداشت اور نصیحت ہے۔

(معارف القرآن ۳۸۹۔ ۳۹۴ / ۳، مظہری ۲۹۷، ۲۹۸ / ۳)

منکرین کو جواب

۹۱، ۹۲۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا

وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ○ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ویسی قدر نہیں جانی جیسی جاننی چاہیے تھی جبکہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے پوچھئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو (حضرت) موسیٰ لائے تھے، جو لوگوں کے لئے نور وہدایت تھی جس کو تم نے ورق ورق کر رکھا ہے۔ جن میں سے کچھ تو تم (لوگوں کو) دکھاتے ہو اور بہت سے چھپاتے ہو اور (اس کے ذریعہ) تمہیں بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو نہ تو تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (ہی نے نازل کی تھی)، پھر آپ ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں۔ اور یہ (قرآن) وہ مبارک کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے آس پاس والوں کو خبردار کریں اور جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان لے آئے ہیں اور وہ اپنی نماز کے بھی پابند ہیں۔

قَرَاطِيْسَ: کاغذ۔ اوراق۔ واحد قِرْطَاسٌ

ذَرْهُمْ: تو ان کو چھوڑ دے۔

خَوْضِهِمْ: ان کی بحث۔ ان کا باتیں بنانا۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعدی بن جبیرؒ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی جس کا نام مالک بن الضیف تھا، مناظرہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جھگڑا کرنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰؑ پر توریت نازل فرمائی تھی۔ کیا تم توریت میں یہ

بات لکھی ہوئی پاتے ہو کہ موٹے عالم کو اللہ تعالٰی پسند نہیں فرماتا۔ مالک موٹا تھا۔ یہ سن کر وہ غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم اللہ نے کسی انسان پر کوئی حکم نہیں اتارا۔ اس کے ساتھی یہ بات سن کر کہنے لگے کہ کیا موسیٰ پر بھی اللہ نے کچھ نہیں اتارا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ اسی قول کی وجہ سے یہودیوں نے مالک بن الضیف کو اجتہاد کے عہدے سے معزول کر کے اس کی جگہ ابن اشرف کو مقرر کر دیا۔

سدیؒ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول فخاص بن عازور کے حق میں ہوا اور فخاص ہی نے یہ بات کہی تھی۔ ابن جریرؒ نے بطریق ابو طلحہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا، محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ نے آپ پر کوئی کتاب نازل کی ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم اللہ نے آسمان سے کوئی کتاب نہیں اتاری۔ اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۲۹۸، ۲۹۹ / ۳)

تشریح: پہلی آیت ان لوگوں کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالٰی نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ یہ کتابوں اور رسولوں کا قضیہ سرے سے غلط ہے۔ یہ بات کہنے والے اگر مکہ کے بت پرست تھے، جیسا کہ ابن کثیر نے فرمایا، تو معاملہ ظاہر ہے کہ وہ کسی کتاب اور نبی کے قائل ہی نہ تھے۔ اور اگر یہ بات یہود نے کہی جیسا کہ دوسرے مفسرین کا خیال ہے اور آیت کا سلسلہ، کلام بھی بظاہر اسی کی تائید میں ہے تو پھر ان کا ایسا کہنا محض غصہ اور جھنجھلاہٹ کا نتیجہ تھا جو خود ان کے مذہب کے بھی خلاف تھا۔ (معارف القرآن ۳۹۶ / ۳)

اس آیت میں اللہ تعالٰی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کا ایسا اندازہ نہیں کیا جیسا کرنا چاہئے تھا۔ یعنی اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں پر جو نعمت و رحمت نازل فرمائی ہے اس کو انہوں نے نہیں جانا۔ اس لحاظ سے جیسا اللہ تعالٰی کو پہچاننا چاہئے تھا ویسا انہوں نے نہیں پہچانا۔ اسی لئے انہوں نے یہ کہہ کر کہ اللہ تعالٰی نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں فرمایا، پیغمبروں کی بعثت کا انکار کر دیا۔ حالانکہ نبوت اللہ تعالٰی کی سب بڑی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کی ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھئے اگر اللہ تعالٰی نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہیں کی تو یہ توریت کس نے نازل کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اور جو سراسر نور اور لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ تم نے اس توریت کو اپنی نفسانی اغراض کی بنا پر متفرق

اوراق میں رکھا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض اوراق کو جو تمہاری خواہش اور غرض کے مطابق ہوتے ہیں تم ظاہر کرتے ہو اور اکثر اوراق کو تم چھپالیتے ہو۔

پھر فرمایا کہ اے یہود! توریت کے ذریعہ جو علم تمہیں عطا کیا گیا تھا اس سے زیادہ علم تو تمہیں قرآن مجید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے نہ تو تم اس (علم) کو جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ جب یہودی اس سوال کا جواب نہ دے سکے کہ توریت کس نے نازل کی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ہی بتا دیجئے ان کو کہ توریت بھی اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمائی تھی۔ اگر اتمام حجت کے بعد بھی یہ لوگ نہ مانیں تو آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور جس بیہودہ مشغلہ میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کو اس میں لگا رہنے دیجئے۔ آپ کا کام تو تبلیغ دین ہے، وہ آپ نے کر دیا۔

جس طرح توریت ہم نے نازل کی تھی اسی طرح یہ قرآن بھی ہمارا ہی نازل کیا ہوا ہے۔ یہ بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے۔ اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا دونوں جہان میں کامیابی کا باعث ہے۔ یہ ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور ہم نے یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ اہل مکہ اور مکہ کے تمام اطراف یعنی مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں رہنے والے تمام لوگوں کو خبردار کر دیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہیں مانے گا وہ عذاب کا مستحق ہو گا۔ جن لوگوں کو جزاو سزا اور عذاب کا اندیشہ ہے وہ آخرت پر ایمان کے ساتھ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہی لوگ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ یہ نماز ان کو آخرت میں کام آئے۔ (مظہری ۲۹۹۔ ۳۰۰۰ / ۳)

سب سے بڑا ظالم

۹۳، ۹۴۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِىَ
اِلَىَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَىْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ
وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ

اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہیں آتی ۔ اور جو یہ کہے کہ میں بھی وہ نازل کر سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کاش آپ ان کو اس وقت دیکھیں جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا کر کہہ رہے ہوں گے کہ اپنی روح نکالو ۔ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا ۔ تمہاری ان باتوں پر جو تم اللہ تعالیٰ پر ناحق بنایا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھے اور بیشک تم ہمارے پاس ویسے ہی تنہا آگئے ، جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور جو کچھ (مال و اسباب) ہم نے تمہیں دیا تھا اس کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے اور اب ہمیں تمہارے ساتھ تمہاری سفارش کرنے والے بھی دکھائی نہیں دیتے جن کو تم اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے تھے ۔ ضرور تمہارے آپس کے تعلقات منقطع ہو گئے اور تمہارے سب گمان غلط ہو گئے ۔

غَمَرٰتِ : سختیاں ۔ شدتیں ۔ واحد غَمْرَةٌ ۔

بَاسِطُوْا : کھولنے والے ۔ پھیلانے والے ۔ بَسْطٌ سے اسم فاعل ۔

الْهُوْنِ : ذلت ۔ رسوائی ۔ خواری ۔

فُرَادٰى : ایک ۔ ایک ، علیحدہ علیحدہ ۔

خَوَّلْنٰكُمْ : ہم نے تم کو دیا ۔ ہم نے تم کو عطا کیا ۔ تَخْوِيْلٌ سے ماضی ۔

وَرَآءَ : پس پشت ۔ پیٹھ پیچھے ۔

تَقَطَّعَ : وہ قطع ہو گیا ۔ وہ کٹ گیا ۔ وہ جدا ہو گیا ۔ تَقَطُّعٌ سے ماضی ۔

ربط : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد چودہ پیغمبروں کا ان کی نسل میں سے ہونا اور ان کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے ۔ یہ سب کے سب ہدایت یافتہ تھے اور توحید کی دعوت

دیتے اور شرک کو رد کرتے تھے ۔ پس جو شخص راہ ہدایت کا طالب ہو وہ ان لوگوں کے طریقے پر چلے ، توحید کا اقرار کرے اور شرک سے اجتناب کرے ۔ اس کے بعد منکرین نبوت کی تردید تھی ۔ ان آیتوں میں مدعیان نبوت کی تہدید ہے کہ فرشتے مار مار کر ان کی جان نکالتے ہیں اور قیامت کے روز ان کو ذلت و خواری کا عذاب دیا جائے گا ۔

تشریح: جس طرح نبوت والہامِ الٰہی کا انکار اللہ تعالیٰ کی سخت ناقدری ہے ، اسی طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا جیسے مالک بن الصیف کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی پر کچھ نازل نہیں کیا یا نبوت اور وحی کا جھوٹا دعویٰ کرنا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میرے پاس وحی آتی ہے ، بھی بڑا ظلم ہے ۔ نزول قرآن کے وقت لوگوں نے ایسی باتیں بھی کہی تھیں ۔ چنانچہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ بر قول قتادہ اس آیت کا نزول مسیلمہ کذاب کے حق میں ہوا ۔ یہ شخص کاہن تھا اور کاہنوں کی طرح مسجع فقرے بولتا تھا ۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کہتا تھا کہ اس کے پاس وحی آتی ہے ۔ ابن جریرؒ نے عکرمہ کا بھی یہی بیان نقل کیا ہے ۔ اسی طرح صنعاء ، یمن میں اسود عنسی کو خبط ہوا تھا اور مشرکین مکہ قرآنی آیات سن کر کہہ دیا کرتے تھے کہ لو نشاء لقلنا مثل ھذا وغیرہ ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کی موت کا حال بیان فرمایا کہ جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور موت کے فرشتے ان کی جان نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھا کر تحقیر کے طور پر یہ کہیں گے کہ اب آخرت کے عذاب سے کہاں ہٹتے ہو ۔ اب تم اپنی خبیث روح کو نکالو ۔ آج تمہاری بداعمالیوں ، بغض و تکبر ، تمہاری افترا بندی اور اللہ کی آیات سے اعراض کی بنا پر تمہیں ذلت و رسوائی کا عذاب ہو گا ۔

مرنے کے بعد حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے تم اپنا مال و اولاد جو ہم نے تمہیں عطا کیا تھا ، دوست و احباب اور تمہارے اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے معبود جن کو تم اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور جن کی سفارش کا تمہیں بہت بھروسہ تھا ۔ تم ان سب کو پیچھے چھوڑ کر ہمارے پاس ایسے تنہا آئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا ۔ قیامت کے روز تمہارے اس باطل خیال کی بھی قلعی کھل جائے گی کہ تمہارے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بت اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کریں گے ۔ اس دن ان بتوں اور تمہارے درمیان قطع تعلق ہو جائے گا ۔ وہ تم سے علیحدہ ہو جائیں گے اور تم ان سے بری اور بیزار ہو جاؤ گے اور تمہاری ساری امیدوں پر پانی پھر جائے گا

(حقانی ۲/۳۴۸)

وجود و صفاتِ باری کے دلائل

۹۵، ۹۷۔ اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ
وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ○
فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ج وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
حُسْبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ
لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ
فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○

بیشک اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ یہی تو خدا ہے پھر تم کہاں بہکے جارہے ہو۔ وہی (رات کی تاریکی میں سے) صبح کا پھاڑنے والا ہے اور اسی نے آرام کے لئے رات بنائی اور اسی نے حساب کے لئے سورج اور چاند بنائے۔ یہ اندازہ اسی ذات کا مقرر کیا ہوا ہے جو زبردست ہے اور بڑی علم والی ہے اور اسی نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا تاکہ تم اِن کے ذریعہ بحر و بر کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔ بیشک ہم نے ان لوگوں کے لئے تفصیل کے ساتھ دلائل بیان کر دئے جو جانتے بوجھتے ہیں۔

فَالِقُ: پھاڑنے والا۔ نکالنے والا۔ فَلْقٌ سے اسم فاعل۔

اَلنَّوٰی: کھجور کی گٹھلیاں۔ واحد نَوَاۃٌ۔

اَلْحَبِّ: دانہ۔ گٹھلی۔ غلہ۔

تُؤْفَکُوْنَ: تم پلٹائے جاتے ہو۔ تم پھیرے جاتے ہو۔ اَفْکٌ سے مضارع مجہول۔

حُسْبَانًا: آفت۔ عذاب۔ حساب کے مطابق سزا۔ حساب۔ گردش۔

تَقْدِیْرُ: تقدیر۔ اندازہ کرنا۔

تشریح: پچھلی آیتوں میں کفار و مشرکین کی ہٹ دھرمی اور حقائق و نتائج سے ان کی غفلت کا تذکرہ تھا۔ ان سب خرابیوں کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے بے مثال علم و قدرت سے بے خبری ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہٹ دھرمی کے علاج کے لئے اپنے وسیع علم اور عظیم

قدرت کے چند نمونے اور انسان پر اپنے انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جن میں معمولی غور و فکر سے کوئی سلیم الفطرت انسان خالق کائنات کی عظمت و بے مثال قدرت کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (معارف القرآن ۳۹۹ / ۳)

اللہ تعالیٰ زمین میں بوئے ہوئے دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑ کر ان میں سے مختلف قسم کے پودے اور روئیدگیاں پیدا فرماتا ہے، جن کے رنگ، شکلیں اور ذائقے الگ الگ ہوتے ہیں۔ خشک دانے اور خشک گٹھلی کو پھاڑ کر اس کے اندر سے ہرا بھرا پودا نکال دینا اس ذات واحد و یکتا کے سوا کسی اور کا فعل نہیں ہو سکتا، جو خالق کائنات ہے۔ انسان کے سعی و عمل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○

کیا تم ان دانوں کو نہیں دیکھتے جن کو تم مٹی میں ڈال دیتے ہو کیا ان کو تم نے اگایا یا ہم نے اگایا۔

پھر فرمایا کہ وہ ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے۔ یعنی ایک بے جان چیز کے اندر سے جاندار چیز کو نکالتا ہے جیسے نباتات اور جاندار چیز کے اندر سے بے جان چیز کو نکالتا ہے جیسے بیج جو بے جان ہیں اور جاندار پودے کے اندر پیدا ہوتے ہیں یا یہ مطلب کہ زمین تو خشک اور مردہ ہوتی ہے۔ مگر پانی برسا کر ہم اسے زندہ کر دیتے ہیں اور اس سے اناج اور غلہ پیدا کر دیتے ہیں جسے تم کھاتے ہو اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مومن بمنزلہ زندہ کے ہے اور کافر بمنزلہ مردہ کے ہے اس لئے وہ کافر (مردہ) سے مومن (زندہ) کو اور مومن (زندہ) سے کافر (مردہ) کو نکالتا ہے۔

یہ زندہ اور مردہ کرنے والا ہی سب کا مالک و خالق اور اللہ تعالیٰ ہے اور یہی معبود ہونے کا مستحق ہے جو خود عاجز ہو جیسے تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت۔ وہ عبادت کا مستحق نہیں پھر یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے تم کیوں حق سے منہ موڑتے ہو اور غیر خدا کی پرستش کرتے ہو

پھر فرمایا کہ وہی رات کی گہری ظلمت و تاریکی کو پھاڑ کر اس میں سے صبح کو نمودار کرتا ہے اور رات کے اندھیرے میں سے صبح صادق کا اجالا نکالنا بھی اس کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے۔ پھر رات کو آرام و سکون کا ذریعہ بنانا بھی اسی کی قدرت کا کمال ہے۔ انسان اور حیوان دن بھر

تلاش و کسب معاش میں مصروف رہتے ہیں پھر تھک ہار کر رات کو گہری نیند سے سکون حاصل کرتے ہیں ۔ اسی نے سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا جس سے لوگ سالوں، مہینوں، دنوں گھنٹوں، منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب لگاتے ہیں ۔ یہ حیرت انگیز نظام جس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں آتا، اسی ذات واحد و یکتا کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ ہے جو ہر چیز پر غالب بھی ہے اور قوی بھی ۔ اس کو ہر چیز اور ہر کام کا علم بھی ہے ۔

چاند و سورج کے علاوہ دوسرے ستارے بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ کے خاص مظہر ہیں ۔ اور ان کے پیدا کرنے میں بے شمار حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ لوگ ان کے ذریعہ جنگل کے اندھیروں اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ کا تعین کرتے ہیں، پھر فرمایا کہ ہم نے اہل علم کے لئے قدرت کے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دئے ہیں تاکہ وہ حق کو پہچان کر باطل سے اجتناب کریں ۔ جو لوگ ان کھلی نشانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے وہ بے خبر و بے عقل ہیں ۔ (مظہری ۳۰۳، ۳۰۴ / ۳، ابن کثیر ۱۵۸، ۱۵۹ / ۲)

عجائباتِ قدرت

۹۸، ۹۹۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ
مُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ
فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ
النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ
وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى
ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

اور اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر کہیں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور کہیں سپرد کئے جانے کی ۔ بیشک ہم نے سمجھ داروں کے لئے تفصیل کے ساتھ دلائل بیان کر دئے اور (اللہ) وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا ۔ پھر اس (پانی) سے ہم نے ہر قسم کی جڑی بوٹیاں نکالیں ۔ پھر ہم ہی نے اس سے

سبزہ نکالا جس سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے (پھل کے) گچھے نکالتے ہیں جو نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور انگور اور زیتون اور انار کے باغ پیدا کئے جو باہم ملتے جلتے بھی ہیں اور جدا جدا بھی ہیں ۔ جب یہ پھلتے ہیں تو ان کا پھلنا اور پکنا تو دیکھو ان سب (باتوں) میں ایمان والوں کے لئے (اس کی قدرت کی) بڑی نشانیاں ہیں ۔

اَنْشَاَكُمْ: اس نے تم کو پیدا کیا ۔ اس نے تمہاری پرورش کی ۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی ۔

فَمُسْتَقَرٌّ: پس ٹھہرنے کی جگہ ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم مفعول و اسم ظرف مکان ۔

مُسْتَوْدَعٌ: پناہ کی جگہ ۔ سونپے جانے کی جگہ ۔ اِسْتِيْدَاعٌ سے اسم مفعول و اسم ظرف مکان ۔

نَبَاتَ: گھاس ۔ زمین سے اگنے والی ہر چیز ۔

خَضِرًا: سبزہ ۔

مُتَرَاكِبًا: اوپر تلے ۔ تہ بہ تہ ۔ ایک پر ایک چڑھا ہوا ۔ تَرَاكُبٌ سے اسم فاعل ۔

طَلْعِهَا: اس کا خوشہ ۔ اس کا سر ۔ اس کا پھول ۔

نَخْلِ: کھجور کے درخت ۔

قِنْوَانٌ: خوشے ۔ گچھے ۔ واحد قِنْوٌ ۔

دَانِيَةٌ: نزدیک ۔ جھکنے والی ۔

اَعْنَابِ: انگور ۔ واحد عِنَبٌ ۔

الرُّمَّانَ: انار ۔ واحد رُمَّانَۃٌ ۔

يَنْعِهٖ: اس کا پکنا ۔ اس کا مراد کو پہنچنا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام سے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اس خدا سے ڈرو جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی (حضرت) حوا کو اور پھر ان دونوں سے بے شمار مرد و عورت پیدا کئے ، پھر فرمایا کہ تمہارے لئے ایک مستقر یعنی زمین پر ٹھہرنے کی جگہ بنائی اس سے مراد دنیا ہے اور ایک مستودع یعنی سونپے جانے کی جگہ بنائی ۔ اس سے مراد قبر ہے جہاں انسان عارضی طور پر رکھا جاتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد ایک مقررہ مدت تک تو دنیا میں رکھا جاتا ہے ، پھر اس کے بعد اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اور اس کو قیامت تک قبر میں رکھا جاتا ہے ۔ پھر قیامت

کے دن اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ سب توحید کی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے سمجھدار لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان فرمادیں۔

پھر فرمایا کہ اسی ذات واحد و شاہد نے آسمان سے پانی اتارا جو مبارک ہے اور بندوں کے لئے رزق مہیا کرتا ہے۔ پھر اسی پانی سے ہر قسم کی نباتات اگتی ہے۔ اسی سے کھیتی باڑی اور سرسبز درخت لگتے ہیں اور ان میں دانے اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں کے اندر سے ہم ایسے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں خوشے اور گچھے کہا جاتا ہے۔ اسی پانی سے ہم نے انگور کے باغات اور زیتون و انار کے درخت پیدا کئے جو شکل اور مزے کے اعتبار سے آپس میں ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی ہوتے۔ یہاں انگور اور کھجور کا اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ دونوں پھل اہل حجاز کے پسندیدہ اور بہترین پھل سمجھے جاتے تھے۔

پھر فرمایا کہ جب وہ پک جائے تو اس کے پھل کی طرف دیکھو اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں غور کرو کہ کس طرح وہ ان پھلوں کو عدم سے وجود میں لایا۔ چھوٹا اور کچا پھل کیسا بیکار ہوتا ہے۔ پھر یہی پھل پک کر کیسا بڑا اور لذیذ ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ ان چیزوں میں مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید کی بڑی نشانیاں ہیں۔ یہی لوگ ان میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں۔ (ابن کثیر ۱۵۹ / ۲، مظہری ۳۰۶،۳۰۴ / ۳)

مشرکین کی مذمت

۱۰۰، ۱۰۳۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ
وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ
وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ
اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنالیا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے

ہوئے ہیں اور انہوں نے بلا علم اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی گھڑ لیں ۔ وہ پاک ہے اور ان باتوں سے بہت بلند ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ۔ وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے ۔ جب اس کی کوئی بیوی ہی نہیں تو اولاد کیسے ہوگی اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر بات کو جانتا ہے ۔ یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے ۔ کوئی آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی اور وہ سب آنکھوں کو دیکھتا ہے ۔ وہ نہایت لطیف (اور) خبردار ہے ۔

خَرَقُوْا: انہوں نے تراشا ۔ انہوں نے گھڑ لیا ۔ خَرْقٌ سے ماضی ۔

یَصِفُوْنَ: وہ بیان کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں ۔ وَصْفٌ سے مضارع ۔

بَدِیْعٌ: ایجاد کرنے والا ۔ کسی چیز کو بغیر نمونے کے بنانے والا ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے ۔

صَاحِبَةٌ: ساتھ رہنے والی ۔ بیوی ۔ جمع صَوَاحِبٌ ۔

تُدْرِکُهٗ: وہ اس کو پاتی ہے ۔ اِدْرَاکٌ سے مضارع ۔

تشریح: جو چیزیں آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں جیسے فرشتے ، خبیث روحیں اور جن ، عرب کے بعض فرقے ان کو پوجتے تھے اور مصیبت کے وقت ان کو پکارتے تھے اور ان کو عالم میں کارکن اور متصرف سمجھتے تھے اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے ۔ یمن کے اطراف میں آتش پرستوں کی حکومت تھی ۔ وہ بھی زرتشت کی تقلید میں دو خدا مانتے تھے ۔ ان میں سے ایک خدا نیکی اور خیر کو پیدا کرتا ہے ، اس کو وہ یزداں کہتے تھے اور یزداں کی فوج کو فرشتے کہتے تھے ۔ دوسرا خدا ظلمت و شر کو پیدا کرتا ہے اس کو وہ اہرمن کہتے تھے ۔ اہرمن کی فوج کو شیاطین اور جن قرار دیتے تھے ۔ یہاں آیت میں جن سے مراد شیطان ہیں ۔ نجران وغیرہ علاقوں میں نصاریٰ رہتے تھے وہ حضرت مریم کو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیوی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا بیٹا کہتے تھے ۔ اسی طرح یہود حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے ۔ یہ سب شرک ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے رد میں فرمایا کہ یہ ان لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور ان لوگوں نے بغیر سمجھے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اور اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی گھڑ لیں حالانکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے

پیدا کئے ہوئے ہیں۔ پس مخلوق کو خالق کا شریک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب من گھڑت اور بیہودہ باتوں سے پاک اور بالاتر ہے۔

اسی نے آسمانوں اور زمین کو کسی نمونے کے بغیر پیدا کیا، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے وہ سب اسی کا بنایا ہوا ہے۔ کیا تمہارے ان باطل معبودوں نے بھی کچھ تخلیق کیا ہے۔ کوئی آسمان یا زمین یا کوئی اور چیز اگر ان باطل معبودوں میں سے کسی نے بنائی ہے تو بتاؤ۔ اللہ تعالیٰ تو قدیم اور مستغنی ہے۔ اس کے تو بیوی ہی نہیں، پھر اس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ تو ان سب چیزوں کا خالق و مالک ہے اور مخلوق بیوی اور بیٹا نہیں بن سکتے۔ اس کو ہر چیز کا علم ہے وہ سب کچھ جانتا ہے یہ بات باطل معبودوں میں نہیں۔ (حقانی ۳۵۱ / ۲)

وہی تمہارا رب ہے جس نے ہر شئے کو پیدا کیا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اسی کی وحدانیت کا اقرار کرو۔ اس کا نہ کوئی لڑکا ہے، نہ کوئی باپ، نہ کوئی بیوی اور نہ کوئی اس کا عدیل و نظیر۔ وہی ہر چیز کا مدبر ہے۔ اسی نے رات اور دن بنائے، وہی آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ اور وہی اپنی مخلوق کا مالک و رازق ہے۔ وہی ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے اس کو اس عالم حسی کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں کیونکہ وہ صرف محسوسات کے ادراک کے لئے مخصوص ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے کیونکہ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔ وہ اپنی لطافت کی بنا پر نظر نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بارے میں ائمہ سلف کے مختلف اقوال ہیں۔ صحیح تر یہ ہے کہ ہماری آنکھیں اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہیں دیکھ سکتیں لیکن آخرت میں دیکھ سکیں گی۔ متواتر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ (ابن کثیر ۱۶۱ / ۲)

منکرین پر اتمامِ حجت

۱۰۴، ۱۰۵۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے سو

جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا ہی فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا بنا رہے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں ۔ اور ہم اسی طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ (نادان) لوگ یہ کہیں کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے کس سے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اس کو اہل علم کے لئے واضح کر دیں ۔

بَصَآئِرُ : کھلی دلیلیں ۔ واضح نصیحتیں ۔ واحد بَصِیْرَۃٌ ۔

نُصَرِّفُ : ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں ۔ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ۔ تَصْرِیْفٌ سے مضارع ۔

دَرَسْتَ : تو نے پڑھا ۔ دَرْسٌ سے ماضی ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس توحید و رسالت اور قیامت کی ایسی روشن دلیلیں آچکیں جن کو دیکھ کر دل کی آنکھیں کھل جائیں اور ہدایت و گمراہی کا فرق واضح ہو جائے ۔ پس جس نے دل کی آنکھ سے حق دیکھ لیا اور بصیرت سے کام لیا تو اس نے اپنے ہی فائدے کے لئے ایسا کیا اور جو شخص ان واضح دلائل کے باوجود اندھا بنا رہا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا اور میں نہ تو تمہارے اعمال کا نگراں ہوں اور نہ تمہیں جزا اور سزا دینے والا ہوں ۔ میں تو صرف تمہیں اللہ کے احکام پہنچانے والا اور خبردار کرنے والا ہوں ۔ ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے ۔

ہم اسی طرح صاف صاف دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ مخالفین پر حجت پوری ہو جائے اور یہ معاندین ضد میں آکر آپ سے یہ کہیں کہ آپ یہ مضامین علماء یہود سے پڑھ کر ان کو وحی الٰہی کہتے ہیں ۔ اگر مشرکین کے نزدیک یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ یہ یہودی علماء کا پڑھایا ہوا ہے تو یہ لوگ بھی یہودی علماء کے پاس جا کر اسی قسم کی آیتیں کیوں نہیں بنوا لاتے اور ان کو قرآن کریم کے مقابلے میں کیوں نہیں پیش کر دیتے ۔ یہودی علماء تو ان مشرکین کے دوست ہیں وہ ان کو پڑھانے سے انکار نہیں کر سکتے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۶، ۵۱۷ / ۲)

مشرکین سے اعراض کی تلقین

۱۰۶، ۱۰۷۔ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ط وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ج وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس طریقے پر چلتے رہئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ مشرکوں سے کنارہ کش رہئے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر محافظ مقرر نہیں کیا اور نہ آپ پر ان کی جواب دہی ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو وحی کی پیروی کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہی حق ہے۔ اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اگر مشرکین اپنے شرک پر اصرار کریں تو آپ اس سے غمگین نہ ہوں بلکہ آپ ان سے منہ پھیر لیں، ان سے درگزر کریں، ان کی ایذا رسانی کو برداشت کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان معاندین پر فتح عطا فرمادے۔

آپ ان کے ہدایت پر آنے کی فکر نہ کریں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ساری دنیا ہدایت یافتہ ہو جاتی لیکن ان کی گمراہی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو ان کا نگراں اور محافظ بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کو اللہ کے عذاب سے بچالیں اور نہ ان کے جرم کا آپ سے مواخذہ ہو گا۔ آپ کو تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا آپ کا کام تو صرف ہمارے احکام ان تک پہنچا دینا اور ان کو سمجھا دینا ہے۔ پھر ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا یا انکار کرنا ان کا کام ہے۔ وہ خود اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ (ابن کثیر ۱۶۳ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۶۔ ۵۱۷ / ۲)

باطل معبودوں کو بُرا کہنے کی ممانعت

۱۰۸۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور (اے مسلمانو!) یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا مت کہو کیونکہ پھر وہ بھی جہالت کی بنا پر حد سے تجاوز کر کے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین کر دیا۔ پھر ان سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے۔ پھر وہ ان کو بتادے گا، جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔

تَسُبُّوا: تم گستاخی کرو۔ تم برا کہو۔ تم گالیاں دو۔ سَبٌّ سے مضارع۔

زَيَّنَّا: ہم نے زینت دی۔ ہم نے سنوارا۔ تَزْيِيْنٌ سے ماضی۔

فَيُنَبِّئُهُمْ: پس وہ ان کو بتادے گا۔ پس وہ ان کو آگاہ کر دے گا۔ تَنْبِئَةٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت **اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ** نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یا تو آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں ورنہ ہم بھی آپ کے رب کو برا کہیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتوں کی ہجو کرنے سے منع فرما دیا۔

سدیؒ اور ابن جریرؒ کی روایتوں کے مطابق جب ابو طالب مرض الموت میں تھے تو قریش کے مشرک سردار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور ایذا رسانی میں لگے ہوئے تھے اور آپؐ کے قتل کی سازشیں کرتے رہتے تھے، ان کو فکر لاحق ہوئی کہ ابو طالب کی وفات کے بعد ان کے لئے مشکل پیدا ہو جائے گی کہ اگر انہوں نے ان کی وفات کے بعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا تو لوگ کہیں گے کہ ابو طالب کے سامنے تو یہ لوگ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے، ان کی موت کے بعد ان کو اکیلا دیکھ کر قتل کر دیا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابو طالب سے مل کر کوئی فیصلہ کن بات کر لی جائے۔ چنانچہ ابو سفیان نضر بن حارث، امیہ بن خلف، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن عاص اور اسود بن ابو البختری جمع ہو کر ابو طالب کے پاس گئے اور ان سے کہا

کہ اے ابو طالب! آپ ہمارے بزرگ اور سردار ہیں آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں اور ہمارے معبودوں کو سخت تکلیف اور ایذا پہنچا رکھی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو بلوا کر سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں ہم بھی ان کو اور ان کے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔

ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا کر کہا کہ یہ آپ کی قوم کے سردار آئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کو اور ان کے معبودوں کو کچھ نہ کہیں اور یہ آپ کو اور آپ کے خدا کو کچھ نہ کہیں گے۔ یہ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں، اس لئے آپ ان کی بات مان لیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہاری یہ بات مان لوں تو کیا تم بھی میری ایک بات مان لو گے جس کو مان لینے کے بعد تم عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم بھی تمہارے زیر حکم آجائیں گے۔ ابو جہل نے کہا کہ ایسی ایک بات نہیں بلکہ دس باتیں مان لیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه** کے قائل ہو جاؤ۔ یہ سن کر سب برہم ہوگئے۔ ابو طالب نے کہا کہ بھتیجے اس کلمہ کے سوا کوئی اور بات کہو کہ یہ اس کو مان لیں۔

آپ نے فرمایا کہ چچا میں اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا کلمہ نہیں کہہ سکتا خواہ وہ آسمان سے سورج لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں۔ اس پر یہ لوگ ناراض ہو کر کہنے لگے کہ یا تو آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ کو بھی گالیاں دیں گے اور اس کو بھی جو آپ کو یہ حکم دیتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۱۰ / ۳، معارف القرآن ۴۱۸، ۴۱۹ / ۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم مشرکین کے باطل معبودوں کو برا مت کہو کہ کہیں وہ ضد اور اپنی جہالت و نا سمجھی کی بنا پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برا نہ کہنے لگیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور قرآن کریم میں نہ تو پہلے کبھی ایسا کلام آیا تھا جسے گالی سمجھا جائے اور نہ آئندہ ایسا کوئی خطرہ تھا۔ البتہ مسلمانوں سے اس کا امکان تھا۔ اس لئے اس آیت کے ذریعہ ان کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ نیز گالیاں دینا اور بات ہے اور باطل معبودوں کے عیب و نقائص اور ان کا عجز بیان کرنا اور چیز ہے۔ یہاں قرآن کریم نے مسلمانوں کو مشرکوں کے معبودوں کی برائی کرنے سے روکا ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ باطل معبودوں کی جو تنقیص و تحقیر مذکور ہے اس سے ان کی الوہیت و معبودیت کا ابطال مقصود ہے نہ کہ ان کو برا کہنا

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے ان مشرکوں کے دلوں میں شرک کا خیال پختہ کر دیا ہے اسی طرح ہم نے ہر قوم کی نظر میں ان کے اعمال کو پسندیدہ بنا دیا ہے۔ اس لئے ہر قوم اپنے اعمال و افعال اور طور طریقوں کو ہی پسند کرتی ہے۔ خواہ وہ غلط اور شرکیہ ہی ہوں اور ان کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ یہ دنیا آزمائش اور امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں برے اعمال کی سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کے لئے ایک دن سب کو ان کے رب کی طرف لوٹایا جائے گا جہاں انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو کچھ وہ دنیا میں کرتے تھے اور ان کو ان کے اچھے یا برے اعمال کی جزا یا سزا دی جائے گی۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۷، ۵۱۸ / ۲)

دلوں کا پھیرنا

۱۰۹، ۱۱۰۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ
بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا
بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی سخت قسمیں کھا کر کہا تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) آئے گا تو ہم ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب وہ نشانیاں آجائیں گی تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم بھی ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیں گے۔ جیسا کہ وہ پہلی مرتبہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں گے۔

جَهْدَ: زور دار کوشش۔ سخت۔ پختہ۔ مصدر ہے۔
اَيْمَانِهِمْ: ان کی قسمیں۔ واحد يَمِيْنٌ۔
نُقَلِّبُ: ہم پھیرتے ہیں۔ ہم موڑتے ہیں۔ تَقْلِيْبٌ سے مضارع۔
اَفْـِٕدَتَهُمْ: ان کے دل۔ ان کے قلوب۔ واحد فُؤَادٌ۔
نَذَرُهُمْ: ہم ان کو چھوڑ دیں گے۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن جریرؒ اور بغویؒ نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے نیز بغویؒ نے کلبیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پاس ایک عصا تھا جس کو پتھر پر مار کر وہ بارہ چشمے جاری کر دیتے تھے اور حضرت عیسیٰ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور حضرت صالحؑ نے قوم ثمود کے لئے پتھر سے ایک اونٹنی برآمد کر دی تھی، لہذا آپ بھی ایسا کوئی معجزہ ہمیں دکھا دیں۔ ہم آپ کو سچا مان لیں گے آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم مجھ سے کیا معجزہ چاہتے ہو۔ قریش نے کہا کہ آپ ہمارے لئے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیں۔ بغویؒ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ آپ ہمارے بعض مُردوں کو زندہ کر کے اٹھا دیں تاکہ آپ کے حق پر ہونے کے بارے میں ہم ان سے دریافت کر لیں یا آپ فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیے تاکہ وہ آپ کی تصدیق کر دیں۔

ابن جریرؒ اور بغویؒ کا بیان ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا معاہدہ کرو کہ اگر یہ معجزہ ظاہر ہو گیا تو تم مسلمان ہو جاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر آپؐ نے ایسا کر دیا تو ہم آپؐ کی اتباع کر لیں گے۔ پس آپؐ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کھڑے ہو گئے کہ اے اللہ! کوہ صفا کو سونے کا بنا دے اسی وقت حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لے کر آگئے کہ اگر آپؐ چاہتے ہیں تو کوہ صفا سونے کا ہو جائے گا لیکن اگر اس کے بعد بھی انہوں نے تصدیق نہ کی تو میں ان پر عذاب نازل کر دوں گا اور اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان کو یونہی رہنے دوں تاکہ ان میں سے جو توبہ کرنے والے ہیں وہ توبہ کر لیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے اور ان پر عذاب نہ آئے تاکہ ان میں سے جو توبہ کرنے والے ہیں وہ توبہ کر لیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۱۱/۳)

تشریح: یہاں مشرکوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر انہیں ان کا کوئی مطلوبہ معجزہ دکھا دیا جائے تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ معجزات کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں کوئی معجزہ نہیں۔ وہ اپنی حکمت سے جس معجزے کو چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے پھر فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اللہ کو معلوم ہے کہ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار و کفر کی وجہ سے ان کے دل اور ان کی نگاہیں پھیر دی ہیں۔ اب یہ کسی بات پر جمنے والے نہیں۔ اب یہ دنیا جہاں کی نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ اس سے پہلے بھی وہ معجزات کو دیکھ کر

ایمان نہیں لائے تھے۔ مثلاً شق القمر کا معجزہ ان کی فرمائش پر دکھایا گیا مگر پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے اور اس کو جادو کہہ کر رد کر دیا۔ اسی طرح دوبارہ معجزہ دیکھنے پر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم ان کو سرکشی میں بھٹکنے کے لئے حیران و سرگرداں چھوڑ دیں گے تاکہ ان کا دل اور آنکھیں حق اور ہدایت کی طرف متوجہ نہ ہوں اور ان کو ایمان کی توفیق ہی نصیب نہ ہو۔ (ابن کثیر ۱۶۴، ۱۶۵ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۸ / ۲)

کفار کا ایمان نہ لانا

۱۱۱۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا
عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○

اور اگر ہم ان کے پاس فرشتے (بھی) بھیج دیتے اور مُردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام چیزوں کو ان کے سامنے اکٹھا کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نادانی ہی کرتے ہیں۔

تشریح: اگر ان کی خواہش کے مطابق، آسمان سے اتر کر فرشتے آپ کی رسالت کی گواہی دیں اور مُردے قبروں سے اٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور ان سے آپ کی نبوت کی تصدیق کر دیں اور تمام مری ہوئی چیزیں زندہ کر کے ان کے سامنے لا کھڑی کی جائیں یہاں تک کہ بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کو دکھا دیا جائے تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہوا تو وہ مومن ہو جائیں گے ورنہ وہ کسی صورت ایمان نہیں لائیں گے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں جو اپنی نادانی اور جہالت کے باعث معجزات تو طلب کرتے ہیں، حق کو طلب نہیں کرتے۔ (حقانی ۳۵۵ / ۲)

انبیاء کے دشمن

۱۱۲، ۱۱۳۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط
وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَافَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَايَفْتَرُوْنَ ○ وَلِتَصْغٰىٓ
اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ
وَلِيَقْتَرِفُوْا مَاهُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ○

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے شریر آدمیوں اور جنوں کو دشمن کر دیا جو ایک دوسرے کو فریب دینے کے لئے چکنی چپڑی باتوں کے وسوسے ڈلتے رہتے ہیں۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرتے سو آپ ان کو اور ان کی افتراء پردازی کو چھوڑیئے۔ اور تاکہ (ان کی افتراء پردازی کی طرف) ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ وہ ان کو پسند کریں اور جو غلط کام وہ کرتے ہیں ان کو کرتے رہیں۔

شَیٰطِیْنَ: شیطان سرکش یہ جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد شَیْطَانٌ ہے۔ شیطان اصل میں اس کو کہتے ہیں جو سرکش اور شریر اور بدذات ہو خواہ وہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے، یہاں شیطان سے مراد سرکش جن اور انسان ہیں۔

زُخْرُفَ: چکنی چپڑی۔ بناوٹی۔ ملمع کی ہوئی۔ جمع زَخَارِفُ۔

غُرُوْرًا: فریب۔ جھوٹا وعدہ۔ مصدر ہے۔

لِتَصْغٰى: تاکہ وہ (دل) مائل ہو جائیں۔ تاکہ وہ جھکیں۔ صَغْیٌ سے مضارع۔

لِيَقْتَرِفُوْا: تاکہ وہ کرلیں۔ تاکہ وہ ارتکاب کریں۔ اِقْتِرَافٌ سے مضارع۔

ربط: گزشتہ آیات میں اثباتِ توحید کے لئے اللہ تعالیٰ نے متضاد و مختلف اشیاء پر اپنی قدرتِ کاملہ کے آثار اور مخلوق کے عجیب حالات بیان فرمائے تاکہ یہ سب چیزیں صانع کے وجود اور اس کی قدرت اور علم و حکمت کے کمال کی دلیل بنیں۔ اور مشرکین پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کے تمام باطل معبود ان عجائباتِ قدرت میں سے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے، لہذا وہ عبادت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے عقائد کے رد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے، کیونکہ اس کے تو کوئی بیوی ہی نہیں اور اولاد کے لئے بیوی کا ہونا ضروری ہے۔ پھر منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیا گیا۔ ان آیتوں میں حتمی طور پر بتا دیا گیا کہ کافروں کو خواہ ان کے مطلوبہ معجزے اور نشانیاں دکھادی جائیں بلکہ اس سے بھی زیادہ تب

بھی وہ اپنی ضد اور عناد کی بنا پر ایمان نہیں لائیں گے۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ جس طرح آپ کے مخالفین اور دشمن ہیں۔ اسی طرح جنوں اور انسانوں میں سے ہر نبی کے معاندین اور دشمن گزرے ہیں، جو لوگوں کو چکنی چپڑی باتیں سکھا کر گمراہ کیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ ان کی مخالفت پر رنجیدہ نہ ہوں۔ اگر آپ کا رب چاہتا کہ شیاطین انبیاء کے دشمن نہ ہوں یا وہ دلوں میں گمراہ کن خیالات پیدا نہ کریں تو شیاطین انبیاء سے دشمنی نہ کرتے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت ہے کہ ہر نبی کا انہی لوگوں میں سے دشمن ہوتا ہے۔ پس ان سے درگزر کیجئے اور ان کے جھوٹ اور افتراء پردازی کو خاطر میں نہ لائیے۔

جنوں اور انسانوں میں شیطان پیدا کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں وہی لوگ آئیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہیں۔ اور وہ ان کی باتوں کو دل سے صحیح اور حق سمجھتے ہیں۔ جب آدمی کسی بات کو دل سے حق اور سچ سمجھنے لگتا ہے اور آخرت سے بے فکر ہو جاتا ہے تو وہ دل کھول کر برے کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ حد سے بڑھتا ہے تو پھر یکایک اس کو پکڑ لیا جاتا ہے۔ (ابن کثیر ۱۶۶، ۱۶۷ / ۲)

قرآن کی حقّانیت

۱۱۴، ۱۱۷۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اس نے تو تمہارے پاس واضح کتاب بھیج دی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی

ہے وہ تو یہ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) حقیقت میں آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے ۔ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اور آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے ۔ اس بات کو بدلنے والا کوئی نہیں ۔ وہی خوب سننے والا اور جاننے والا ہے ۔ اور دنیا میں اکثر لوگ ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا مان لیں تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے گمراہ کر دیں ، وہ تو محض خیالات پر چلتے ہیں اور وہ محض قیاس لڑاتے ہیں ۔ بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہیں ۔

اَلْمُمْتَرِیْنَ: شک کرنے والے ۔ تردد کرنے والے ۔ اِمْتِرَاءٌ سے اسم فاعل ۔

یَخْرُصُوْنَ: وہ انکل دوڑاتے ہیں ۔ وہ قیاسی باتیں کرتے ہیں ۔ خَرْصٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول: قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ اپنے اور ہمارے اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ثالث مقرر کردو ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

(مظہری ۳۱۴ / ۳)

تشریح: ان آیات میں ان دلائل کا بیان ہے جن سے بدیہی طور پر قرآن کریم کا حق اور کلام الٰہی ہونا ثابت ہے ۔ پہلی آیت کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان رسالت و نبوت میں اختلاف ہے ۔ میں اس کا مدعی ہوں اور تم منکر ۔ اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کا فیصلہ میرے حق میں فرما دیا ہے ۔ میرے اس دعوے کا سب سے بڑا ثبوت اور دلیل خود قرآن کا اعجاز ہے جس نے تمام اقوام عالم کو چیلنج کیا کہ اگر اس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی کو شبہ ہے تو وہ اس کلام کی ایک چھوٹی سی سورت یا آیت کی مانند کوئی سورت بنا کر لائے ۔ جس کے جواب سے تمام عرب عاجز رہا ۔ اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ختم کرنے کے لئے اپنی جان و مال اور اولاد و آبرو سب کچھ قربان کر رہے تھے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جو قرآن کے مقابلے کے لئے ایک دو آیت ہی پیش کر دیتا ۔ یہ کھلا معجزہ کیا قبول حق کے لئے کافی نہ تھا کہ ایک اُمّی جس نے کہیں کسی سے تعلیم نہیں پائی اس کے پیش کئے ہوئے کلام کے مقابلے سے پورا عرب ہی نہیں بلکہ پورا جہان عاجز و بے بس ہو جائے ۔ یہی اللہ تعالیٰ کا واضح فیصلہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں اور قرآن کریم اس کا

کلام ہے۔

پہلی آیت میں اسی کے بارے میں فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اس واضح فیصلے کے بعد میں کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں ۔ اس کے بعد قرآن کریم کے چار خصوصی کمالات و امتیازات کا بیان ہے جو اس کے حق اور کلام الٰہی ہونے کا ثبوت ہیں ۔

(۱) یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ۔

(۲) یہ ایک ایسی کامل اور معجز کتاب ہے کہ سارا جہاں اس کے مثل بنانے سے عاجز ہے ۔

(۳) اس میں تمام اہم اور اصولی مضامین تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں ۔

(۴) اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام حق ہے ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان واضح دلائل کے بعد آپ قرآن کے کتاب اللہ ہونے کے بارے میں شبہ میں نہ پڑیں ۔ دوسری آیت میں قرآن مجید کی دو امتیازی صفات کا بیان ہے ۔

(۱) سچائی ، انصاف اور اعتدال کے اعتبار سے آپ کے رب کا کلام کامل ہے ۔

(۲) اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں ۔

بدلنے کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس میں غلطی ثابت کرے تو اس غلطی کی اصلاح کے لئے اس میں تبدیلی کی جائے ۔ یا یہ کہ کوئی دشمن زبردستی اس کو بدل ڈالے ۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ان سب چیزوں سے بالاتر اور پاک ہے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے :

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

بیشک ، ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ، ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے ۔ (الحجر آیت ۹)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تمام گفتگو کو سنتا ہے اور وہ سب کے حالات سے واقف ہے ۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا ۔ تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ زمین پر بسنے والے لوگوں کی اکثریت گمراہی پر ہے ۔ آپ اس سے مرعوب نہ ہوں اور نہ ان کی باتوں پر کان دھریں ۔ اگر آپ ان کے کہنے پر چلنے لگے تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے کیونکہ وہ عقائد و نظریات میں محض خیالات اور اوہام کے

پیچھے چلتے ہیں۔ اور اٹکل سے کام لیتے ہیں۔ یقیناً وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے بے راہ ہونا آسان کر دیتا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں اور وہ ان کے لئے ہدایت پر چلنا آسان کر دیتا ہے۔ پس قیامت کے روز جس طرح گمراہ لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی اسی طرح سیدھی راہ پر چلنے والوں کو انعام واکرام سے نوزا جائے گا۔ (معارف القرآن ۴۲۸۔ ۴۳۱ / ۳)

اللہ کے نام کا ذبیحہ

۱۱۸، ۱۱۹۔ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝

پس (ذبح کے وقت) جن جانوروں پر اللہ کا نام لیا جائے ان کو کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر یقین رکھتے ہو اور اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ تم پر واضح کر چکا ہے کہ جو کچھ اس نے تم پر حرام کیا ہے مگر یہ کہ اضطراری حالت میں تم کسی حرام کے کھانے پر مجبور ہو جاؤ۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بہت سے لوگ تو بلا تحقیق اپنے خیالات پر بہکاتے رہتے ہیں۔ بیشک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

شانِ نزول: ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وجہ ہے کہ جس (جانور) کو ہم خود قتل کریں اس کو کھالیں اور جس کو ہمارے ذبح کئے بغیر اللہ مار ڈالے اس کو نہ کھائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۱۵ / ۳)

تشریح: کفار جس طرح خون وغیرہ ناپاک چیزوں کو کھا جایا کرتے تھے اسی طرح وہ اس

جانور کو بھی کھا لیتے تھے جو خود بخود مر جاتا تھا یا بتوں پر چڑھایا جاتا اور پھر کسی طرح مر جاتا۔ اس کے برعکس ذبح کئے ہوئے جانور کو اپنا مارا ہوا سمجھ کر نہیں کھاتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں حکم دیا کہ جو جانور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو اس کو کھاؤ اور حلال (ذبیحہ) کو حرام اور حرام (مُردار) کو حلال قرار دینے میں کافروں کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اس کو حلال سمجھ کر کھاؤ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس سے پرہیز کرو

دوسری آیت میں فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم اس جانور کو نہ کھاؤ جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو تمہارے لئے حرام کیا ہے ان کی تفصیل تو وہ خود بیان کر چکا ہے۔ البتہ اضطرار اور مجبوری کی حالت میں تمہارے لئے وہ بھی حلال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو جہالت کی بنا پر اپنے من گھڑت خیالات اور الٹی سیدھی باتوں کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ حد سے تجاوز کرتے ہوئے حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جاتے ہیں اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ (مظہری ۳۱۶ / ۳)

گناہوں سے اجتناب کی تاکید

۱۲۰۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ○

اور (اے لوگو!) تم ظاہری و باطنی سب گناہ چھوڑ دو۔ بیشک جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔

وَذَرُوْا: اور تم چھوڑ دو۔ وَذْرٌ سے امر۔

يَقْتَرِفُوْنَ: وہ کماتے ہیں۔ وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اِقْتِرَافٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں ظاہری اور باطنی تمام گناہ چھوڑنے کی تاکید ہے۔ ظاہری گناہ وہ ہیں جن کا تعلق جسمانی اعضاء ناک، کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ سے ہے۔ باطنی گناہ وہ ہیں

جن کا تعلق دل اور اندرونی جذباتِ نفس سے ہے۔ جو لوگ گناہ کے کام کرتے ہیں ان کو بہت جلد ان کے کئے کی سزا دی جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اثم یعنی گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ گناہ وہ ہے جس کی کھٹک تمہارے دل میں ہو اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ تمہارا یہ عمل کسی پر ظاہر ہو جائے

(حقانی ۳۵۸ / ۲، مظہری ۳۱۶ / ۳)

غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ

۱۲۱۔ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ○

اور ایسے جانور کو مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بیشک (ایسے جانور میں سے کھانا) گناہ ہے اور بیشک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو بیشک تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

لَفِسْقٌ: البتہ فسق ہے۔ البتہ شرعی حدود سے تجاوز کرنا۔ البتہ نافرمانی کرنا۔ البتہ گناہ کرنا۔ مصدر ہے۔

لَيُوْحُوْنَ: البتہ وہ دل میں ڈالتے ہیں۔ اِيْحَاءٌ سے مضارع۔

لِيُجَادِلُوْكُمْ: تاکہ وہ تم سے جھگڑا کرے۔ مُجَادَلَةٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں اس جانور میں سے کھانے کی ممانعت کی گئی ہے جس پر ذبح کے وقت قصداً اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ایسے جانور میں سے کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ مشرکین مسلمانوں سے اس بارے میں جھگڑا کرتے تھے کہ تم اپنے مارے ہوئے کو (ذبح کئے ہوئے کو) تو حلال کہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے مارے ہوئے کو حرام بتاتے ہو۔ اس آیت میں مشرکین کے اسی خیال کو شیطانی القاء اور وسوسہ کہا گیا ہے۔ پھر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم عقائد اور حلال و حرام میں

خدا نخواستہ ان لوگوں کا کہنا ماننے لگ گئے تو تم بھی شرک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ دینی امور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت چھوڑ کر دوسروں کے کہنے پر چلنا اور ان کو قابل اتباع ماننا بھی شرک ہے۔

مومن و کافر کی مثال

۱۲۲، ۱۲۳۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○

بھلا کیا ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو روشنی دے دی جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے، اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہوا ہے (اور) وہاں سے نکل نہ سکتا ہو۔ اسی طرح ہم نے کافروں کے اعمال ان کی نگاہوں میں مزین کر دئے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے گنہگار لوگ سردار بنا دیئے تاکہ وہ وہاں مکر و فریب کریں اور ان کا مکر صرف انہی کے لئے ہے اور ان کو اس کا شعور نہیں۔

شانِ نزول: ابو الشیخؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عمر بن خطابؓ اور ابو جہل کے حق میں ہوا۔ ابن جریرؒ نے ضحاک کی روایت سے ایسا ہی واقعہ نقل کیا ہے۔

بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آیت میں حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ اور ابو جہل مراد ہیں۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر (اونٹ کا) اوجھ ڈال دیا تھا۔ حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آرہے تھے کہ ان کو ابو جہل کی اس حرکت کی اطلاع ملی۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں کمان تھی۔ یہ واقعہ حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے سے پہلے کا ہے۔ حضرت حمزہؓ غصہ میں بھرے ہوئے کمان لے کر ابو جہل کے پاس پہنچے۔ ابو جہل

عاجزی کے ساتھ کہنے لگا کہ ابو یعلی دیکھو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پیش کر رہے ہیں۔ یہ تو ہماری عقلوں کو بیوقوف بتاتے، ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے اور ہمارے اسلاف کی مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ تم سے زیادہ احمق کون ہو گا کہ اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا کرتے ہو۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عکرمہؒ اور کلبیؒ نے کہا کہ یہ آیت حضرت عمار بن یاسرؓ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی، اس آیت کے الفاظ میں عموم ہے اور مذکورہ تینوں حضرات حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے۔ اس لئے ان تینوں میں ہر ایک کو اس آیت کا مورد نزول قرار دیا جا سکتا ہے۔ (مظہری ۳۱۹۔ ۳۲۰ / ۳)

تشریح: یہاں مومن و کافر کی مثال بیان کی گئی ہے کہ مومن اسلام لانے سے پہلے کفر و ضلالت کی حالت میں مردہ کی مانند تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب کو ایمان و اتباع رسول کی دولت عطا فرما کر زندہ کر دیا اور اس کو قرآن کی روشنی عطا فرمائی جس کو لے کر وہ لوگوں کے ہجوم میں بے تکلف سیدھے راستے پر چل رہا ہے۔ ایسا شخص قابل اطاعت اور لائق اتباع ہے۔ یہ مومن اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو اپنے کفر و جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے اور حیران و سرگرداں ہے۔ وہ ان تاریکیوں سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا۔ ایسا شخص قابل اتباع نہیں ہو سکتا لہٰذا جس کو ایمان کی روشنی مل گئی وہ کفر کی تاریکی والے کی اتباع کیوں کرے۔

مسند احمدؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا، پھر ان پر اپنے نور کی بارش کی۔ پس جس نے اس نور کو پالیا اس کو ہدایت مل گئی اور جس نے اس نور کو نہیں لیا وہ دنیا میں گمراہ رہ گیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (ہود آیت ۲۴)

دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک تو اندھا اور بہرا ہے اور دوسرا دیکھتا اور سنتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے؟

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝ (فاطر آیات ۱۹تا۲۳)

اور نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے اور نہ تاریکی اور نور اور نہ سایہ اور گرمی اور نہ زندہ اور مردہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے۔ اور آپ قبر کے مردے کو نہیں سنا سکتے۔ آپ تو صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خبردار کرنے والے ہیں۔

دوسری آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح آپ کی بستی میں مالدار اور بڑے بڑے لوگ (مکہ کے سردار) مجرم اور کافر ثابت ہوئے ہیں جو خود بھی کفر پر قائم ہیں اور دوسروں کو بھی کفر کی طرف بلاتے ہیں اور آپ کی مخالفت و عداوت میں بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اسی طرح آپ سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں سے دشمنی کرنے والے بھی ایسے ہی دولت مند لوگ ہوتے تھے۔ پھر ان کو جو سزا ملی وہ معلوم ہی ہے۔ یہاں اکابر کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لئے کیا گیا کہ بڑے لوگ چھوٹے لوگوں کو اپنا تابع بنانے کی زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔

پھر جب ہم کسی بستی کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے مالدار لوگوں کو جرائم کے ارتکاب میں لگا دیتے ہیں۔ جب وہ خوب دل کھول کر شرارتیں اور فسق و فجور کرنے لگتے ہیں تو ہم ان کے مکر و فریب اور شرارتوں کے نتیجہ میں ان کو ہلاک و برباد کر دیتے ہیں اور وہ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ (ابن کثیر ۱۷۲/ ۲، مظہری ۳۲۰ / ۳)

عطیہء خداوندی

۱۲۴۔ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ

اَلَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَاللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ؀

اور جب ان کے پاس کوئی معجزہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں قائم کرے۔ (کس کو دے) اللہ کے ہاں عنقریب، گنہگاروں کو ذلت پہنچے گی اور ان کی مکاریوں کی وجہ سے ان کو شدید عذاب پہنچے گا۔

سَيُصِيْبُ: عنقریب وہ پہنچے گا۔ عنقریب وہ برسائے گا۔ اِصَابَۃٌ سے مضارع۔

صَغَارٌ: خرابی۔ ذلت۔ خواری۔ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔

يَمْكُرُوْنَ: وہ مکر کرتے ہیں۔ وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں۔ مَكْرٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بغویؒ نے قتادہؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ عبد مناف کی اولاد نے شرف میں ہم سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ جب ریس کے دو گھوڑوں کی طرح (مقابلے پر) دوڑنے لگے تو انہوں نے اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس وحی آتی ہے۔ خدا کی قسم ہم اس کو نہیں مانیں گے اور نہ کبھی اس کے تابع بن کر رہیں گے ہاں اگر ہمارے پاس بھی اسی طرح وحی آجائے جس طرح اس کے پاس آتی ہے تو مان لیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا تھا کہ اگر نبوت واقعی کوئی ضروری چیز ہے تو میں نبوت کا آپ سے زیادہ حقدار ہوں۔ میں عمر میں بھی آپ سے زیادہ ہوں اور مال میں بھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۲۱ / ۳)

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی نبوت و رسالت کس کو عطا فرمائے۔ ان بیوقوف مشرکوں نے اپنی حالت سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ نبوت و رسالت بھی کوئی کسبی اور اختیاری چیز ہے جیسے خاندانی شرافت یا قوم کی سرداری اور مالداری کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کا عہدہ ہے جس کا حاصل کرنا کسی کے اختیار میں نہیں۔ کوئی شخص اپنے علمی و عملی کمالات و مجاہدات کے زور سے نبوت و رسالت حاصل نہیں کرسکتا اور نہ یہ مقامات ولایت میں بلند پروازی کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ بلکہ یہ تو محض فضلِ خداوندی اور عطیہ ربانی ہے جو وہ اپنے علم و حکمت کے ماتحت اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے

البتہ جس شخص کو یہ عہدہ دینا منظور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ شروع ہی سے اس کے اخلاق و اعمال کی خاص تربیت فرماتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ مشرکین و معاندین جو اپنی قوم میں بڑے اور رئیس کہلاتے ہیں، عنقریب ان کی بڑائی اور عزت خاک میں ملنے والی ہے اور اللہ کے پاس ان کو سخت ذلت و رسوائی پہنچنے والی ہے اور ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔

اللہ کے پاس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے روز یہ لوگ اللہ کے سامنے ذلیل و خوار ہو کر حاضر ہوں گے اور پھر ان کو سخت عذاب دیا جائے گا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگرچہ اس وقت ظاہر میں یہ بڑے عزت دار اور رئیس ہیں، لیکن اللہ کی طرف سے ان کو سخت ذلت و رسوائی پہنچنے والی ہے، جو دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی۔ جیسا کہ انبیاء کے مخالفین کے ساتھ ہوتا رہا۔ سرداران مشرکین بھی جو اپنی عزت و مالداری کی ڈینگیں مارا کرتے تھے یا تو ایک ایک کر کے اسلام میں داخل ہو گئے یا پھر ذلیل و خوار ہو کر ہلاک و برباد ہو گئے۔ جیسے ابو جہل، ابولہب وغیرہ۔ (معارف القرآن ۳۴۴ / ۳)

دین کے لئے شرح صدر

۱۲۵۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

پس اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے گویا کہ وہ زور لگا کر آسمان پر چڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر اسی طرح عذاب ڈالے گا۔

يَشْرَحْ : وہ کھولتا ہے۔ وہ کشادہ کرتا ہے۔ شَرْحٌ سے مضارع۔

صَدْرَهٗ : اس کا سینہ۔

ضَيِّقاً: تنگ۔ ضَيْقٌ سے صفت مشبہ۔

حَرَجًا: حرج۔ تنگی۔ گناہ۔ مصدر ہے۔

يَصَّعَّدُ: وہ مشکل سے چڑھتا ہے۔ تَصَعُّدٌ سے مضارع۔

اَلرِّجْسَ: گندگی۔ ناپاکی۔ پھٹکار۔ جمع اَرْجَاسٌ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت پانے والوں اور گمراہی پر جمے رہنے والوں کے حالات و علامات بیان فرمائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

حاکمؒ نے مستدرک میں اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت بیان کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرح صدر (اسلام کے لئے سینہ کھول دینے) کی تفسیر دریافت کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ایک نور ڈال دیتا ہے جس سے اس کا دل حق بات کو دیکھنے، سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے کھل جاتا ہے۔ اور وہ حق بات کو آسانی سے قبول کرنے لگتا ہے اور خلاف حق سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کی کوئی علامت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کی ساری رغبت اور میلانِ قلب آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ وہ دنیاوی خواہشات اور فانی لذتوں سے گھبرانے لگتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنے لگتا ہے۔

اس کے برعکس جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں رکھنا چاہتا ہے تو وہ اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے جس سے اس کے لئے حق بات کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ایسا دشوار ہو جاتا ہے جیسے کسی انسان کے لئے آسمان پر چڑھنا دشوار ہو۔

امام تفسیر کلبیؒ نے فرمایا کہ اس کا دل تنگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حق اور بھلائی کے لئے کوئی راستہ نہیں رہتا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جب وہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو اس کو وحشت ہونے لگتی ہے اور جب وہ کفر و شرک کی باتیں سنتا ہے تو ان میں دل لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں کے دلوں پر اسی طرح پھٹکار ڈال دیتا ہے اور حق بات ان کے دل میں نہیں اترتی اور وہ برائی کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔

(معارف القرآن ۴۴۴، ۴۴۵ / ۳)

صراطِ مستقیم

۱۲۶، ۱۲۷۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور یہی (اسلام) آپؐ کے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ ان (ایمان داروں) کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور ان کے اعمال کے سبب وہی ان کا کارساز ہے۔

صِرَاطٌ: راستہ۔ راہ

مُسْتَقِيْمًا: سیدھا۔ درست۔ صحیح۔

دَارٌ: گھر۔ عالم۔ جمع دیار۔

ربط: قرآن کریم جو بذات خود ایک عظیم ترین معجزہ ہے، وہ آپؐ کی نبوت و رسالت کی ایک روشن دلیل بھی ہے۔ اور اہل کتاب کے علماء اس کی حقانیت سے واقف بھی ہیں۔ ایسی واضح اور عظیم دلیل کے بعد کسی اور معجزہ کی فرمائش کی ضرورت نہیں تھی مگر جن کے دل میں قبول حق کا مادہ ہی نہ ہو وہ ایمان نہیں لا سکتے۔ اس کے بعد حلال و حرام ذبیحوں کا بیان تھا کہ حرام و حلال کے بارے میں اللہ ہی کا حکم چلتا ہے۔ بندوں کے فیصلوں کا اعتبار نہیں۔ پھر مومن و کافر کی مثال بیان کی گئی تاکہ دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے۔ ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم ہی صراط مستقیم ہے جو وحی کے ذریعہ آپؐ کو عطا فرمایا گیا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ جو قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے اور جس طریقہ اور راستہ کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے وہی سیدھا راستہ ہے۔ اس کے سوا جتنے راستے ہیں وہ سب ٹیڑھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیتوں کو نہایت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ اہل عقل و فراست اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس جنت یعنی سلامتی کا گھر ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے اعمال صالحہ

کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ ان کے تمام امور میں ان کا کارساز و مددگار ہے۔
(ابن کثیر ۱۷۵/ ۲)

جنّوں سے باز پرس

۱۲۸، ۱۲۹۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کر کے (پوچھے گا) اے جنوں کی قوم تم نے بہت سے انسانوں کو اپنے تابع کر لیا تھا اور انسانوں میں سے ان کے دوست عرض کریں گے کہ اے پروردگار ہم (دنیا میں) ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے اور (اب) ہم اپنے اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ رہو گے۔ مگر ہاں جو اللہ چاہے بیشک آپ کا رب حکمت والا (اور) خبردار ہے۔ اور اسی طرح ہم (وہاں بھی) گنہگاروں کو ان کے اعمال کے سبب ایک دوسرے سے ملا دیں گے۔

يَحْشُرُهُمْ: وہ ان کو جمع کرے گا۔ وہ ان کو اکٹھا کرے گا۔ حَشْرٌ سے مضارع۔
اسْتَكْثَرْتُمْ: تم نے بہت زیادہ کر لیا۔ تم نے کثرت سے کیا۔ اِسْتِكْثَارٌ سے ماضی۔
اِسْتَمْتَعَ: اس نے فائدہ حاصل کیا۔ اس نے کام نکالا۔ اِسْتِمْتَاعٌ سے ماضی۔
بَلَغْنَا: ہم پہنچے۔ بُلُوْغٌ و بَلَاغٌ سے ماضی۔
اَجَلَنَا: ہمارا وقت۔ ہماری مدت۔ ہماری موت۔ جمع آجَالٌ۔
مَثْوٰىكُمْ: تمہارے رہنے کی جگہ۔ تمہارا ٹھکانا۔
نُوَلِّيْ: ہم پھیر دیں گے۔ ہم مسلط کر دیں گے۔ ہم ملا دیں گے۔ تَوْلِيَةٌ سے مضارع۔

تشریح: وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کرے گا اور جنوں شیطانوں اور ان کے انسانی مددگاروں سے کہے گا کہ اے جنوں کے گروہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو مکر و فریب سے بہکا کر اپنے تابع کر لیا اور جنوں کے انسان دوست اقرار کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک تیری بات درست ہے، ہم قصور وار ہیں ہم میں سے ہر ایک ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتا رہا۔

حسنؒ کہتے ہیں کہ ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنا یہ تھا کہ شیاطین حکم دیتے تھے اور یہ نادان انسان اس پر عمل کرتے تھے۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ زمانہ، جاہلیت میں جب کوئی شخص سفر کرتے ہوئے کسی وادی میں بھٹک جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میں اس وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ لیتا ہوں، یہی فائدہ اٹھانا تھا اور جنوں کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا یہ تھا کہ انسان ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے اور انسانوں سے انہیں بزرگی ملتی تھی چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہم جنوں اور انسانوں کے سردار ہیں۔

اس کے بعد جنوں کے انسان دوست کہیں گے کہ اے اللہ تو نے ہمارے لئے جو وقت مقرر کیا تھا وہ، ہم نے پورا کر لیا اور قیامت آگئی جس کو ہم جھٹلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تم توبہ کے بغیر اپنی مقررہ مدت پوری کر کے ہمارے سامنے پیش ہو گئے تو اب تمہارا اور تمہارے اولیاء کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔ اس سے رہائی کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی کو نکالنا چاہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ حکمت و علم والا ہے۔ اس کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں۔ (ابن کثیر۱۷۶/ ۲)

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے کفار جن و انس کو بے مدد چھوڑ دیا اور ان کو ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ اسی طرح ہم بعض کافروں کو ان کے اعمال کے سبب، بعض کا دوست بنا دیتے ہیں۔ مومن کا دوست مومن کو خیر پر ابھارتا ہے اور نیکی میں اس کی مدد کرتا ہے اور کافر کا دوست کافر کو شر پر اکساتا ہے اور شر میں اس کی مدد کرتا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ایک قسم کے اعمال نیک یا بد کرنے والے ایک ساتھ کر دئے جائیں گے۔ نیک آدمی نیکوں کے ساتھ جنت میں اور بد دوسرے بدوں کے ساتھ جہنم میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

کلبیؒ نے بروایت ابو صالح حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ جب اللہ

تعالیٰ کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو نیک لوگوں کو ان کے امور کا حاکم بنا دیتا ہے اور اگر کسی قوم کی برائی چاہتا ہے تو بدوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے۔ اس قول کی روشنی میں آیت کا ترجمہ اس طرح ہو گا کہ ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں اور ظالم کے ذریعہ ظالم کی گرفت کرتے ہیں۔

(مظہری ۳۲۴، ۳۲۵ / ۳، معارف القرآن ۴۵۲ / ۳)

کافروں کا اقرارِ جرم

۱۳۰۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت، کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے جو تمہیں میرے احکام سناتے تھے اور تمہیں ڈراتے تھے اسی دن کے پیش آنے سے۔ وہ سب کہیں گے کہ ہم اپنے اوپر گواہ ہیں، یعنی اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہیں اور ان کو تو دنیا کی زندگی نے فریب میں ڈال رکھا تھا اور وہ خود ہی اپنے بارے میں گواہی دیں گے کہ بیشک وہ کافر تھے۔

يَقُصُّوْنَ: وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ سناتے ہیں۔ قَصَصٌ سے مضارع۔

لِقَآءَ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

غَرَّتْهُمْ: اس (دنیاوی زندگی) نے انہیں فریب دیا۔ اس نے انہیں دھوکہ دیا۔ غُرُوْرٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر جنوں اور انسانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کفر و نافرمانی میں مبتلا رہے۔ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے، جو تمہیں میں سے تھے۔

رسول صرف انسانوں میں ہوئے ہیں جنوں میں نہیں ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول بنی آدم میں ہوتے ہیں اور جنوں میں صرف ڈرانے والے ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے

عذاب سے ڈراتے ہیں۔

یہ رسول تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور قیامت کے دن کی پیشی سے ڈراتے تھے ۔ اس کے جواب میں وہ کافر جن و انسان کہیں گے کہ ہم اپنے خلاف شہادت دیتے ہیں کہ پیغمبروں نے ہمیں تیرا پیغام پہنچا دیا تھا اور ہم نے ماننے سے انکار کیا تھا۔

مقاتلؒ کا قول ہے کہ کافر یہ شہادت اس وقت دیں گے جب ان کے ہاتھ پاؤں ان کے شرک و کفر کی شہادت دے چکے ہوں گے اور ان کے پاس اقرار کے سوا کوئی چارہء کار نہ ہو گا۔

پھر فرمایا کہ ان کو دنیاوی زندگی نے فریب دے رکھا تھا۔ وہ دنیاوی زندگی میں افراط و تفریط میں مبتلا تھے ، انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور معجزات کی مخالفت کی ۔ آخر کار وہ اپنی بداعمالیوں اور بغض و عناد کے سبب ہلاک و برباد ہوئے اور قیامت کے روز وہ خود اپنے کافر ہونے کی گواہی دیں گے ۔ (مظہری ۳۲۵، ۳۲۶ / ۳)

بے خبری میں عذاب نہ دینا

۱۳۱، ۱۳۲۔ ذٰلِکَ اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ ○ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ○

یہ اس لئے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو ان کے ظلم (کفر) کے سبب ان کی بے خبری میں ہلاک کرنے والا نہیں اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے سبب درجے ہیں اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔

مُھْلِکَ: ہلاک کرنے والا ۔ اِہْلَاکٌ سے اسم فاعل۔

اَلْقُرٰی: بستیاں ۔ باشندے ۔ دیہات ۔ واحد قَرْیَۃٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف اور رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک وہ کسی قوم کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ غفلت سے بیدار نہ کر دے اور ان کو دعوت توحید نہ پہنچا دے ، اس وقت تک وہ ان کو غفلت اور بے خبری کی حالت میں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا ۔ اگر وہ کسی قوم پر عذاب بھیجتا ہے تو پہلے وہاں رسولوں کو بھیج کر تکمیل حجت کرتا ہے جیسا کہ فرمایا کہ کوئی بستی ایسی

نہیں جہاں ہم نے کوئی ڈرانے والا رسول اپنی طرف سے نہ بھیجا ہو اور فرمایا کہ ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو ۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ ہم کسی پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کہ ان کے پاس رسول نہ بھیج دیں ۔

اگر اللہ تعالیٰ غفلت میں کسی کو پکڑتا تو وہ کہتے کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا دوسرے یہ کہ رسول نہ بھیجنے کی صورت میں ان پر ظلم کرنا لازم آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ۔

پھر فرمایا کہ ہر نیک و بد عمل کرنے والے کے لئے اس کے عمل کے لحاظ سے درجات ہوں گے ۔ اگر اس کا عمل خیر ہو گا تو اس کا نتیجہ بھی خیر ہی ہو گا اور اگر عمل بد ہو گا تو اس کا نتیجہ بھی بد ہو گا ۔ پس اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے کسی کو بہت بڑا اجر و ثواب اور مرتبہ، قرب نصیب ہو گا اور کوئی رحمتِ خداوندی سے دور سخت ترین عذاب میں پڑا ہو گا ۔ اللہ تعالیٰ کسی کے عمل سے غافل نہیں ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں ۔ جب بھی وہ اس کی طرف لوٹیں گے تو ان کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا ۔ (ابن کثیر ۱۷۷، ۱۷۸ / ۲)

کافروں کے لئے سخت وعید

۱۳۳، ۱۳۴۔ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُوالرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

اور آپ کا رب غنی ہے (اور) رحمت والا ہے ۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے جیسا کہ تمہیں اور لوگوں کی نسل سے پیدا کیا ۔ بیشک جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آنے والا ہے ۔ اور تم ہرگز روک نہ سکو گے ۔

يَسْتَخْلِفْ : وہ خلیفہ بناتا ہے ۔ وہ جانشین بناتا ہے ۔ وہ آباد کرتا ہے ۔ اِسْتِخْلَافٌ سے مضارع

اَنْشَاَكُمْ : اس نے تم کو پیدا کیا ۔ اس نے تمہاری پرورش کی ۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی ۔

بِمُعْجِزِيْنَ : عاجز بنانے والے ۔ روکنے والے ۔ اِعْجَازٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: آپ کا پروردگار تمام مخلوق سے بے نیاز اور رحیم و کریم ہے۔ تمام احول میں سب اسی کے محتاج ہیں۔ اس کو کسی کی عبادت اور بندگی کی ضرورت نہیں اور نہ وہ کسی کی اطاعت و فرماں برداری کا محتاج ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر رحمت کرنے والا ہے۔ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے رسول بھیجتا ہے۔ گناہوں کے باوجود وہ گنہگاروں کو ڈھیل دیتا ہے اور ان کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ اگر وہ چاہے تو تمہارے گناہوں کی پاداش میں تم سب کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ جس کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔ جس طرح ان نے دوسرے لوگوں کی نسل سے تمہیں پیدا کر کے ان کو فنا کر دیا۔ اللہ کے لئے یہ ذرا دشوار نہیں۔ بلاشبہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ قیامت یا عذاب آنے پر کہیں بھاگ نکلو گے۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے وہ تمہیں ضرور پکڑلے گا۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں پھر سے زندہ کر دے خواہ تم خاک ہی کیوں نہ بن جاؤ۔ تم قیامت کے روز کے حساب و کتاب سے نہیں بچ سکتے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۴۵ / ۲، مظہری ۳۲۷، ۳۲۸ / ۳)

کافروں کی محرومی

۱۳۵۔ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، میں بھی عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب تم جان لو گے کہ آخرت کے گھر کا انجام کس کے لئے اچھا ہے۔ بیشک ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم ان کو نیک و بد اور نفع و نقصان سب بتا چکے ہیں۔ اگر اب بھی یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آتے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے کفر و عناد پر قائم رہو اور میں اپنے اسلام اور صبر پر قائم ہوں۔ مجھے تمہارے کفر و عداوت کی پرواہ نہیں۔ میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں، تم اپنے کفر و دشمنی پر جمے رہو۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کی بھلائی کس کے لئے ہے

بلاشبہ ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے ۔

مشرکین کی نا سمجھی

۱۳۶۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے حصہ مقرر کر کے مشرکین اپنے خیال سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) تو اللہ کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے معبودوں کا، پھر جو حصہ ان کے معبودوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا نہیں اور جو حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتا ہے ۔ کیا ہی برا فیصلہ وہ کرتے ہیں ۔

ذَرَاَ: اس نے پیدا کیا ۔ اس نے پھیلایا ۔ ذَرْءٌ سے ماضی ۔

اَلْحَرْثِ: کھیتی ۔

اَنْعَامِ: مویشی ۔ چوپائے ۔ واحد نَعَمٌ ۔

نَصِيْبًا: حصہ ۔ ٹکڑا ۔ قسمت ۔ جمع نُصُبٌ ۔

بِزَعْمِهِمْ: اپنے گمان سے ۔ اپنے خیال سے ۔

سَآءَ: وہ برا ہے ۔ سُوْءٌ سے ماضی ۔ یہ فعل ذم ہے ۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ مشرکوں کا دستور تھا کہ اپنی کھیتیوں، باغوں کے پھلوں، مویشیوں کے بچوں اور تمام اموال میں ایک حصہ اللہ تعالیٰ کا اور ایک حصہ بتوں کے لئے مقرر کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ کا حصہ تو مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کرتے تھے اور بتوں کا حصہ نوکروں چاکروں اور خدمت گزاروں پر صرف کرتے ۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں سے کچھ حصہ بتوں کے حصہ میں شامل ہو جاتا تو اس کو علیحدہ نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کو اس کی ضرورت نہیں ۔ لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ اللہ کے حصے میں شامل ہو جاتا تو اس

کو فوراً نکال لیتے اور کہتے کہ یہ حاجت مند ہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اگر اللہ کے حصہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی تو اس کی پرواہ نہ کرتے اور اگر بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی تو اللہ کے حصے میں سے اس کی کمی پوری کر لیتے ۔ (مظہری ۳۲۸ / ۳)

تشریح: اس آیت میں مشرکین کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے بدعتیں اور شرک و کفر پھیلایا اور دوسری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ۔ حالانکہ ہر چیز کا خالق و مالک وہی پاک پروردگار ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ کھیتی کی پیداوار یا مویشیوں کی نسل سے جو کچھ پیدا کرتے ہیں اس میں سے ایک حصہ تو اللہ تعالیٰ کے نام کا نکالتے ہیں اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نام کا ہے ۔ اور یہ ہمارے شرکاء کا ہے ۔ حالانکہ اللہ نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا، بلکہ یہ محض ان کے دماغ کی اختراع ہے ۔ پھر جو شرکاء کے نام کا ہے وہ تو اللہ کے نام پر خرچ نہیں کرتے اور جو اللہ کے نام کا ہے وہ شرکاء کی اغراض میں خرچ کر دیتے ہیں ۔ پس ان کا یہ فیصلہ بہت ہی برا ہے ۔ کیونکہ اول تو کھیتی اور مویشی جو اللہ نے پیدا کئے ہیں ان میں سے غیر اللہ کا حصہ نکالنا ہی غلط ہے ۔ پھر بتوں کو فقیر و محتاج ماننے کے باوجود ان کو معبود کہنا اور بھی شرمناک بات ہے ۔ لہٰذا ان کا یہ فیصلہ سراسر حماقت اور جہالت پر مبنی ہے ۔ (ابن کثیر ۱۷۹ / ۲، مظہری ۳۲۹،۳۲۸ / ۳)

مشرکین کے غلط عقائد

۱۳۷۔ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۤؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَاۤءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کا قتل کرنا مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور تاکہ ان کے دین کو ان کے حق میں خلط ملط کر دیں ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ ایسا کام نہ کرتے ۔ سو آپ ان کو اور ان کی افتراء پردازی کو چھوڑیئے ۔

لِيُرْدُوْهُمْ: تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں ۔ تاکہ وہ ان کو برباد کر دیں ۔ اِرْدَاءٌ سے مضارع ۔

لِيَلْبِسُوْا: تاکہ وہ ملا دیں ۔ تاکہ وہ خلط ملط کر دیں ۔ لَبْسٌ سے مضارع ۔

فَذَرْهُمْ: پس تو ان کو چھوڑ دے۔ وَذْرٌ سے امر۔
يَفْتَرُوْنَ: وہ افترا کرتے ہیں۔ وہ بہتان لگاتے ہیں۔ اِفْتِرَاءٌ سے مضارع۔
تشریح: جس طرح شیاطین نے مشرکین کی نظر میں اللہ کے لئے بتوں سے علیحدہ حصہ مقرر کرنا پسندیدہ بنایا اسی طرح شیاطین نے ان کے اس فعل کو بھی ان کی نظر میں مستحسن بنا دیا کہ وہ افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دیں اور سسرالی رشتہ کی عار کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیں۔ اس جہالت میں مبتلا کرنے سے شیاطین کا ایک مقصد تو مشرکین کو ابدی ہلاکت میں ڈالنا تھا، تاکہ وہ اس جہالت و سنگدلی میں پڑ کر اپنی دنیا و آخرت دونوں کو تباہ و برباد کر لیں۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ ان کا دین مشتبہ ہو جائے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ یہ خراب کام نہ کرتے۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے۔ اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ وہ حکیم مطلق ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ پس آپ ان کو افترا پردازی کرنے دیجئے۔ ان کی فکر میں نہ پڑیئے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کا اور ان کا فیصلہ کر دے گا۔ (ابن کثیر ۱۷۹، ۱۸۰ / ۲)

اللہ پر افتراء کا انجام

۱۳۸، ۱۳۹۔ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

اور وہ لوگ اپنے خیال میں یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی اچھوتی ہے۔ اس کو کوئی نہ کھائے، مگر جسے ہم چاہیں۔ اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر سواری کرنا اور سامان لادنا انہوں نے حرام کر رکھا ہے اور کچھ چوپائے ایسے ہیں کہ جب وہ ان کو ذبح کرتے تو محض اللہ پر افترا پردازی کرتے ہوئے (اس کو اللہ

کا حکم سمجھتے ہوئے) ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے ۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افتراء کی سزا دے گا ۔ اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو بچہ ان کے مویشی کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور وہ ہماری عورتوں پر حرام ہے ۔ اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو اس میں سب شریک ہوں گے ۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دے گا ۔ بیشک وہ حکمت والا ہے ۔

حِجْرٌ : اچھوتی ۔ مخصوص ۔ ممنوع ۔

بُطُوْنِ : پیٹ ۔ واحد بَطْنٌ ۔

وَصْفَهُمْ : ان کی غلط بیانی ۔ ان کا بات گھڑنا ۔ مصدر بھی ہے ۔

تشریح : وہ کہنے لگے کہ یہ کھیتی اور مویشی اللہ اور بتوں کے لئے نام زد کئے گئے ہیں ۔ یہ ممنوع ہیں ۔ ان کے گمان کے مطابق ان کی مرضی کے بغیر ان کو کوئی نہیں کھا سکتا ۔ سوائے مردوں اور بتوں کے مجاوروں کے ۔ یہ تحریم اور ممانعت، ان پر شیاطین کی طرف سے تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ تھی ۔ اسی طرح بعض چوپائے سواری یا بار برداری کے لئے حرام کر رکھے تھے ۔ ان چوپایوں سے مراد بحیرہ (جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیا گیا ہو) سائبہ (بتوں کے نام پر آزاد چھوڑا ہوا جانور) اور حام (وہ نر اونٹ جس کو ایک مدت کے بعد بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے) ہیں کچھ مخصوص چوپایوں کو ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام لینے کی بجائے وہ ان کو بتوں کے نام لے کر ذبح کرتے تھے ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ پر محض افتراء ہے ۔ نہ یہ اللہ کا حکم ہے اور نہ یہ اس کی رضا جوئی کا ذریعہ، بہت جلد اللہ تعالیٰ ان کو اس افتراء پردازی کی سزا دے گا ۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ میں سے زندہ بچے برآمد ہوں تو وہ صرف مردوں کے لئے حلال ہیں اور عورتوں کے لئے حرام ہیں ۔ اگر وہ بچے مردہ حالت میں برآمد ہوں تو وہ مرد و عورت سب کے لئے حلال ہیں ۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دے گا ۔ بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا اور بڑے علم والا ہے ۔ وہ بندوں کے اچھے اور برے اعمال سے خوب واقف ہے وہ انہیں پوری پوری جزا دے گا ۔ (ابن کثیر ۱۸۰ / ۲، مظہری ۳۳۰، ۳۳۱ / ۳)

اولاد کا قتل کرنا

۱۴۰۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا
مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ○

بیشک وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی اور جہالت کی بنا پر قتل کر دیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھ کر اس رزق کو اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا جو اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ بیشک وہ گمراہ ہو گئے اور وہ ہدایت پانے کے لائق بھی نہ تھے۔

تشریح: جو لوگ جہالت اور بیوقوفی سے اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ ان کا بھی رازق ہے اور ان کی اولاد کا بھی وہ لوگ خسارے میں رہے۔ انہی لوگوں نے اللہ پر افتراء باندھتے ہوئے اپنے لئے ان (بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام) جانوروں کو حرام کر لیا جو اللہ نے ان کے لئے حلال ٹھہرائے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑی خرابی، گمراہی اور نقصان کیا ہو گا کہ محض اپنی نادانی اور جہالت کی بنا پر اپنی اولاد سے بھی محروم ہوئے اور زمانے کی نظر میں سنگدل، بد اخلاق اور جاہل بھی مشہور ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی آخرت کے دردناک عذاب کے بھی مستحق ہوئے۔ یہ لوگ واقعی راہ راست سے بھٹک گئے۔ اب کبھی سیدھے راستے پر نہیں آئیں گے۔
(مظہری ۳۳۱ / ۳)

قدرتِ کاملہ کے حیرت انگیز مظاہر

۱۴۱، ۱۴۲۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ
وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ
يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ وَمِنَ

الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۔ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٥

اور وہی تو ہے جس نے باغ اگائے وہ بھی جو ٹیٹوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹیٹوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور اور مختلف قسم کی کھیتی اور زیتون اور انار بھی جو باہم ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور مختلف بھی ہوتے ہیں اور جب ان میں پھل آجائیں تو ان کو کھاؤ اور کٹنے کے دن ان کا حق ادا کر دیا کرو ۔ یعنی زکوٰۃ دے دیا کرو اور اسراف نہ کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (اللہ ہی نے) بلند قد کے اور چھوٹے قد کے مویشی پیدا کئے ۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے کھاؤ ۔ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو ۔ بلاشبہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے ۔

اَنْشَاَ: اس نے پیدا کیا ۔ اس نے پرورش کی ۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی ۔

جَنّٰتٍ: جنتیں ۔ گھنے باغ ۔

مَعْرُوْشٰتٍ: اٹھائے ہوئے ۔ بلند کئے ہوئے ۔ چڑھائے ہوئے ۔ تَعْرِيْشٌ سے اسم مفعول ۔ یہاں درختوں کی وہ بیلیں مراد ہیں جو ٹیٹوں پر چڑھائی جاتی ہیں ۔ جیسے انگور اور بعض سبزیاں ، ترکاریاں ۔ غیر معروشات سے وہ تمام درخت مراد ہیں جن کی بیلیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں ۔ خواہ وہ تنے دار درخت ہوں جن کی بیلیں ہی نہیں ہوتیں یا بیل دار ہوں ۔ مگر ان کی بیلیں زمین پر پھیلتی ہیں ، اوپر نہیں چڑھائی جاتیں ۔ جیسے تربوز ، خربوزہ ، لوکی ، ٹنڈہ ، کھیرا ، ککڑی وغیرہ ۔

النَّخْلَ: کھجور کے درخت ۔ واحد نَخْلَةٌ ۔ اسم جنس ہے ۔

الزَّرْعَ: ہر قسم کی کھیتی ۔ اگانا ۔ کھیتی کرنا ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

اُكُلُهٗ: اس کا پھل ۔

الزَّيْتُوْنَ: زیتون ۔ ایک مشہور درخت کا نام ہے جس سے روغن نکلتا ہے ۔ درخت کو بھی زیتون کہتے ہیں ۔ اور پھل کو بھی ۔

الرُّمَّانَ: انار ۔ واحد رُمَّانَةٌ ۔

اٰتُوْا: تم دو ۔ تم ادا کرو ۔ اِيْتَاءٌ سے امر ۔

حَقَّهٗ: اس کا حق ۔ یہاں غریبوں، مسکینوں کا حصہ مراد ہے ۔

حَصَادِہٖ: اس (کھیتی) کی کٹائی ۔ مصدر ہے ۔

یَوْمَ حَصَادِہٖ: کھیتی کٹنے ۔ یا پھل توڑنے کا وقت ۔

حَمُوْلَۃً: بلند قد والے ۔ بار بردار ۔ بوجھ اٹھانے والے ۔ حَمْلٌ سے صفت مشبہ ۔

فَرْشًا: چھوٹے قد والے ۔ فرش کرنا ۔ بچھانا

خُطُوٰتِ: قدم ۔ واحد خُطْوَۃٌ

ربط: قیامت کے روز جنوں سے باز پرس اور کافروں سے اقرار جرم کے بیان کے بعد بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو غفلت اور بے خبری میں عذاب نہیں دیتا بلکہ پہلے وہ ان کو انبیاء کے ذریعہ دعوت توحید دے کر ان کی غفلت و بے خبری کو دور کرتا ہے ۔ اس کے بعد کافروں کے لئے سخت وعید اور مشرکین کی مذمت ہے ۔ پھر مشرکین کی جاہلانہ رسموں اور عادتوں کا بیان ہے ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے حیرت انگیز کمالات کا بیان ہے ۔

تشریح: تمام حیوانات و نباتات کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔ تمام جانور و باغات اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں ۔ ان سب کی تخلیق میں ذرہ برابر بھی کوئی اس کا شریک نہیں ۔ پھر تم کیوں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو ۔ حقیقت میں اللہ تو وہی ہے جس نے تمہارے لئے قسم قسم کی نعمتیں پیدا کیں تاکہ تم ان کے ذریعہ اپنے منعم حقیقی کو پہچانو ۔ اسی نے تمہارے لئے مختلف قسم کے باغات پیدا کئے ۔ کچھ تو انگور کی طرح ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ نہیں چڑھائے جاتے ۔ جیسے وہ پھل دار درخت اور پودے جو جنگلوں اور پہاڑوں میں لگتے ہیں ۔ اسی نے کھجور اور کھیتی کو پیدا کیا اور اسی نے زیتون اور انار پیدا کئے ۔ ان کے پھل یکساں بھی ہوتے ہیں اور جداگانہ بھی ۔ یہ سب اسی کی قدرت کے کرشمے اور اسی کی رحمت و عنایت کے نمونے ہیں ۔ اس نے تمام چیزیں تمہاری غذا اور لذت کے لئے پیدا کیں ۔ لہٰذا جب ان پودوں اور درختوں میں پھل آجائیں تو تم یہ پھل کھاؤ اور اس کی نعمت کی قدر کرو اور اس کا شکر ادا کرو اور جب پھل توڑو اور کھیتی کاٹو تو اس وقت غریبوں کا حصہ بھی ادا کرو اور ناجائز باتوں میں خرچ کر کے شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ اللہ تعالیٰ کا دوست تو وہ ہے جو شرعی حدود کے اندر رہ کر خرچ کرے ۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کچھ چوپائے تو بوجھ اٹھانے والے بنائے جیسے اونٹ، گھوڑا،

گدھا اور خچر وغیرہ ۔ جن سے تم بار برداری اور سواری کا کام لیتے ہو اور کچھ چوپائے پستہ قد اور زمین سے ملے ہوئے بنائے جو بوجھ نہیں اٹھا سکتے، جیسے بھیڑ، بکری وغیرہ ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہارے آرام و راحت کے لئے پیدا کئے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہیں پھل، غلہ اور مویشی وغیرہ کی شکل میں دیا ہے تم اس کو کھاؤ اور شیطان کے طریقے اور احکام کی پیروی نہ کرو ۔ جیسے ان مشرکوں نے ان کی اتباع میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کیا ۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جس نے تمہیں گمراہ کیا اور دنیا کی نعمتوں سے محروم کیا ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۱، ۵۵۲ / ۲)

مشرکین کو ملامت

۱۴۳، ۱۴۴ ۔ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(اللہ نے) آٹھ قسم کے جوڑے (پیدا کئے) بھیڑوں میں سے دو (نر مادہ) اور بکریوں میں سے بھی دو ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو، یا دونوں ماداؤں کے پیٹ کے بچوں کو ۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے اس کی سند بتاؤ ۔ اور اونٹ میں بھی دو (نر و مادہ) اور گائے میں بھی دو (نر و مادہ) پیدا کئے ۔ آپ ان سے پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو، یا دونوں ماداؤں کے پیٹ کے بچوں کو ۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا

حکم دیا تھا۔ پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو بلا تحقیق لوگوں کو گمراہ کرنے
کے لئے اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں بنائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت
نہیں دیتا۔

اَلضَّاْنِ : دنبہ۔ بھیڑ۔
اَلْمَعْزِ : بکریاں۔ اسم جنس۔
اَرْحَامُ: پیٹ کے بچے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے یہ باغ اور کھیت اور بار برداری اور سواری کے جانور، سب اسی نے پیدا کئے ہیں۔ اسی نے تمہاری غذا کے لئے نر و مادہ ملا کر آٹھ قسم کے جانور پیدا کئے۔ دو بھیڑ کی قسم سے (نر اور مادہ) اور دو بکری کی قسم سے (نر اور مادہ)۔ ان سب کو اور ان کے بچوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے، کیونکہ یہ سب بنی آدم کی غذا، سواری، بار برداری اور دودھ وغیرہ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھئے کہ جن چیزوں کو تم اپنے خیال میں حرام سمجھتے ہو وہ اللہ نے تم پر کب حرام کیں۔ پھر تم بحیرہ، سائبہ اور حام وغیرہ کو کیوں حرام قرار دیتے ہو، یہ تو سب کے سب حلال ہیں۔

پھر مشرکین کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنی طرف سے نئی نئی باتیں نکالتے ہو اور خود ہی کبھی نر کو حرام کہتے ہو اور کبھی مادہ کو حرام بتاتے ہو، کبھی کہتے ہو یہ چیز مردوں کے لئے حرام ہے اور یہ چیز عورتوں کے لئے حرام ہے۔ تمہارے پاس اس تحلیل و تحریم کی کیا دلیل ہے۔ پھر تم خود ہی بعض جانوروں کو حرام قرار دے کر اس تحریم کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہو۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے اس تحریم و تحلیل کا حکم دیا تھا۔ پس اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۲، ۵۵۳ / ۲)

حرام چیزوں کا بیان

۱۴۵۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ
اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ

اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ میری طرف وحی کیا گیا ہے، میں اس (قرآن) میں کھانے والے کے لئے کوئی حرام چیز نہیں پاتا، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سُور کا گوشت ہو، کیونکہ یہ بالکل ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے۔ پھر جو کوئی اضطرار (مجبوری) میں (ان میں سے) کچھ کھالے بشرطیکہ وہ لذت کا طالب نہ ہو اور نہ وہ حاجت سے زیادہ کھانے والا ہو تو آپ کا رب معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اَجِدُ: میں پاتا ہوں۔ وِجْدَانٌ سے مضارع۔

دَمًا: خون۔ لہو۔

مَسْفُوْحًا: بہتا ہوا۔ گرایا ہوا۔ سَفْحٌ سے اسم مفعول۔

دَمًا مَّسْفُوْحًا: بہتا ہوا خون۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ سیال خون ہے جو زندہ جانور کی گردن کی رگوں سے ذبح کرتے وقت نکلتا ہے۔ اس میں جگر (کلیجی) و طحال (تلی) داخل نہیں، کیونکہ دونوں جامد خون ہوتے ہیں۔ شریعت نے ان دونوں کو حلال کیا ہے۔ اس میں وہ خون بھی شامل نہیں جو گوشت کے ساتھ لگا ہوا رہ جاتا ہے کیونکہ وہ بھی سیال نہیں ہوتا۔

(مظہری ۳۳۶/۳)

خِنْزِيْرٍ: سور۔ جمع خَنَازِيْرُ۔

رِجْسٌ: گندگی۔ ناپاکی۔ نجاست۔ جمع اَرْجَاسٌ۔

فِسْقًا: شرعی حدود سے تجاوز کرنا۔ نافرمانی کرنا۔ گناہ کرنا۔ مصدر بھی ہے۔ اسم بھی۔

اُهِلَّ: نامزد کیا گیا۔ پکارا گیا۔ اِہْلَالٌ سے ماضی مجہول۔

اُضْطُرَّ: وہ بے بس ہو گیا۔ وہ بے تاب ہو گیا۔ وہ مجبور ہو گیا۔ اِضْطِرَارٌ سے ماضی مجہول۔

عَادٍ: حد سے تجاوز کرنے والا۔ زیادتی کرنے والا۔ عَدْوٌ و عُدْوَانٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جن لوگوں نے اللہ کے رزق کو اپنے لئے حرام کرلیا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میری

طرف جو وحی اتری ہے میں اس میں ان جانوروں میں سے کسی جانور کو بھی کسی کھانے والے کے لئے حرام نہیں پاتا، خواہ وہ کھانے والا مرد ہو یا عورت ۔ سوائے اس کے کہ وہ جانور مردار ہو یعنی وہ جانور کسی انسان کے فعل کے بغیر مر گیا ہو یا وہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، جو بلاشبہ گندگی اور عین نجاست ہے یا وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو ۔

اگر کوئی شخص فاقہ اور بھوک کی وجہ سے ان حرام چیزوں میں سے کسی کو کھانے پر مجبور ہو جائے، بشرطیکہ وہ لذت کا طالب نہ ہو اور نہ وہ مقدار ضرورت سے تجاوز کرے تو وہ ان حرام چیزوں میں سے بقدر ضرورت کھا سکتا ہے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے اضطراری حالت میں ان حرام چیزوں میں سے کھانا حرام نہیں رکھا ۔ (ابن کثیر ۱۸۳، ۱۸۴ / ۲)

یہود کو سرکشی کی سزا

۱۴۶، ۱۴۷۔ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ○

اور ہم نے یہودیوں پر ناخن والے تمام جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکریوں کی چربی بھی ان پر حرام کر دی تھی سوائے اس چربی کے جو ان کی پشت یا انتڑیوں پر لگی ہوئی ہو یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو ۔ یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور یقیناً ہم سچے ہیں ۔ پھر اگر وہ جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے (جو عذاب نازل نہیں کرتا) اور گنہگاروں سے اس کا عذاب نہیں ٹلے گا ۔

ظُفُرٍ : ناخن ۔ جمع اَظْفَارٌ ۔ یہ لفظ انسان اور غیر انسان دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے

شُحُومَهُمَا : ان دونوں کی چربیاں ۔ واحد شَحْمٌ ۔

اَلْحَوَايَا: آنتیں۔ او جھڑی۔ واحد حَوِيَّةٌ۔

اِخْتَلَطَ: وہ لپٹ گیا۔ وہ مل گیا۔ اِخْتِلَاطٌ سے ماضی۔

بِعَظْمٍ: ہڈی کے ساتھ۔ جمع اَعْظُمٌ و عِظَامٌ۔

بِبَغْيِهِمْ: ان کی سرکشی کے سبب۔ ان کی بغاوت کے سبب۔

بَأْسُهُ: اس کا عذاب

تشریح: یہود کی شرارتوں کی بنا پر تمام ناخن والے جانور جن کی انگلیاں کٹی کٹی اور جدا جدا نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ اور مرغابی، یہود پر حرام کر دیئے گئے تھے۔ نیز گائے اور بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی، سوائے اس چربی کے جو ان جانوروں کی پشت پر لگی ہوئی ہو یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا ان کی ہڈیوں سے لگی ہوئی ہو۔ یہ چیزیں اپنی ذات میں حلال و طیب ہیں۔ یہود پر یہ تنگی ان کی سرکشی، بغاوت اور دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی سزا کے طور پر کی گئی تھی۔

اگر یہود و مشرک آپ کو اس لئے جھٹلائیں کہ ان پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور بڑا حلیم و بردبار ہے وہ کفر و تکذیب پر فوراً سزا نہیں دیتا۔ تم اللہ کی طرف سے ملی ہوئی مہلت سے یہ نہ سمجھنا کہ تم مجرم نہیں ہو اور تم سے عذاب ٹل گیا۔ اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ جب وہ مجرموں پر عذاب نازل کرتا ہے تو پھر وہ ان سے ٹلتا نہیں۔ (ابن کثیر ۱۸۵، ۲/۱۸۶)

مشرکین کا ایک شبہ

۱۴۸۔ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۚ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۚ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ○

اب مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز (اپنے اوپر) حرام کرتے۔ جو ان سے پہلے ہو چکے

انہوں نے بھی اسی طرح تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے پاس کچھ علم بھی ہے کہ اس کو تم ہمارے سامنے نکالو۔ تم تو محض خیال کی پیروی کرتے ہو اور تم صرف انکل ہی دوڑاتے ہو۔

ذَاقُوْا: انہوں نے چکھا۔ ذَوْقٌ سے ماضی۔

بَأْسَنَا: ہمارا عذاب۔ ہماری سختی۔

تَخْرُصُوْنَ: تم انکل سے باتیں بناتے ہو۔ تم تجویز کرتے ہو۔ خَرْصٌ سے مضارع۔

تشریح: اہل باطل جب دلیل و برہان سے عاجز ہو جاتے ہیں تو ہٹ دھرمی کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے جب مشرکین دلیل کا جواب دینے سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اپنے پسندیدہ۔ خدا ہونے پر اس طرح استدلال کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا طریقہ اور عمل پسند نہ ہوتا تو وہ اپنی قدرت سے ہمیں کفر سے روک دیتا اور ایمان کی توفیق دے دیتا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نہیں روکا، لہٰذا اس کی مشیت اور اس کا ارادہ یہی ہے اور وہ ہم سے راضی ہے۔ یہ استدلال مشرکوں کی جہالت پر مبنی ہے۔ انہوں نے ارادے اور پسندیدگی میں فرق نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کا تعلق تو ہر خیر و شر سے ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ لیکن پسندیدگی کا تعلق کفر سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کافر ہونے کو پسند نہیں کرتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کا اس طرح جواب دیا کہ یہ تکذیب کچھ انہی پر موقوف نہیں بلکہ ان سے پہلے لوگ بھی اسی طرح انبیاء کی تکذیب کرتے رہے اور اسی شبہ کے سبب گمراہ ہوتے رہے۔ جب پیغمبروں نے اپنی امتوں کو کفر و شرک سے منع کیا اور ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ شرک کو پسند نہیں کرتا اور جن چیزوں کو مشرکوں نے از خود حرام کر رکھا ہے اللہ نے ان کو حرام نہیں کیا، تب بھی مشرک اپنی اس تکذیب پر قائم رہے، یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب آگیا اور انہوں نے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ اگر وہ صحیح راستہ پر ہوتے تو ان پر اللہ کا عذاب کبھی نہ آتا اور وہ ہلاک نہ کئے جاتے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ تمہارے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اگر تمہارے پاس اس دعوے کی کوئی

دلیل ہے تو اس کو ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم بھلا اس کا کیا ثبوت دے سکتے ہو۔ تم تو فقط اپنے قیاس، ظن باطل اور اعتقادِ فاسد کی پیروی کر رہے ہو اور اٹکل چلا رہے ہو اور اللہ پر بہتان لگا رہے ہو۔ (مظہری ۳۴۰ / ۳، ابن کثیر ۱۸۶ / ۲)

مشرکین کا استدلال

۱۴۹، ۱۵۰۔ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ج فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ج فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ج وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ○

آپ کہہ دیجئے کہ بس اللہ تعالیٰ ہی کی دلیل قوی ہے۔ پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو تو لاؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ (چیزیں) حرام کر دی ہیں۔ پھر اگر وہ گواہی دے بھی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیجئے (یعنی ان کا اعتبار نہ کیجئے) اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع کیجئے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

اَلْبَالِغَةُ: اعلیٰ درجے کی۔ قوی۔ پہنچنے والی۔ بُلُوْغٌ سے اسم فاعل۔

هَلُمَّ: تم لاؤ۔ تم آؤ۔ تم حاضر کرو۔

يَعْدِلُوْنَ: وہ عدل کرتے ہیں۔ وہ برابر کرتے ہیں۔ عَدْلٌ سے مضارع۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر و نہی کی جو دلیل بیان کی ہے وہ تمہارے خلاف کامل و مکمل ہے اور تم نے اللہ کی مشیت کے بارے میں جو استدلال پیش کیا ہے وہ ناقص ہے، کیونکہ مشیت کے لئے رضامندی لازم نہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق کرتا ہے اور جیسا ارادہ کرتا ہے ویسا حکم دیتا ہے۔ اس سے کسی بات کی باز پرس نہیں کی جا سکتی، وہ سب بندوں سے باز پرس کرے گا۔ اس

میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اگر وہ چاہتا تو سب ہدایت یافتہ بن جاتے ۔ ہر چیز اس کی قدرت میں ہے ۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون ضلالت کا ۔

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے پاس گواہ ہیں تو ان کو بلاؤ تاکہ وہ آکر گواہی دیں کہ جن چیزوں کو تم حرام کہتے ہو ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، تاکہ سب پر اتمام حجت ہو جائے اور سب کی کمزوری ظاہر ہو جائے ۔ اگر وہ جھوٹی گواہی دے بھی دیں، تب بھی آپ ان کے ساتھ شہادت نہ دینا اور نہ ان کی تصدیق کرنا، کیونکہ بلاشبہ ان کی گواہی بالکل جھوٹ اور مکاری ہے ۔ آپ ان کی خواہشوں پر نہ چلئے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں ۔ (مظہری ۳۴۱ / ۳، ابن کثیر ۱۸۷ / ۲)

اللہ کے حرام کردہ امور

۱۵۱، ۱۵۳ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں ۔ وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور تنگدستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ۔ ہم تمہیں

بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی ۔ اور تم بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ پھٹکو، خواہ وہ (بے حیائی کے کام) ظاہر (علانیہ) ہوں یا پوشیدہ ۔ اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق پر ۔ یہ ہے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور نہ یتیم کے مال کے قریب جاؤ مگر اس طریقے سے جو بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو ۔ ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا حکم نہیں دیتے اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ وہ قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو ۔ یہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو ۔ اور یہ کہ تم میرے اس سیدھے راستہ ہی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے (بھٹکا کر) تتر بتر کر دیں گے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو ۔

تَعَالَوْا: تم آؤ ۔ تَعَالِیٌ سے امر ۔

اَتْلُ: میں تلاوت کرتا ہوں ۔ میں پڑھتا ہوں ۔ تِلَاوَةٌ سے مضارع ۔

اِمْلَاقٍ: افلاس ۔ ناداری ۔ تنگدستی ۔ مصدر ہے ۔

وَصّٰكُمْ: اس نے تم کو حکم دیا ۔ اس نے تم کو نصیحت کی ۔ تَوْصِيَةٌ سے ماضی ۔

اَشُدَّهٗ: اس کا کمال عقل ۔ اس کی بھری جوانی ۔

اَلْكَيْلَ: پیمانے سے غلہ وغیرہ ناپنا ۔ مصدر ہے ۔

اَوْفُوْا: تم پورا کرو ۔ اِيْفَاءٌ سے امر ۔

ربط: گزشتہ آیات میں مشرکین کو ملامت اور ان حرام چیزوں کا بیان تھا جن کو مشرک حلال سمجھتے تھے ۔ پھر یہود کی سرکشی کی سزا بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شرارتوں کی بنا پر ناخن والے تمام جانور ان پر حرام کر دئے تھے ۔ پھر مشرکین کی ہٹ دھرمی اور ان کے استدلال کا جواب دیا گیا ۔ ان آیتوں میں ان حرام چیزوں کا بیان ہے جن کا تعلق اقوال و افعال سے ہے ۔

تشریح: یہ مشرکین جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں، اللہ کے حلال کو حرام بناتے ہیں اور اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں، یہ سب شیطانی بہکاوے میں ہیں ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ اللہ نے تم پر کن باتوں کو حرام کیا اور میں یہ سب کچھ قیاس، اٹکل اور ظن سے نہیں کہتا بلکہ یہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا پیغام ہے ۔ سو تم ان امور سے بچنے کا اہتمام کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے ۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بتوں کو خدا بناؤ اور نہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دو اور نہ یہود و نصاریٰ کی طرح انبیاء کو خدا اور خدا کا بیٹا کہو۔

۲۔ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرنا بھی بجائے خود برا سلوک اور گناہ ہے۔

۳۔ ناداری کے اندیشہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، یعنی لڑکیوں کو زندہ دفن نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔

۴۔ بے حیائی کے کاموں کے نزدیک بھی نہ جاؤ، خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

۵۔ جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل نہ کرو، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم معاہد، ہاں مگر حق پر۔ اس کی تفصیل بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے اس طرح آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین چیزوں سے۔

(الف) کوئی شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری میں مبتلا ہو جائے۔

(ب) اس نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو، اس کے قصاص میں مارا جائے۔

(ج) وہ اپنا دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو۔

۶۔ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، اس میں ناحق تصرف نہ کرو، مگر ایسے طریقہ سے جو کہ شرعاً بہت اچھا ہو یعنی اس کو بڑھانے کی نیت سے اس کو کاروبار میں لگاؤ۔ پھر جب وہ یتیم سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کو دے دو بشرطیکہ وہ بیوقوف نہ ہو۔

۷۔ ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، نہ کسی کو کم دو نہ کسی سے زیادہ لو۔ یہ احکام کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

۸۔ جب تم کسی فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے بارے میں کوئی بات کہو تو حق و انصاف کا خیال رکھو، اگرچہ وہ شخص جس کے بارے میں وہ بات کہہ رہے ہو

تمہارا قریبی رشتہ دار ہی ہو ۔ یعنی حق کے مقابلے میں رشتہ داری کی رعایت نہ کرو، سچ سچ بیان کرو، خواہ اس میں کسی کا نفع ہو یا نقصان ۔

۹۔ اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کرو ۔ خلاف عہد کوئی کام نہ کرو ۔

۱۰۔ سیدھے راستہ پر چلو ۔ اس کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے ۔

یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیداً دیئے ہیں تاکہ تم ان کو سمجھو، یاد رکھو، ان کے خلاف کرنے سے بچتے رہو اور ان سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرتے رہو ۔

(مظہری ۳۴۱ ۔ ۳۴۷ / ۳)

حضرت موسیٰ ؑ کو کتاب دینا

۱۵۴، ۱۵۵۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

پھر ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب دی تاکہ نیک عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور ہر چیز کی تفصیل ہو اور ہدایت و رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں اور کتاب (قرآن) جو ہم نے نازل کی ہے یہ بڑی برکت والی ہے ۔ پس تم اس کی اتباع کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم ہو ۔

تَمَامًا: تمام کرنا ۔ پورا کرنا ۔ مصدر ہے ۔

اَحْسَنَ: اس نے احسان کیا ۔ اس نے نیکی کی ۔ اِحْسَانٌ سے ماضی ۔

بِلِقَاۗءِ: ملاقات سے ۔ ملنے سے ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: گزشتہ آیات میں جن وصیتوں اور احکام کا بیان تھا وہ سابقہ امتوں پر بھی نافذ تھے ۔ ان کی مزید تاکید کے لئے فرمایا کہ یہ وصیتیں اور احکام، ہم اس کتاب (توریت) میں بھی بیان کر چکے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی ۔ اس زمانے کے نیک لوگوں کے لئے توریت کا

عطیہ سب سے اچھا عطیہ تھا کیونکہ اس میں ہر ضروری چیز کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں پر اپنی نعمت پوری کر دی اور ان پر اس توریت کے ذریعہ ہدایت و رحمت کے دروازے کھول دئے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین کر لیں اور اس کے شوق میں طاعت کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔

پھر توریت کے بعد اب ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے۔ جو توریت اور دیگر تمام کتب سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ یہ بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے۔ پس اب تم اسی کی اتباع کرو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ کسی اور کتاب کی اتباع سے پرہیز کرو کیونکہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اور اس نے تمام سابقہ کتابوں کو منسوخ کر دیا۔ اب قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی اور کتاب۔

(ابن کثیر ۱۹۱ / ۲)

اتمامِ حجت کے لئے قرآن کا نزول

۱۵۶، ۱۵۷۔ اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ الۡكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا وَاِنۡ كُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ۙ اَوۡ تَقُوۡلُوۡا لَوۡ اَنَّاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا الۡكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهۡدٰى مِنۡهُمۡ ۚ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنۡهَا ؕ سَنَجۡزِى الَّذِيۡنَ يَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰيٰتِنَا سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا كَانُوۡا يَصۡدِفُوۡنَ ۝

اس خیال سے کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو قوموں (یہود و نصاریٰ) پر نازل ہوئی تھی اور ہمیں تو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہو جاتے۔ سو اب تمہارے پاس بھی تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل اور ہدایت اور رحمت آچکی ہے، تو اب اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے کترائے۔ ہم عنقریب ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں، ان کے کترانے کے سبب سخت سزا دیں گے۔

طَآئِفَتَيْنِ : دو گروہ ۔ دو جماعتیں ۔ دو فرقے ۔

صَدَفَ : وہ پھرا ۔ اس نے منہ موڑا ۔ وہ کترایا ۔ صَدْفٌ سے ماضی ۔

سُوْءَ : برائی ۔ گنہ ۔ آفت ۔

تشریح : ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے یہ قرآن اس لئے بھی نازل کیا ہے کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہنے لگو کہ آسمانی کتابیں تو صرف یہود و نصاریٰ پر اتاری گئی تھیں اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے معذور تھے، کیونکہ وہ ہماری زبان میں نہیں تھیں ۔ یا تم یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر بھی ہماری زبان میں کتاب نازل کی جاتی تو ہم یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ ہدایت پر ہوتے سو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح ہدایت و رحمت والی کتاب ایسی زبان میں آچکی جس کو تم جانتے اور سمجھتے ہو ۔ اس کتاب میں حلال و حرام سب کا بیان ہے ۔ اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا ۔

پس ایسی واضح اور روشن ہدایت آجانے کے بعد بھی اگر کوئی اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے منہ موڑے اور دوسروں کو بھی اللہ کے احکام کی پیروی کرنے سے روکے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا ۔ جو لوگ ہماری آیتوں سے خود بھی روگردانی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں تو بہت جلد ہم ان کو ان کے اعراض کی سخت سزا دیں گے ۔ (ابن کثیر ۱۹۲ / ۲)

کافروں کے لئے سخت تنبیہ

۱۵۸۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○

کیا یہ لوگ صرف اسی کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپؐ کا رب آئے یا آپؐ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے ۔ جس دن آپؐ کے رب کی بڑی نشانی آجائے گی تو جو کوئی اس سے پہلے ایمان نہ لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان میں سے کچھ نیکی نہیں کی تھی، تو اس وقت اس کا ایمان (لانا) اس کو کچھ نفع نہ دے گا

آپ (منکرین سے) کہہ دیجئے کہ اچھا تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

تشریح: یہاں کافروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تم تو بس اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ تمہارے پاس فرشتے آجائیں یا اللہ تعالیٰ خود تمہارے سامنے آجائے یا اس کی کوئی بڑی نشانی آجائے۔ پہلی دونوں باتیں تو قیامت کے روز ہونے والی ہیں اور تیسری بات قیامت سے پہلے قیامت کی نشانی کے طور پر ضرور ہو گی۔

جس دن آپ کے رب کی نشانیاں آجائیں گی تو اس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو اس نشانی کے آنے سے پہلے ایمان نہ لایا ہو گا یا جس نے اس نشانی سے پہلے ایمان کی حالت میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔ پس اس نشانی کے ظہور کے بعد نہ کسی کا جدید ایمان قبول ہو گا اور نہ اس کی توبہ قبول ہو گی۔ البتہ جو لوگ اس نشانی کے ظاہر ہونے سے پہلے ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرتے تھے، ان کے اعمال قبول کئے جائیں گے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس دن کا تم بھی انتظار کرو اور ایمان لاؤ اور میں بھی تمہارے بارے میں حکم خداوندی کا انتظار کرتا ہوں۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے اور جب لوگ یہ صورت حال دیکھ لیں گے تو تمام اہل زمین کو یقین ہو جائے گا اور ایمان لے آئیں گے اور اگر پہلے ایمان نہیں لائے تھے تو اب ایمان لانا نفع بخش ثابت نہیں ہو گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تین چیزیں ظاہر ہونے سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا تو اب ایمان لانا بے کار ہے۔ اور اگر پہلے نیک عمل نہیں کئے تھے تو اب کرنا بے کار ہے۔ ایک یہ کہ سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا، دوسرے دجال کا نکلنا، تیسرے دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے تک توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول ہو سکے گی ورنہ نہیں۔

(ابن کثیر ۱۹۳، ۱۹۵ / ۲)

تفرقہ کا انجام

۱۵۹۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○

بیشک جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ ڈال کر کئی فرقے بن گئے تو آپؐ کو ان سے کوئی سروکار نہیں بیشک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ پھر وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔

فَرَّقُوْا: انہوں نے متفرق کر دیا۔ انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تَفْرِیْقٌ سے ماضی۔

شِیَعًا: فرقے۔ گروہ۔ مددگار۔ واحد شِیْعَۃٌ۔

لَسْتَ: تو نہیں ہے۔ فعل ناقص ہے۔ عموماً حال کے معنی دیتا ہے۔

یُنَبِّئُھُمْ: وہ ان کو بتا دے گا۔ وہ ان کو آگاہ کر دے گا۔ تَنْبِئَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے شیطان کے بہکانے سے یا اپنی خواہشاتِ نفس کے دباؤ سے اصل دینِ حق کے ساتھ اپنی من پسند چیزوں کو شامل کر لیا اور دین کی بعض چیزوں کو چھوڑ دیا تو انہوں نے اپنے اپنے گروہ بنا لئے۔ ایسے لوگوں سے اللہ کے رسول کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے حوالے ہے۔ قیامت کے روز وہ ان کو بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے اور پھر وہی ان کو سزا دے گا۔ یہاں تفریق دین کرنے والوں سے مراد گزشتہ فرقے ہی نہیں بلکہ اسلام میں بدعتیں شامل کرنے والے بھی اس میں داخل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر بھی قدم بقدم وہی واقعات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے علی الاعلان زنا کیا ہے تو میری امت میں بھی کوئی ایسا ہو گا جو یہ فعل کرے گا۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں سے ایک کے سوا سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سا فرقہ ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ (وہی فرقہ ہو گا جو) اس طریقہ پر ہو گا جس پر میں اور میرے ساتھی ہیں۔

ترمذیؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ جمہور پر اللہ کا ہاتھ ہے جو (جمہور سے) بچھڑا وہ بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بالشت بھر جماعت سے علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے نکال دی۔

(مظہری ۳۵۵،۳۵۹ / ۳)

نیکی کا بدلہ

۱۶۰۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

جو کوئی (قیامت کے دن) نیکی لے کر آئے گا تو وہ اس کا دس گنا بدلہ پائے گا اور جو کوئی گناہ لے کر آئے گا تو وہ صرف اتنی ہی سزا پائے گا (جتنا اس نے گناہ کیا ہے) اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: یہاں آخرت کی جزاو سزا کا بیان ہے کہ جو شخص ایک نیک کام کرے گا تو اس کو اس کا دس گناہ بدلہ دیا جائے گا اور جو شخص ایک گناہ کرے گا تو اس کا بدلہ صرف ایک گناہ کے برابر دیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے اسلام کو خوب ٹھیک کرلے تو پھر اگر وہ ایک نیکی کرے گا تو اس کے لئے اس جیسی نیکیاں دس گنے سے لے کر سات سو گنا تک لکھی جائیں گی اور اگر کوئی بدی کرے گا تو اتنی ہی بدی لکھی جائے گی، یہاں تک کہ وہ اللہ سے جاملے (متفق علیہ)۔ اس فرمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجر چند گناہ کرنے کو حسن اسلام سے وابستہ کیا ہے جو دل کی صفائی اور تزکیہ، نفس سے حاصل ہوتا ہے۔ ان دونوں کا تعلق اخلاص عمل سے ہے جو تزکیہ، قلب و نفس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا

رب عزوجل بڑا رحیم و کریم ہے ۔ اگر کسی شخص نے کسی نیک کام کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کر سکا تو بھی اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اس نے اس پر عمل کر لیا تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۔ حسن نیت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ اضافہ سات سو گنا تک بھی جا پہنچتا ہے ۔ اگر کسی نے ایک گناہ کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اس کے لئے بھی ایک نیکی درج ہو جاتی ہے اور اگر وہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو ایک ہی گناہ لکھا جائے گا اور اگر اللہ چاہے تو اس کو بھی مٹا دیتا ہے ۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک نیک عمل کیا اس کو دس گناہ زیادہ ثواب ملے گا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اور اگر ایک بدی کی تو اس کی سزا ایک حصہ ہے بلکہ شاید وہ بھی معاف ہو جائے ۔ جو مجھ (اللہ) سے ملے اور دنیا بھر کی خطائیں بھی لائے، لیکن شرک نہ لائے تو میں بھی اس پر اتنی ہی مغفرت نازل کروں گا ۔ جو میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں ۔

گناہ ترک کرنے کی تین صورتیں ہیں ۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گناہ کا ارادہ ترک کرنا ۔ ایسے شخص کو گناہ سے رکنے کے سبب ایک نیکی ملے گی ۔ دوم یہ کہ ارادہ کے باوجود بھول کر گناہ کو ترک کر دینا، اس صورت میں اس کے لئے جزا ہے نہ سزا، کیونکہ نہ تو اس نے خیر کی نیت کی اور نہ شر کا فعل کیا ۔ سوم یہ کہ کوشش اور گناہ کے اسباب فراہم کرنے کے باوجود کسی مجبوری سے گناہ کا ارتکاب کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے ۔ ایسا شخص اگرچہ گناہ کا مرتکب نہیں ہوا لیکن وہ بمنزلہ مرتکب ہی کے سمجھا جائے گا اور اسے سزا ملے گی ۔

(مظہری ۳۶۰ / ۳، ابن کثیر ۱۹۶ / ۲)

صراطِ مستقیم

۱۶۱، ۱۶۳۔ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○

آپؐ فرما دیجئے کہ بیشک میرے رب نے مجھے تو سیدھا راستہ بتا دیا ہے۔ صحیح مذہب (حضرت) ابراہیمؑ کا ہے جو سب (باطل معبودوں) سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہو گئے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ بیشک میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی (توحید) کا مجھے حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔

قِیَمًا: قائم رہنے والا۔ مستحکم۔ صحیح۔ درست۔ مصدر ہے۔

حَنِیْفًا: یکسو ہونے والا۔ سب باطل معبودوں سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی فرماں برداری کرنے والا۔ جمع اَحْنَافٌ۔

نُسُکِیْ: میری قربانی۔ میری عبادت۔

تشریح: یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپؐ ان مشرکین کو بتا دیجئے کہ تم جتنی چاہو راہیں نکال لو اور اپنے لئے جس قدر چاہو معبود مقرر کر لو، مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں۔ مجھے تو میرے رب نے صراط مستقیم بتا دیا ہے، جس میں کوئی کجی نہیں۔ یہ راستہ ایک دین مستحکم ہے جو سب باطل معبودوں کو چھوڑ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے، جنہوں نے کبھی شرک نہیں کیا تھا۔ وہ خدا کی نعمتوں کے شکر گزار رہے۔ دنیا و آخرت دونوں جگہ ان کا شمار نیک ترین بندوں میں ہوتا ہے۔ اے مشرکین مکہ تم اپنے باپ کے طریقے کے خلاف کیوں شرک کرتے ہو، حالانکہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلنے کا دعویٰ بھی کرتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل و اکمل ہوگئے، اس لئے کہ آپ ہی نے ملتِ ابراہیمی کو قیام عظیم بخشا اور آپ ہی سے اس دین کی تکمیل ہوئی۔ کوئی اور نبی اس دین کی تکمیل نہ کر سکا۔ آپؐ ہی اولادِ آدم کے مطلقاً سردار ہیں۔ آپؐ ہی مقام محمود پر فائز ہیں کہ قیامت کے روز ساری مخلوق آپؐ ہی کی طرف رجوع کرے گی حتیٰ کہ خود خلیل اللہ بھی۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری ساری عبادت،

میرا جینا اور مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جو تمام جہان کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے تو اسی اقرار و اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس امت میں سب سے پہلا مسلمان ہوں اور جس بات کو میں تم سے پہلے حاصل کر چکا ہوں، اسی کی تمہیں دعوت دیتا ہوں، لہذا تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ میں تمہارا بہی خواہ ہوں۔ (ابن کثیر ۱۹۷، ۱۹۸ / ۲، مظہری ۳۶۲ / ۳)

حق و باطل کا فیصلہ

۱۶۴۔ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور رب کو تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ اور جو کوئی برا کام کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہو گا۔ اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے رب ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ تمہیں بتادے گا، جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اَبْغِيْ: میں تلاش کروں۔ میں ڈھونڈوں۔ بَغْیٌ سے مضارع۔

تَزِرُ: وہ بوجھ اٹھاتی ہے۔ وِزْرٌ سے مضارع۔

وَازِرَةٌ: بوجھ اٹھانے والی۔ وِزْرٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ کفارِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے تھے کہ آپؐ ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آیئے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۳۶۲ / ۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مشرکین جو مسلمانوں اور آپؐ سے توحید کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور آپؐ کو توحید کا راستہ چھوڑ کر اپنے کفر و شرک کے طریقہ پر چلنے کے لئے کہتے ہیں تو آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے، کسی اور کو اپنا رب کیوں بناؤں۔ میرا رب تو وہی ہے جو

خالق حقیقی اور واحد و یکتا ہے۔ وہی میری تربیت اور حفاظت کرتا ہے۔ وہی میرے ہر امر میں میرا مدبر ہے۔ میں تو اس کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جھکوں گا کیونکہ ساری مخلوق اسی کی ہے۔ اس لئے حکم کا حق صرف اسی کو ہے۔

اگر کوئی شخص نامناسب عمل کرے گا تو اس کا گناہ بھی اسی پر ہو گا۔ ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ قیامت کے روز جو سزا یا جزا ہو گی وہ حکمت اور عدل کی بنیاد پر ہو گی۔ نیکی کا نیک بدلہ ملے گا اور بدی کی سزا ملے گی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ سب مومنوں اور مشرکوں کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا اور ان کو بتادے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر اور ہر ایک کو اس کے عمل و اعتقاد کے مطابق سزا یا جزا دے گا۔

(ابن کثیر ۱۹۹/ ۲)

آزمائش کا طریقہ

۱۶۵۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

اور اسی نے تو تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض پر بعض کے درجے بلند کئے تاکہ وہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تمہیں دی ہیں بیشک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔

سَرِیْعٌ: جلدی کرنے والا۔ تیزی سے کرنے والا۔ سُرْعَةٌ سے صفت مشبہ۔

اَلْعِقَابِ: عقوبت۔ عذاب۔ سزا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے گزشتہ اقوام کی ہلاکت کے بعد تمہیں با اختیار اور زمین کا والی وارث بنایا اور تم میں سے بعض کے مقابلے میں بعض کے درجات بلند کئے۔ کوئی امیر ہے، کوئی غریب ہے، کوئی خوبصورت ہے، کوئی بدصورت ہے، کوئی عالم ہے، کوئی جاہل، کوئی تندرست ہے، کوئی بیمار، کوئی رذیل ہے، کوئی شریف اور کوئی عقل مند ہے اور کوئی بے عقل۔ یہ سب اس

لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو جاہ و مال تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہیں آزمائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ تم شرک کرتے ہو یا اس کی نعمتوں کا شکر کرتے ہو اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہو۔

جس طرح وہ دنیا میں فرق مراتب پر قادر ہے اسی طرح وہ آخرت میں بھی جزاو سزا میں فرق مراتب پر قدرتِ رکھتا ہے۔ بلاشبہ آپ کا پروردگار، دین میں مختلف راہیں نکالنے والوں کو جلد ہی سزا دے گا۔ بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر یہ نافرمان اب بھی ایمان لے آئیں تو وہ ان کے سب گناہ معاف فرما دے گا۔

تقدیر

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے تھا کہ آپؐ نے فرمایا۔ "اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمے بتاتا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اس کا لحاظ رکھو تو اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تو کچھ مانگنا چاہے تو اللہ ہی سے مانگ۔ جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور خوب جان لے کہ اگر ساری امت بھی تمہیں کچھ نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی نفع پہنچا سکتی ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھا ہے اور اگر سب لوگ تمہیں نقصان پہنچانے پر متحد ہو جائیں تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ تقدیر کے قلم اٹھائے جا چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔" (ترمذی شریف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الاعراف

وجہ تسمیہ: اعراف، عرف کی جمع ہے، جس کے معنی بلند جگہ کے ہیں۔ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک بلند دیوار حائل ہے جو جنت کا اثر دوزخ تک اور دوزخ کا اثر جنت تک نہیں پہنچنے دیتی۔ اسی کا نام اعراف ہے۔ اس کی بلندی پر سے جنتی اور دوزخی سب نظر آئیں گے۔ اس دیوار کی بلندی پر کچھ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ اس لئے یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں اور نہ دوزخ کے۔ فی الحال ان کو اعراف میں رکھا جائے گا۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے بہشت میں داخل فرمائے گا۔ اسی بلند دیوار یعنی اعراف کی مناسبت سے اس سورت کا نام اعراف رکھا گیا۔

تعارف: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی مگر اس کی آٹھ آیتیں ۱۶۳ تا ۱۷۰ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اس میں ۲۴ رکوع، ۲۰۶ آیتیں، ۳۳۸۷ کلمات اور ۱۴۶۳۵ حروف ہیں۔

گزشتہ سورت میں زیادہ تر توحید کے مضامین تھے۔ اس سورت میں زیادہ تر مضامین بعثت و رسالت اور معاد (آخرت) سے متعلق ہیں۔ سورت کی ابتداء سے چھٹے رکوع تک تقریباً معاد و آخرت کے مضمون کا بیان ہے۔ پھر آٹھویں رکوع سے اکسویں رکوع تک انبیاء سابقین کے حالات، ان کی امتوں کے واقعات، ان کی جزاو سزااور ان پر آنے والے عذابوں کا مفصل ذکر ہے یہ سب رسالت سے متعلق ہیں۔ رکوع بائیس کے نصف سے تیئس کے ختم تک معاد و آخرت کی بحث ہے۔ صرف ساتویں اور بائیسویں رکوع کے ابتدائی نصف اور آخری رکوع کے اکثر حصہ میں توحید پر خاص بحث ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اس رکوع میں کتاب اللہ کے نازل کرنے کی غرض و غایت کا بیان اور اس پر عمل کا

تاکیدی حکم دیا گیا۔ پھر سابقہ قوموں پر عذاب کا حال اور ان کی طرف سے اپنے ظلم کا اقرار ہے۔ آخر میں تمام امتوں سے پیغمبروں کی دعوت قبول کرنے کے بارے میں سوال کا ذکر ہے۔ اس کے بعد میزان میں مومنوں کا پلہ بھاری ہونے، خسارے میں رہنے والوں اور انعاماتِ خداوندی کا ذکر ہے۔

رکوع ۲: ابلیس کی نافرمانی، اللہ تعالیٰ سے اس کا مکالمہ اور اس کی تذلیل کا بیان ہے۔ پھر شیطان کا اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگنا اور اس کو مہلت ملنا، آدم و حوا پر انعام خداوندی اور شیطان کا ان کو ورغلانا مذکور ہے۔ آخر میں آدم و حوا کی دعا اور ان کا زمین پر اترنا اور زمین پر زندگی گزارنے کا بیان ہے۔

رکوع ۳: لباس کی ضرورت اور اس کا نزول، شیطان کے بہکاوے میں نہ آنے کی تاکید ہے۔ پھر اتباعِ شریعت اور نماز میں ستر پوشی کی تاکید ہے۔

رکوع ۴: کفار کو غلط عقائد پر تنبیہ، حرام چیزوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ پھر مشرکین کے انجام اور متکبرین و مکذبین کی سزا کا بیان ہے۔

رکوع ۵: منکرین کی جنت سے محرومی، جنت میں داخلہ کی شرط اور اہلِ جنت کے احوال کا بیان ہے۔ اس کے بعد اہلِ جنت و دوزخ کی گفتگو اور اہل اعراف کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۶: اہلِ اعراف کا مشرکین کو پکارنا، اہل دوزخ کا اہلِ جنت سے فریاد کرنا اور کفار کا کفِ افسوس ملنا مذکور ہے۔ کتاب اللہ کے ہدایت و رحمت ہونے اور دوزخ والوں کی طرف سے دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش کا بیان ہے۔

رکوع ۷: اللہ تعالیٰ کے خالق و حاکم ہونے کا ذکر اور دعا کی تاکید اور اس کا طریقہ مذکور ہے پھر کائنات میں تصرفاتِ خداوندی کا بیان ہے۔

رکوع ۸: حضرت نوحؑ کی تبلیغ، قومِ نوح کے سرداروں کی طرف سے حضرت نوحؑ کی تکذیب، قومِ نوحؑ کی غرقابی اور حضرت نوحؑ کو کشتی کے ذریعہ بچانے کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۹: حضرت ہودؑ کی تبلیغ، قومِ عاد کے سرداروں کی طرف سے حضرت ہودؑ کی تکذیب، قوم کا حضرت ہودؑ سے عذاب کا مطالبہ کرنا اور ان پر عذاب کا واقع ہونا اور قومِ عاد کی جڑ کاٹنے کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰: حضرت صالحؑ کا اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرنا اور اونٹنی کے واقعے کا بیان ہے۔ پھر

قومِ عاد کا انجام، کافر سرداروں کی طرف سے حضرت صالحؑ کی تکذیب، اونٹنی کی کونچیں کاٹنا اور عذابِ الٰہیٰ سے قومِ ثمود کی ہلاکت اور قومِ لوط کا واقعہ مذکور ہے

رکوع ۱۱: حضرت شعیبؑ کی تبلیغ اور قوم کو ناپ تول میں کمی نہ کرنے کی تلقین، قومِ شعیبؑ کا حال، حضرت شعیبؑ کی دعا اور قوم پر تین طرح کے عذاب مذکور ہیں۔ اس کے بعد قومِ شعیبؑ کے سرداروں کی سرکشی، قومِ شعیبؑ کا دردناک انجام اور حضرت شعیبؑ کے اظہارِ افسوس کا بیان ہے۔

رکوع ۱۲: انبیاء کو جھٹلانے والوں کی آزمائش اور ان کو اچانک پکڑنے کا بیان ہے۔ مکذبین و منکرین کی بدنصیبی، لوگوں کی عذاب سے بے خوفی اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۳: کفار کے دلوں پر مہر لگ جانے، بدعہدوں کی کثرت، مفسدوں کے انجام کا بیان ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے مناظرہ، بنی اسرائیل کا مطالبہ، عصائے موسیٰؑ کا معجزے کے طور پر اژدہا بننا اور یدِ بیضاء کا معجزہ۔

رکوع ۱۴: سرداروں کے مشورہ سے فرعون کا جادوگروں کو طلب کرنا اور ان کو حضرت موسیٰؑ سے مقابلے پر آمادہ کرنا اور جادوگروں کا اجرت کا مطالبہ کرنا مذکور ہے۔ پھر ساحروں کی طرف سے جادو کا مظاہرہ اور ان کے جواب میں عصائے موسیٰؑ کا معجزہ۔ آخر میں ساحروں کا قبولِ اسلام، فرعون کا غیظ و غضب اور مومن ساحروں کا ایمان واسلام پر استقامت دکھانا۔

رکوع ۱۵: سرداروں کی طرف سے فرعون کو بنی اسرائیل کے خلاف اکسانے، حضرت موسیٰؑ کی قوم کو نصیحت اور بنی اسرائیل کے شکوہ کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۶: قومِ فرعون کی پکڑ اور ان کی ہٹ دھرمی، آلِ فرعون پر طرح طرح کے عذاب اور بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰؑ سے دعا کی درخواست کرنا مذکور ہے۔ پھر آلِ فرعون کا غرق ہونا، بنی اسرائیل کو مصر و شام کا وارث بنانا، بنی اسرائیل کا ایک جاہلانہ مطالبہ اور حضرت موسیٰؑ کی نصیحت کا بیان ہے۔

رکوع ۱۷: کوہِ طور پر چالیس راتوں کا وعدہ، حضرت موسیٰؑ کا اپنی عدم موجودگی میں حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ بنانا، حضرت موسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ سے دیدار کی درخواست کا بیان ہے۔ پھر کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی، حضرت موسیٰؑ کو تختیوں کا تحفہ اور تکبر کی سزا

مذکور ہے۔

رکوع ۱۸: بنی اسرائیل کا بچھڑے کی پوجا کرنا اور اس پر نادم ہونا، حضرت موسیٰؑ کی حضرت ہارونؑ سے باز پرس اور ان کی وضاحت اور حضرت موسیٰؑ کا دعا کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۱۹: بچھڑے کی پوجا پر سزا، حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر سرداروں کا کوہِ طور پر جانا اور حضرت موسیٰؑ کی دعا اور توریت و انجیل میں آنحضرت کا تذکرہ۔

رکوع ۲۰: آنحضرت کی عالمگیر نبوت، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے، بنی اسرائیل پر انعاماتِ خداوندی۔ بستی میں بخشش طلب کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم اور اس حکم کو تبدیل کرنے کی سزا کا بیان ہے۔

رکوع ۲۱: ہفتے کے دن کے حکم کی خلاف ورزی، بنی اسرائیل کو نصیحت کرنے والوں کی نجات اور نافرمانوں پر عذاب کا بیان ہے۔ پھر توریت میں تحریف کرنے اور رفعِ جبل کا واقعہ مذکور ہے۔

رکوع ۲۲: عالمِ ارواح میں روحوں سے عہدِ الست لینا، ہدایت کے بعد گمراہی میں پڑنے والوں اور اللہ کی آیات کو جھٹلانے والوں کی مثال۔ تکذیب کرنے والوں کا چوپایوں کی مانند ہونا اور اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲۳: منکرین و مکذبین کو ڈھیل دینے، مضبوط تدابیر کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نذیر ہونے کا ذکر ہے۔ پھر غور و فکر کی ترغیب اور سرکشی میں سرگرداں پھرنے والوں کا ذکر اور قیامت کے وقوع کا علم اور آنحضرتؐ کا عالمِ غیب نہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲۴: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، شرک کی ابتداء اور معبودوں کی بے بسی کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود اور جاہلوں سے اعراض کا حکم اور اللہ کی پناہ مانگنے کی تلقین ہے۔ پھر پرہیزگاروں کی ایک خاص صفت، وحی کی تاخیر پر کفار کا تمسخر کرنا، قرآن سننے کے آداب، ذکر اللہ کی تلقین و آداب اور مقرب لوگوں کا تذکرہ ہے۔

حروفِ مقطعات

۱۔ الٓمّٓصٓ ۝ یہ حروفِ مقطعات ہیں ۔ اس قسم کے مختلف حروف قرآن کریم کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۲۶ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ۔ ان کے صحیح معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں ۔

اتباعِ قرآن کی ترغیب

۳،۲۔ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ، قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کتاب (قرآن مجید) آپ پر نازل کی گئی ہے ۔ سو آپ کے دل میں اس سے تنگی پیدا نہ ہو تاکہ آپ اس سے لوگوں کو خبردار کریں اور یہ (کتاب) مومنوں کے لئے نصیحت (حاصل کرنے) کا ذریعہ ہے ۔ تم لوگ اسی کی اتباع کرو جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ کے سوا اور معبودوں کی پیروی نہ کرو ۔ تم بہت کم ہی نصیحت مانتے ہو ۔

صَدْرِکَ: تیرا سینہ، تیرا دل ۔ جمع صُدُوْر ۔

حَرَجٌ: حرج ۔ تنگی ۔ گناہ مصدر ہے ۔

تشریح: یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ۔ جو اس نے آپ پر نازل کی ہے ۔ اس کے احکام کی تبلیغ میں آپ کو کسی قسم کا خوف مانع نہیں ہونا چاہئے کہ لوگ اس کو جھٹلا دیں گے اور آپ کو ایذا دیں گے ۔ جس نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے، اس نے آپ کی امداد و حفاظت کا بھی انتظام کر دیا ہے ۔

اس کتاب کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ آپؐ کافروں کو آخرت کے عذاب سے خبردار کر دیں ۔ یہ قرآن اہلِ ایمان کے لئے نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے ۔ آپؐ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جو کتاب اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کی ہے وہ اس کی اتباع کریں اور اللہ

تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی راہ پر نہ چلیں جو ان کو گمراہ کرتے ہیں ۔ مگر اس مشفقانہ نصیحت کے باوجود تم میں سے بہت کم لوگ نصیحت مانتے ہیں حالانکہ تمہارا نبی تمہارا خیر خواہ ہے ۔ تم اس کی طرف کان نہیں لگاتے ۔ اس کے برعکس جو تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں ہلاک و برباد کرنا چاہتے ہیں تم انہی کی سنتے ہو ۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آغاز و انجام اور طاعت و معصیت کے نتائج پر پوری طرح غور و فکر کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ہدایت کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے چلنے کی کبھی جرأت ہی نہ کرے ۔ (ابن کثیر ۲۰۰ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴ / ۳)

سابقہ قوموں پر عذاب کا حال

۴-۷- وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ○ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ○

اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں کہ ہمارا عذاب ان پر راتوں رات آگیا یا ایسے وقت آیا جب وہ دوپہر کو سوئے پڑے تھے ۔ پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کے منہ سے اس کے سوا کوئی بات نہ نکلتی تھی کہ واقعی ہم ہی ظالم تھے ۔ سو ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے ۔ پھر ہم اپنے علم کے ذریعہ ان سے ضرور حال بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب نہ تھے ۔

قَرْيَةٍ : بستی ۔ آبادی

بَاْسُنَا : ہمارا عذاب

بَيَاتًا : رات کے وقت ۔ شبخون مارنا ۔ تَبْيِيْتٌ سے اسم مصدر ۔

قَآئِلُوْنَ : دوپہر کے وقت سونے والے ۔ قَيْلٌ و قَيْلُوْلَۃٌ سے اسم فاعل ۔

فَلَنَقُصَّنَّ : پس البتہ ہم ضرور بیان کریں گے ۔ قَصَصٌ سے مضارع ۔

تشریح: کتنی ہی بستیوں کو ہم نے رسول کی مخالفت کے سبب ہلاک و برباد کر دیا اور دنیا و آخرت کی رسوائی ان کے پیچھے لگا دی۔ جب ان کے ظلم و تعدوان اور کفر و عصیان کی انتہا ہو گئی اور وہ دنیا کی لذتوں میں ایسے منہمک ہو گئے کہ عذابِ الٰہی سے بالکل بے فکر ہو کر خوابِ استراحت کے مزے لینے لگے تو یکایک ہمارے عذاب نے ان کو رات کے وقت آدبوچا جیسے قومِ لوط پر، یا ایسی حالت میں جب کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے جیسے قومِ شعیب پر۔ یہاں رات اور دوپہر کے وقت کا ذکر بستی والوں کی انتہائی غفلت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ جب وہ عذاب میں مبتلا ہوئے تو اپنی تمام اکڑفوں بھول گئے اور ان کو پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ جن قوموں کی طرف نبی بھیجے گئے، قیامت کے روز ان سے ضرور پوچھا جائے گا کہ جب انبیاء کرام نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر دیا تھا تو تم نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا۔ اسی طرح اس روز اللہ تعالیٰ رسولوں سے بھی پوچھے گا کہ کیا تم نے ہمارے احکام اپنی قوم کو پہنچا دیئے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم سب سے اپنے زیر اثر اور ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور عورت سے اس کے شوہر کے گھر کے بارے میں سوال ہو گا اور غلام و خادم سے اس کے آقا کے مال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ چونکہ ہم تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل اور تمہارے ظاہری و باطنی حال سے پوری طرح باخبر ہیں، اس لئے قیامت کے روز تمہارے تمام سابقہ احوال تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیں گے اور چونکہ ہم پیغمبروں کی تبلیغ یا امتوں کے جواب اور امتِ محمدیہ کی شہادت سے پوری طرح باخبر ہیں، اس لئے جب پیغمبر کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں یا جب امتیں تبلیغ کا انکار کریں گی اور امتِ محمدیہ شہادت دے گی تو ہم پیغمبروں اور ان کی امتوں کو یقیناً سب کچھ بتا دیں گے اور ان کو ان کے اعمال نامے کھول کر دکھا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر شئے کو دیکھتا ہے۔ وہ تو چوری چھپے نظر ڈالنے پر بھی واقف ہے اور دلوں کے بھید بھی خوب جانتا ہے۔

(ابن کثیر ۲۰۱ / ۲، مظہری ۳۷۰-۳۷۲ / ۳)

کامیاب اور خسارے والے لوگ

۸،۹۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ ج فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○

اور اس دن اعمال کا تُلنا برحق ہے۔ پھر جن کے تول بھاری ہوں گے وہ ہی کامیاب ہوں گے اور جن کے تول ہلکے ہوں گے سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے ہماری آیتوں کی حق تلفی کر کے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا تھا۔

تشریح: قیامت کے روز اعمالِ ظاہرہ و باطنہ کا ٹھیک ٹھیک وزن کیا جانا برحق ہے تاکہ ہر ایک کی حالت سب پر ظاہر ہو جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ حساب و کتاب کے بعد جو جزا و سزا دی گئی ہے وہ عین حق اور اعمال کے مطابق ہے۔ کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی اور ناانصافی نہیں ہوئی۔ پھر وزن کے بعد جن لوگوں کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی پوری طرح کامیاب و کامران ہوں گے اور جن کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے سو یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کر کے خود اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا۔

اعمال کے وزن کی کیفیت کیا ہو گی؟ اس بارے میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ اعمال نامے تولے جائیں گے۔ ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، ابن حبانؒ، حاکمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامتؒ کے روز میری امت کے ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ ہر اعمال نامے کی لمبائی اس کی حد نگاہ تک ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ کیا تجھے اس میں سے کسی بات کا انکار ہے؟ کیا فرشتوں نے (لکھنے میں) تیری کچھ حق تلفی کی ہے؟ وہ شخص جواب دے گا۔ نہیں میرے مالک (کوئی حق تلفی نہیں کی)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیوں نہیں۔ تیری ایک نیکی ہمارے پاس موجود ہے اور آج تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد ایک چھوٹا پرچہ نکالا جائے گا جس میں **اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده و رسوله** لکھا ہوا ہو گا۔ وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے پروردگار، ان دفتروں کے مقابلے میں اس چھوٹے سے پرچے کی کیا حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ پر ظلم نہیں ہو

گا۔ پھر اعمال کے تمام دفاتر ایک پلڑے میں اور وہ چھوٹا سا پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور اعمال نامے والا پلڑا اوپر اٹھ جائے گا اور پرچہ والا پلڑا بھاری نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں۔

بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اعمال کو نہیں اشخاص کو تولا جائے گا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ بڑے قد آور موٹے آدمی ایسے ہوں گے کہ اللہ کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہو گا۔ پھر آپؐ نے آیت **فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا** ○ (پس قیامت کے روز ہم ان کا کوئی وزن قرار نہ دیں گے) تلاوت فرمائی۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ اعمال کو مجسم بنا دیا جائے گا۔ پھر ان کو تولا جائے گا، کیونکہ بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں لیکن میزان پر بھاری اور اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں: **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ**

اصبہانیؒ نے الترغیب میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبحان اللہ ترازو کے آدھے پلڑے اور الحمد للہ پورے ترازو کو بھر دے گا۔

طبرانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تمام آسمان و زمین اور ان کے اندر کی موجودات اور دونوں کے درمیان کی کائنات اور زمینوں کے نیچے کی مخلوقات سب کو لا کر میزان کے ایک پلڑے میں اور **لا الہ الا اللہ** کی شہادت کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو یہ (شہادت) ان سب سے وزنی ہو گی۔

ابن مبارکؒ نے حماد بن ابی سلیمانؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو اپنا عمل حقیر دکھائی دے گا۔ اتنے میں ایک چیز بادل کی طرح آکر میزان کے پلڑے میں گر جائے گی اور (فرشتہ یا کوئی اور) کہے گا کہ یہ وہی نیکی ہے جس کی تعلیم تو لوگوں کو دیتا تھا۔ تیرے بعد وہ نیکی نسل در نسل چلتی رہی (یہاں تک کہ آج) اسی کا اجر تجھے دیا جارہا ہے۔

(مظہری ۳۷۲-۳۷۶ / ۳)

انعاماتِ خداوندی

۱۰۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○

اور ہم نے تمہیں زمین میں بسایا اور تمہارے لئے اس میں روزی کے اسباب پیدا کئے۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

مَكَّنّٰكُمْ: ہم نے تمہیں فائز کیا۔ ہم نے تمہیں قوت دی۔ ہم نے تمہیں بسایا۔ تَمْكِيْنٌ سے ماضی۔

مَعَايِشَ: معاش کے سامان۔ روزیاں۔ واحد مَعِيْشَةٌ اس کی اصل مَعْيِشَةٌ ہے۔ ی پر کسرہ (زیر) ثقیل تھا اس لئے اس کو عین کی طرف منتقل کر دیا گیا اور یہ لفظ مَعْيِشَةٌ سے مَعِيْشَةٌ بن گیا۔ پھر جب اس واحد کی جمع بنائی گئی تو یہ کسرہ (زیر) ی کی طرف پھر لوٹ آیا کیونکہ جمع بننے سے اس میں ثقالت باقی نہیں رہی۔ معایش کا وزن مفاعل ہے، اس لئے کہ اس لفظ میں ی اصلی ہے۔ بخلاف مدائن، صحائف اور بصائر کے کہ یہ مدینہ، صحیفہ اور بصیرہ کی جمع ہیں۔ کیونکہ ان میں ی زائد ہے، لہٰذا ان کی جمع بروزن فعائل ہوگی اور اس میں ہمزہ بھی آئے گا۔ واللہ اعلم۔ (ابن کثیر ۲۰۲ / ۲)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے انعامات کا ذکر فرما کر ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کی طرف دلائی ہے کہ اس دنیا میں اسی نے تمہیں زمین پر رہنے اور زندگی گزارنے کی قدرت عطا فرمائی اور تمہارے لئے زندگی بسر کرنے کے اسباب، کھیتی باڑی، پھل، ترکاری، غلہ، مویشی اور تجارت کے سامان اور کسب و کمائی کے پیشے وغیرہ پیدا کئے۔ اس کے باوجود لوگ ان سب نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، بلکہ ان نعمتوں میں مست ہو کر وہ منعم حقیقی کو بھول جاتے ہیں، اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے لگتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (النحل آیت ۱۸)

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہ سکو گے۔ (مظہری ۳۷۵ / ۳)

ابلیس کی نافرمانی

۱۱، ۱۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۚ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۚ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○

اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں ۔ پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے (آدم کو) سجدہ کیا ۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے تجھے اس کا حکم دیا ۔ وہ کہنے لگا کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں ۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔

مَنَعَكَ : اس نے تجھ کو منع کیا ۔ اس نے تجھ کو روکا ۔ مَنْعٌ سے ماضی

اَمَرْتُكَ : میں نے تجھے حکم دیا ۔ اَمْرٌ سے ماضی

طِيْنٍ : گارا، مٹی، خاک، پسینا

تشریح : یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور ان کے دشمن ابلیس کا ذکر فرمایا ہے جو بنو آدم اور حضرت آدم علیہ السلام سے بغض و دشمنی رکھتا ہے، تاکہ لوگ اپنے آپ کو اس سے بچالیں اور اس کے کہنے اور پھسلانے میں آکر اس کے راستہ پر نہ چلیں ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ پہلے ہم نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا علمی اندازہ کیا پھر چکنی لیس دار مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی ۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے ہاتھوں سے بنے ہوئے آدم کو سجدہ کرو ۔ حقیقت میں یہ قدرتِ الٰہی کو سجدہ کرنا تھا اور اس کی شان کی تعظیم کرنی تھی ۔ چنانچہ ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا ۔ سورہ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا بیان ہو چکا ہے ۔ (ابن کثیر ۲۰۲، ۲۰۳ / ۲)

پھر اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا کہ جب میں نے تجھے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ نہ کرنے پر مجبور کیا ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو حکم کی تعمیل نہ

کرنے کی وجہ معلوم تھی، لیکن اس کے باوجود اس لئے استفسار کیا کہ ابلیس کو سرزنش ہو اور اس کا بغض و عناد اور کفر و غرور ظاہر ہو جائے۔

ابلیس نے جواب دیا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہوں، کیونکہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے۔ ابلیس نے اصل عنصر پر نظر کی لیکن اس نے حضرت آدم کے اس شرف و بزرگی پر نظر نہیں کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی روح بھری ہوئی ہے۔ غرض سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا اور ابلیس سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے فرشتوں سے الگ ہو گیا اور رحمتِ خداوندی سے مایوس و محروم ہو گیا۔

(ابن کثیر ۲۰۳ / ۲، مظہری ۳۷۸، ۳۷۹ / ۳)

ابلیس کی ذلت و رسوائی

۱۳، ۱۵۔ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں (جنت) سے نیچے اتر۔ تجھے کوئی حق نہیں کہ تو یہاں تکبر کرے۔ پس تو یہاں سے نکل باہر ہو۔ بے شک تو بھی ذلیلوں میں کا ایک ذلیل ہے۔ اس نے عرض کی کہ تو مجھے اس دن تک مہلت دے جبکہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تجھے مہلت ہے۔

فَاهْبِطْ: پس تو اتر۔ هُبُوْطٌ سے امر۔

اَنْظِرْنِيْ: تو مجھے مہلت دے۔ تو مجھے ڈھیل دے۔ اِنْظَارٌ سے امر۔

يُبْعَثُوْنَ: وہ اٹھائے جائیں گے۔ وہ زندہ کئے جائیں گے۔ بَعْثٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ اب تُو یہاں یعنی جنت سے نیچے اتر جا، کیونکہ تو ذلیل و حقیر اور مغرور ہے۔ اب تُو اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں کی نظر میں ذلیل و خوار ہے۔ ہر شخص تجھے برا کہے گا اور ہر زبان تجھ پر لعنت کرے گی۔ یہ جگہ یعنی جنت یا آسمان، نافرمانوں، مغرور و

متکبروں کے لئے نہیں بلکہ یہ تو اہل تواضع، اطاعت شعار اور فرماں بردار بندوں کے لئے ہے۔

بیہقی ؒ نے شعب الایمان میں روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے فروتنی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اونچا کرتا ہے۔ وہ خود تو اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں وہ بڑا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کر دیتا ہے۔ وہ اپنے خیال میں تو بڑا ہوتا ہے، مگر لوگوں کو آنکھوں میں وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

اس کے بعد شیطان نے عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے قیامت کے روز تک مہلت عطا فرما دے اور میری زندگی کی میعاد کو اس روز تک طویل کر دے جس دن صور پھونکا جائے گا اور لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ مجھ پر موت مسلط نہ کر۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت تک تجھے موت سے چھوٹ دے دی گئی۔

(مظہری ۳۷۹، ۳۸۰ / ۳، ابن کثیر ۲۰۴ / ۲)

ابلیس کی سرکشی

۱۶، ۱۷۔ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○

وہ کہنے لگا کہ جیسا کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی تیری سیدھی راہ پر ان کی تاک میں ضرور بیٹھوں گا۔ پھر میں ان کے سامنے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور بائیں سے آکر (ان پر حملہ کروں گا) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔

اَغْوَيْتَنِيْ: تو نے مجھے بے راہ کر دیا۔ تو نے مجھے گمراہ کر دیا۔ اِغْوَاءٌ سے ماضی۔

تَجِدُ: تو پائے گا۔ وُجُوْدٌ سے مضارع۔

تشریح: جب ابلیس کو قیامت تک کے لئے مہلت مل گئی تو وہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا کہ چوں کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اس لئے میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ میں تیرے ان بندوں کی تاک میں

تیری سیدھی راہ پر بیٹھ کر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا اور آدمؑ کا بدلہ آدمؑ کی نسل سے لوں گا کیوں کہ میں آدمؑ ہی کی وجہ سے راندہ، درگاہ بنا ہوں ۔ میں ان کے سامنے سے بھی آؤں گا، یعنی آخرت کے بارے میں بھی میں ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کروں گا اور ان کے پیچھے سے بھی آؤں گا، یعنی دنیا پسندی کے لئے بھی ان کو ترغیب دوں گا ۔ میں ان کے سیدھی طرف سے بھی آؤں گا یعنی امر دین ان پر مشتبہ کر دوں گا اور ان کے بائیں طرف سے بھی یعنی ان کو گناہ کی طرف راغب کروں گا ۔ اس وقت شیطان نے یہ نہیں کہا کہ میں اوپر سے بھی ان کے پاس آؤں گا کیوں کہ اوپر سے تو صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی آسکتی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ ان کو ہر طرح سے بہکاؤں گا ۔

اس کے بعد شیطان نے کہا کہ اے پروردگار تو ان بندوں میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا ۔ یہ بات اس نے اپنے ظن سے کہی تھی اور اس کا یہ گمان صحیح نکلا کیوں کہ مومنوں کے سوا سب نے اس کی پیروی کی لیکن مومنوں پر اس کی چال کارگر نہ ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ موقع اس لئے دیا تھا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کون آخرت پر یقین رکھنے والا ہے اور کون آخرت کے بارے میں شک و شبہ میں پڑنے والا ہے ۔ (ابن کثیر ۲۰۴، ۲۰۵ / ۲، مظہری ۳۸۰، ۳۸۱ / ۳)

ابلیس کی ذلت و خواری

۱۸۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے (شیطان سے) فرمایا کہ تو یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا ۔ ان لوگوں میں سے جو کوئی بھی تیری اتباع کرے گا تو میں بھی تم سب سے جہنم کو ضرور بھر دوں گا ۔

مَذْءُوْمًا: مذمت کیا ہوا ۔ ملامت کیا ہوا ۔ ذَءْمٌ سے اسم مفعول ۔

مَدْحُوْرًا: مردود کیا ہوا ۔ رحمت سے دور کیا ہوا ۔ دَحْرٌ و دُحُوْرٌ سے اسم مفعول ۔

اَمْلَئَنَّ: میں ضرور بھر دوں گا ۔ مَلْأٌ سے مضارع بانون تاکید ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ اے گستاخ و ملعون، اب تو ذلیل و خوار اور دھتکارا ہوا ہو کر یہاں (جنت) سے نکل جا اور جس کو چاہے بہکا، مجھے اس کی پرواہ نہیں ۔ ان میں

سے جو لوگ تیری پیروی کریں گے تو میں ان سب کو تیرے ساتھ جہنم میں ڈال دوں گا جہاں تم ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ سرکشی و حسد کرنے والے شیطانِ لعین کو ایسی ذلت و رسوائی دی کہ قیامت تک سب اس پر لعنت کرتے رہیں اور انجام کے اعتبار سے وہ ہمیشہ کے لئے جنت سے محروم ہو کر دوزخ کا مستحق ہو گیا۔ دوسرے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خالق و مالک اور محسن حقیقی نے تمہارے ابدی دشمن کا ایسا عبرتناک انجام کیا۔ تم اس کے بعد بھی اپنے محسن و مالک کی نافرمانی کرتے ہو اور اپنے قدیمی دشمن کے کہنے پر چلتے ہو۔

آدم و حوّا پر انعام

۱۹۔ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ پس تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ تم غلط کاروں میں سے ہو جاؤ گے۔

اُسْكُنْ : تو سکونت اختیار کر۔ تو رہ۔ سُکُوْنٌ سے امر۔

حَيْثُ : جہاں۔ جس جگہ۔

شِئْتُمَا : تم دونوں نے چاہا۔ مَشِيْئَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: جب شیطان کو اس کے غرور و تکبر اور کفر کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے آدمؑ تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو اور اس میں جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ۔ مگر کھانے کی غرض سے تم دونوں اس درخت کے قریب بھی نہ جانا اور اس کے کھانے سے مکمل پرہیز کرنا ورنہ تم نامناسب کام کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

قرآن کریم کی کسی آیت یا صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ وہ درخت کیا تھا جس کے کھانے کی ممانعت کی گئی۔

ابلیس کا وسوسہ ڈالنا

۲۱،۲۰۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ٥ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ٥

پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ جو کچھ ان کی شرمگاہوں سے، ان کی نظر سے پوشیدہ تھا وہ ان پر ظاہر کر دے اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اسی لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور وہ ان دونوں سے قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔

وَسْوَسَ: اس نے دل میں بُرا خیال پیدا کیا۔ وَسْوَسَةٌ سے ماضی۔

لِيُبْدِيَ: تاکہ وہ ظاہر کرے۔ تاکہ وہ نمایاں کرے۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع۔

وٗرِيَ: وہ چھپایا گیا۔ مُوَارَاةٌ سے مضارع مجہول۔

سَوْاٰتِهِمَا: ان دونوں کی شرمگاہیں۔ واحد سَوْاَةٌ۔

تشریح: حضرت آدم و حوّا پر اللہ تعالیٰ کا انعام دیکھ کر شیطان کو ان دونوں پر حسد ہوا اور وہ مکاری و فریب سے کام لے کر ان کو ورغلانے لگا اور اس نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی تاکہ جو نعمتِ خداوندی ان کو حاصل ہے وہ اس سے محروم ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے حضرت آدم و حوّا سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس درخت سے محض اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ اور ہمیشہ یہاں رہنے کا حق حاصل نہ کر لو اور یہ بات تمہیں اسی درخت کا پھل کھانے سے حاصل ہو گی۔ اگر تم نے اس درخت کا پھل کھالیا تو تمہیں دائمی زندگی حاصل ہو جائے گی اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور تمہیں ایسی بادشاہت حاصل ہو گی جو کبھی کمزور اور زائل نہ ہو گی۔

پھر وہ ان کو یقین دلانے کے لئے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ میں تم دونوں سے پہلے یہاں رہتا تھا اور اس جنت کے چپہ چپہ سے پوری

طرح واقف ہوں ۔ (ابن کثیر ۲۰۵ / ۲)

خطا سرزد ہونا اور توبہ کرنا

۲۲، ۲۳۔ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

پھر شیطان نے ان دونوں کو دھوکے سے مائل کر لیا ۔ پس جب ان دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان پر ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور ان کے رب نے ان کو پکار کر کہا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کر دیا تھا اور میں نے تمہیں یہ نہیں بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ ان دونوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم یقیناً تباہ ہو جائیں گے ۔

فَدَلّٰىهُمَا : پس اس نے ان دونوں کو کھینچ لیا ۔ پس اس نے ان دونوں کو ورغلایا ۔ تَدْلِيَةٌ سے ماضی ۔

بِغُرُوْرٍ : دھوکے سے ۔ فریب سے ۔ جھوٹے وعدہ سے ۔

بَدَتْ : وہ ظاہر ہوئی ۔ بَدْوٌ سے ماضی ۔

سَوْاٰتُهُمَا : ان دونوں کی شرمگاہیں ۔ واحد سَوْءَةٌ ۔

طَفِقَا : وہ دونوں کرنے لگے ۔ ان دونوں نے شروع کیا ۔ طَفَقٌ و طُفُوْقٌ سے ماضی ۔

يَخْصِفٰنِ : وہ دونوں ٹانکتے ہیں ۔ وہ دونوں چپکانے لگے ۔ وہ دونوں ڈھانپنے لگے ۔ خَصْفٌ سے مضارع ۔

تشریح : جب شیطان کے ورغلانے پر حضرت آدم و حوّا سے خطا سرزد ہو گئی اور انہوں نے

ممنوعہ درخت کا پھل چکھ لیا تو وہ نافرمانی کی نحوست سے دوچار ہو گئے ۔ ان کے بدن سے جنت کا لباس اتر گیا، ان کا چھپا ہوا جسم کھل گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو گئے ۔ پھر بدحواسی کے عالم میں جنت کے اندر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور درختوں کے پتوں سے اپنے جسموں کو چھپانے لگے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! میں نے تو تمہیں جنت عطا کر دی تھی اور تمہارے لئے سوائے اس درخت کے جس سے منع کیا تھا، ہر چیز جائز کر دی تھی اور تمہیں بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، تم اس سے بچتے رہنا ۔ پھر تم کیوں اس کی باتوں میں آگئے ۔

حضرت آدمؑ و حوّا نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! تیری عزت کی قسم! ہمارے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ تیری قسم کھا کر بھی کوئی جھوٹ کہے گا ۔ اے ہمارے پروردگار، ہم قصور وار ہیں، ہم نے ابلیس کی بات مان کر اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنا ہی نقصان کیا ۔ ہم تیری مغفرت و رحمت کے امیدوار ہیں ۔ اگر تو ہماری لغزش اور خطا معاف نہ کرے اور ہم پر اپنا لطف و مہربانی نہ فرمائے تو بلاشبہ ہم خسارہ اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷، ۱۸ / ۳، ابن کثیر ۲۰۶ / ۲) ۔

جنت سے اترنے کا حکم

۲۴، ۲۵ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نیچے اتر جاؤ، تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور ایک مقررہ وقت تک نفع اٹھانا ہے ۔ (اور) فرمایا کہ تمہیں وہیں زندگی بسر کرنی ہے اور وہیں مرنا ہے ۔ (اور قیامت کے دن) تم اسی میں سے نکالے جاؤ گے ۔

اهْبِطُوْا: تم سب اترو ۔ ہُبُوْطٌ سے امر ۔
مُسْتَقَرٌّ: ٹھہرایا ہوا ۔ ٹھہرنے کی جگہ ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم مفعول ۔

مَتَاعٌ: متاع ۔ فائدہ ۔ پونجی ۔
حِیْنٍ: وقت ۔ زمانہ ۔ مدت ۔
تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ میں نے تمہاری خطا و لغزش کو معاف کر دیا اور تمہاری توبہ و معذرت قبول کر لی اور آئندہ میری رحمتیں اور برکتیں تم پر مبذول ہوں گی لیکن فی الحال تم جنت سے زمین پر اترو اور ایک مقررہ مدت کے لئے یعنی مرنے تک تمہیں زمین پر ٹھہرنا ہے اور سامان دنیوی سے نفع اٹھانا ہے اور جنت میں واپسی کی تیاری کرنا ہے ۔ زمین پر تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے ۔ وہاں شیطان بھی ہو گا، لہٰذا اس سے ہوشیار رہنا اور اس کے دھوکہ میں نہ آنا ۔ مقررہ مدت ختم ہونے کے بعد پھر تمہیں ہماری ہی طرف آنا ہے ۔ پس تم اسی زمین میں زندگی بسر کرو گے اور اسی میں مرو گے ۔ پھر قیامت کے روز اسی میں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے تم میں سے جو شخص اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے طریقہ پر چلا ہو گا وہ حساب و کتاب کے بعد جنت میں پہنچ جائے گا ورنہ اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہو گا ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹ / ۳) ۔

بہترین لباس

۲۶۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

اے بنی آدم! ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرمگاہ بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ غور کریں ۔

يُوَارِيْ: وہ چھپاتا ہے ۔ وہ ڈھانکتا ہے ۔ مُوَارَاةٌ سے مضارع ۔
سَوْاٰتِكُمْ: تمہاری شرمگاہیں ۔ واحد سَوْءَةٌ ۔ سَوْءَةٌ ان اعضاء کو کہا جاتا ہے جن کے کھلنے کو انسان فطرۃً برا اور قابل شرم سمجھتا ہے ۔
رِيْشًا: لباس ۔ زینت ۔ جمع اَرْيَاشٌ ۔ ریش اس لباس کو کہا جاتا ہے جو آدمی، زینت اور جمال کے لئے استعمال کرتا ہے ۔

ربط: گزشتہ آیات میں حضرت آدم و حوّا علیہما السلام اور ان کو شیطانِ لعین کے ورغلانے اور ان کو شجرِ ممنوعہ کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا کرنے کے واقعہ کا بیان تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اپنا ایک عظیم انعام یاد دلایا ہے جو اس نے لباس کی شکل میں ان پر فرمایا۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ مرد دن کے وقت اور عورتیں رات کے وقت طواف کرتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں ان کو پہن کر ہم طواف نہیں کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۸۳ / ۳)

تشریح: جب شیطانِ لعین کے ورغلانے اور پھسلانے سے حضرت آدم و حوّا علیہما السلام نے شجرِ ممنوعہ کو چکھا تو ان کی ستر پوشی ختم ہو گئی اور وہ پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میری اس عظیم نعمت کی قدر کرو جو میں نے لباس کی شکل میں تمہیں عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ لباس اور ستر پوشی انسان کی فطری خواہش بھی ہے اور ضرورت بھی۔ دنیا کی کوئی قوم و ملت اس سے بے نیاز نہیں۔ سب لوگ اس کے پابند اور حاجتمند ہیں۔

اس آیت میں تین قسم کے لباسوں کا ذکر ہے:

(۱) وہ لباس جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو قابلِ شرم اعضاء کو چھپانے کے لئے نازل کیا یعنی عطا فرمایا۔

(۲) وہ لباس جو آدمی زیب و زینت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سَتر چھپانے کے لئے گو مختصر سا لباس کافی ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور مہربانی سے تمہیں زائد لباس اس لئے عطا فرما دیا کہ اس کے ذریعہ تم تجمل اور زینت حاصل کر سکو اور اپنی ہیئت و حلیہ کو مناسب، شریفانہ اور شائستہ بنا سکو اور موسمی اثرات سے اپنے آپ کو بچا کر راحت پا سکو۔

(۳) تیسری قسم کا لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ جو سب لباسوں سے زیادہ بہتر ہے۔ تقویٰ کے لباس سے مراد عمل صالح ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، یا خوفِ خدا ہے جیسا کہ عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے، یا حیا ہے جیسا کہ حسنؒ سے مروی ہے۔

پس جس طرح ظاہری لباس انسان کے لئے، ستر چھپانے، زینت و تجمل حاصل کرنے اور سردی و گرمی سے بچنے کا ذریعہ ہے اسی طرح تقویٰ و طہارت کا لباس انسان کے اخلاقی عیوب و

کمزوریوں کے پردے اور دائمی تکلیفوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے اس کو سب سے بہتر لباس کہا گیا ہے۔

ابن جریرؒ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، جو شخص کوئی بھی عمل لوگوں کی نظروں سے چھپا کر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس عمل کی چادر اوڑھا کر اعلان کر دیتا ہے۔ نیک عمل ہو تو نیکی کا (اعلان) اور برا عمل ہو تو برائی کا (اعلان کر دیتا ہے)۔ چادر اوڑھنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح بدن پر اوڑھی ہوئی چادر سب کے سامنے ہوتی ہے، اسی طرح انسان کا عمل خواہ کتنا ہی پوشیدہ ہو اس کے اثرات اس کے چہرے اور بدن پر ظاہر کر دئے جاتے ہیں۔

پس آدمی کا لباس ایسا ہونا چاہیئے جو مذکورہ بالا تمام تقاضے پورے کرتا ہو۔ مثلاً یہ پوری طرح ستر پوشی اور زیب و زینت کے ساتھ ساتھ تقویٰ کے حصول کا ذریعہ بھی ہو۔ لباس ایسا باریک اور چست نہ ہو کہ اس سے اعضائے جسم نظر آئیں، نہ اس میں فخر و تکبر کا انداز اور اسرافِ بیجا ہو۔ مردوں کے لئے زنانہ لباس اور عورتوں کے لئے مردانہ لباس بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغبوض و مکروہ ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ انسان کو لباس کی یہ تینوں قسمیں عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں اور اس میں غور و فکر کریں۔

(معارف القرآن ۵۳۶،۵۳۳ / ۳، روح المعانی ۱۰۴،۱۰۳ / ۸، ابن کثیر ۲۰۷ / ۲)

بنی آدم کو تنبیہ

۲۷۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭاِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭاِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اے بنی آدم! تمہیں شیطان نہ بہکائے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو ان کا

ستر دکھانے کے لئے ان کے کپڑے اتروا کر جنت سے نکلوا دیا تھا۔ بے شک وہ اور اس کا لشکر تمہیں اس جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لائے۔

يَفْتِنَنَّكُمْ: وہ تم کو ضرور فتنہ میں ڈالے گا۔ وہ تم کو ضرور گمراہ کرے گا۔ فَتْنٌ و فُتُوْنٌ سے مضارع۔

يَنْزِعُ: وہ اتارتا ہے۔ وہ کھینچتا ہے۔ نَزْعٌ سے مضارع۔

سَوْاٰتِهِمَا: ان دونوں کی شرمگاہیں۔ واحد سَوْءَةٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے تنبیہ فرمائی کہ تم اپنے تمام اعمال و افعال میں شیطان کے مکر و فریب سے بچتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ حضرت آدم و حوّا علیہما السلام کو ورغلا کر جنت سے نکلوا دیا اسی طرح وہ اپنے مکر و فریب سے تمہیں بھی کسی فتنہ اور مصیبت سے دوچار کر دے۔ وہ تمہارا قدیم اور مکار دشمن ہے، تم اس سے دھوکہ مت کھانا، ہمیشہ اور ہر وقت اس سے بچتے رہنے اور شدید احتیاط کی ضرورت ہے، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ بلاشبہ شیطان اور اس کے ساتھی تو تمہیں دیکھتے ہیں مگر تم ان کو نہیں دیکھ سکتے، اس لئے ان سے بچنے اور محتاط رہنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایسے دشمن سے بچاؤ ایمان و تقویٰ ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ شیطان کے ساتھی ہیں وہ باطل کی پیروی اور حق سے نفرت کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر شیطان قابو پاتا ہے۔ جو لوگ مومن اور پرہیزگار ہیں وہ شیطانِ لعین کے مکر و فریب اور داؤ گھات سے محفوظ رہتے ہیں۔

(روح المعانی ۱۰۴، ۱۰۶ / ۸، مظہری ۳۸۴، ۳۸۵ / ۳)

باپ دادا کا طریقہ

۲۸- وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور جب وہ کوئی بے حیائی (کا کام) کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی پر پایا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جو تمہیں معلوم نہیں۔

تشریح: عرب کے مشرکین ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جس حال میں پیدا ہوئے تھے اسی حال میں طواف کریں گے اور جن کپڑوں کو پہن کر انھوں نے گناہ کئے ہیں وہ ان کپڑوں میں طواف نہیں کر سکتے۔ عورتیں بھی عموماً برہنہ ہو کر رات کو طواف کرتی تھیں اور کپڑے پہننے کی بجائے چمڑہ کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا یا کوئی اور چیز اپنی شرمگاہ پر لگا لیتی تھیں اور باقی تمام بدن برہنہ رہتا تھا۔ طواف کے دوران وہ کہتی جاتی تھیں کہ آج جسم کا بعض حصہ یا پورا جسم کھلا رکھا جائے گا لیکن جسم کا جو حصہ بھی کھلا ہوا ہو وہ کسی پر حلال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ لوگ جب کوئی شرمناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو فحش اور نازیبا کام کا حکم نہیں دیتا۔ مفسرین کے نزدیک یہاں فحش کام سے مراد ننگے ہو کر طواف کرنا ہے۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کی صحت کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بری باتوں کا حکم نہیں دیتا کیونکہ ایسا حکم اس کی حکمت اور شان کے خلاف ہے۔ (ابن کثیر ۲۰۸، ۲۰۹ / ۲)

اتباعِ شریعت کی تاکید

۲۹، ۳۰۔ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِیْقًا هَدٰى وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر سجدے کے وقت اپنا منہ سیدھا رکھو اور خاص اسی کے فرماں بردار ہو کر اس کو پکارو ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں ابتداء میں پیدا کیا اسی طرح تم دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے ۔ ایک فریق کو (اللہ تعالیٰ نے) ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی مسلط ہو گئی کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست بنالیا اور ان کا گمان ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں ۔

قِسْطِ : انصاف، اعتدال، برابری، جمع اَقْسَاطٌ ۔ یہاں قسط سے ایسا عمل مراد ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہو ۔ چونکہ تمام احکام شرعیہ افراط و تفریط سے خالی ہیں اس لئے قسط کے مفہوم میں تمام عبادات و احکام شرعیہ داخل ہیں ۔

(روح المعانی ۱۰۷ / ۸) ۔

بَدَاَکُمْ : اس نے تم کو شروع میں پیدا کیا ۔ بَدْءٌ سے ماضی ۔

تَعُوْدُوْنَ : تم لوٹو گے ۔ تم دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے ۔ عَوْدٌ سے مضارع ۔

یَحْسَبُوْنَ : وہ گمان کرتے ہیں ۔ وہ خیال کرتے ہیں ۔ حُسْبَانٌ سے مضارع ۔

تشریح : ننگے ہو کر طواف کرنے کو اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دینا، اللہ تعالیٰ پر صریح بہتان و افتراء ہے ۔ اللہ تعالیٰ کسی کو فحش و نازیبا کام کا حکم نہیں دیتا ۔ وہ تو عدل و انصاف اور اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے ۔ لہٰذا ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو اور اللہ کو اس طرح متوجہ ہو کر پکارو کہ عبادت خالص اسی کی ہو، اس کی عبادت میں کسی کی شرکت کا شائبہ بھی نہ ہو حتیٰ کہ وہ رِیا و نمود سے بھی پاک ہو اور یہ سمجھ لو کہ ایک دن تمہیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اسی طرح تمہیں قیامت کے روز دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے ذرا مشکل نہیں ۔ بالآخر تم اسی کی طرف لوٹو گے ۔ اس وقت تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہو گی ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت عام تھی ۔ کچھ لوگ اس پر لبیک کہتے ہوئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور ہدایت یافتہ ہوگئے، کچھ لوگ اس ہدایت سے منہ موڑ کر شیطانوں کی اتباع کرنے لگے، بت پرستی اور بے حیائی کے کام کرنے لگے اور ستم بالائے ستم یہ کہ یہ لوگ اپنی اس گمراہی کو ہدایت خیال کرنے لگے ۔ قیامت کے روز ان کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر ۔ (معارف القرآن ۵۴۰، ۵۴۱ / ۳، روح المعانی ۱۰۷، ۱۰۸ / ۸)

نماز میں ستر پوشی

۳۱۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○

اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو آراستہ کر لیا کرو اور کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

شانِ نزول: مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اسلام سے پہلے عورتیں برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتی تھیں اور طواف کے دوران ایک ہاتھ شرمگاہ پر رکھ کر کہتی تھیں کہ آج یہ سب کچھ کھل جائے یا کچھ حصہ کھل جائے۔ اس کو کسی کے تصرف میں نہیں دے سکتی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۸۷ / ۳۔ روح المعانی ۱۰۹ / ۸)

تشریح: زمانہ جاہلیت کے عرب ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے کو صحیح عبادت اور بیت اللہ کا احترام سمجھتے تھے۔ اسی طرح ان میں ایک جاہلانہ رسم یہ بھی تھی کہ وہ حج کے ایام میں صرف اتنا کھاتے پیتے تھے کہ سانس چلتا رہے۔ خاص طور پر گھی، دودھ اور پاکیزہ غذاؤں سے بالکل اجتناب کرتے تھے۔ اس آیت میں بیت اللہ کی تعظیم کے نام پر ننگے ہو کر طواف کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ تم طواف اور ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے پہن لیا کرو جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے یہاں کئی احکام نکالے ہیں۔

۱۔ جس طرح ننگے ہو کر طواف کرنا منع ہے اسی طرح ننگے نماز پڑھنا بھی حرام اور باطل ہے۔ ترمذیؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ کسی بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر جائز نہیں۔

۲۔ اس آیت میں لباس کو لفظ زینت سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ نماز میں افضل و اولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر کفایت نہ کی جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق اچھا لباس پہنا جائے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نماز کے وقت اپنا سب سے اچھا لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ اس لئے میں اپنے رب کے لئے زینت و جمال اختیار کرتا ہوں۔

۳۔ قرآن کریم نے نماز و طواف کی حالت میں ستر کا چھپانا فرض قرار دیا ہے، مگر اس کی حد کا

تعین نہیں کیا یعنی یہ نہیں بتایا کہ جسم کا کون سا اور کتنا حصہ ستر میں داخل ہے ۔ یہ تفصیل احادیث میں مذکور ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک اور عورت کا ستر صرف چہرہ دونوں ہتھیلیاں اور قدم چھوڑ کر سارا بدن ہے ۔ پس جس عورت کا سر، گردن یا بازو یا پنڈلی کھلی ہوئی ہو تو ایسے لباس میں رہنا اس کے لئے جائز نہیں اور نہ ایسے لباس میں اس کی نماز ہو گی ۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس مکان میں عورت ننگے سر ہو وہاں نیکی کے فرشتے نہیں آتے ۔

عورت کا چہرہ ، ہتھیلیاں اور قدم جو ستر سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر نماز میں اس کے یہ اعضاء کھلے ہوئے ہوں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا ۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شرعی عذر کے بغیر چہرہ کھول کر غیر محرموں کے سامنے پھرا کرے ۔

اسی طرح مرد کا ننگے سر نماز پڑھنا یا مونڈھے یا کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔ ایسے لباس میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے جس کو پہن کر آدمی اپنے دوستوں اور عام لوگوں کے سامنے جانا قابل شرم و عار سمجھے ۔

۴ ۔ شرعی اعتبار سے انسان پر کھانا پینا فرض و لازم ہے ۔ اگر قدرت کے باوجود کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے یہاں تک کہ مر جائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ واجبات بھی ادا نہ کر سکے تو ایسا شخص عند اللہ مجرم و گنہگار ہو گا ۔

۵ ۔ اس آیت کی رو سے کھانے پینے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسراف کی ممانعت ہے ۔

اسراف کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا اور حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں ۔

۱ ۔ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہنچ جائے اور حرام چیزوں کو کھانے پینے لگے ۔

۲ ۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو کسی شرعی وجہ کے بغیر حرام سمجھ کر چھوڑ دے جس طرح حرام چیزوں کا استعمال جرم و گناہ ہے اسی طرح حلال چیزوں کو حرام سمجھنا بھی سخت گناہ ہے ۔

۳ ۔ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھانا پینا بھی اسراف ہے ۔

۴ ۔ ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے ۔

(معارف القرآن ۵۴۲، ۵۴۶ / ۳، روح المعانی ۱۰۹، ۱۱۰ / ۸)

لباس پہننے کی تاکید

۳۲۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان سے) پوچھیئے کہ جو زینت اور پاک روزی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی زندگی میں یہ چیزیں مومنوں ہی کے لئے (پیدا کی گئی) ہیں (اگرچہ کافر بھی ان کے ساتھ شریک ہیں) اور آخرت میں تو خاص مسلمانوں ہی کو دی جائیں گی۔ سمجھدار لوگوں کے لئے ہم اسی طرح صاف صاف آیتیں بیان کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو عبادات میں غلو اور اپنی طرف سے تنگیاں پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دینے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ جیسے مشرکین مکہ حج کے دنوں میں طواف کے وقت لباس پہننا جائز نہیں سمجھتے تھے اور جو غذائیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں ان سے پرہیز کو عبادت جانتے تھے۔

کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا حق صرف اس ذات کو ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے کسی اور کو اس میں مداخلت کا حق نہیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی عمدہ پوشاک اور لذیذ خوراک کو حرام سمجھے اور وسعت کے باوجود پھٹیچر حال میں رہے تو یہ نہ تو اسلام کی تعلیم ہے اور نہ اسلام میں پسندیدہ چیز ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور قابل عتاب و عذاب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی نعمت و وسعت عطا فرما دے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس کے لباس وغیرہ سے ظاہر ہو، اس لئے کہ اظہار نعمت بھی شکر ہے۔ اسکے بالمقابل وسعت ہوتے ہوئے پھٹے پرانے یا میلے کچیلے کپڑے استعمال کرنا ناشکری ہے البتہ ریاو نمود اور فخر و غرور سے بچنا ضروری ہے۔

دنیا کی تمام نعمتیں، نفیس و عمدہ لباس، پاکیزہ اور لذیذ غذائیں، اللہ تعالیٰ نے مومنوں ہی کے لئے پیدا کی ہیں تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں، ان کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے

جسمانی طاقت و توانائی حاصل کریں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ دوسرے لوگ تو انہی کے طفیل میں کھاتے پہنتے ہیں۔ یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزا نہیں، اس لئے دنیا کی نعمتوں میں کھرے کھوٹے اور اچھے برے کا امتیاز نہیں کیا جاسکتا بلکہ رحمنِ دنیا کی نعمتوں کا یہ دستر خوان دنیا میں سب کے لئے عام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت سے دنیاوی زندگی میں مومنوں کے ساتھ کافروں کو بھی نعمتوں میں شریک کر دیا تاکہ حجت پوری ہو جائے۔ آخرت میں ساری نعمتیں اور راحتیں صرف اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندوں کے لئے مخصوص ہوں گی کیونکہ جنت اور جنت کی نعمتیں کافروں پر حرام ہیں۔

بعض مفسرین نے آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ دنیا میں ساری نعمتوں اور راحتوں کے ساتھ محنت و مشقت، پھر زوال کا خطرہ اور طرح طرح کے رنج و غم لگے ہوئے ہیں۔ خالص نعمت اور خالص راحت کا یہاں وجود نہیں۔ البتہ قیامت کے روز جس کو یہ نعمتیں ملیں گی وہ خالص ہو کر ملیں گی، نہ ان کے ساتھ کوئی محنت و مشقت ہو گی، نہ ان کے زوال یا نقصان کا کوئی خطرہ ہو گا اور نہ ان کے بعد کوئی رنج و مصیبت۔

پھر فرمایا کہ ہم اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں سمجھدار لوگوں کے لئے اسی طرح صاف صاف بیان کرتے ہیں جس طرح ہم نے حرام کو حلال سے جدا کر دیا تاکہ ہر عالم و جاہل سمجھ لے اور جو لوگ جہالتوں اور حماقتوں میں مبتلا ہیں ان کے لئے بتانا یا نہ بتانا سب برابر ہے۔

(معارف القرآن ۵۴۹، ۵۵۲ / ۳)

حرام چیزوں کی تفصیل

۳۳۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ○

آپ کہہ دیجئے کہ البتہ میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے۔ خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ، گناہ کے کام ہوں یا ناحق زیادتی ہو اور اس سے بھی منع کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی باتیں لگاؤ جن کو تم جانتے بھی نہیں۔

اَلْفَوَاحِشَ: فحش کام، بے حیائی کے کام، کھلے گناہ، واحد فَاحِشَۃٌ۔ فواحش وہ باتیں ہیں جن میں برائی بہت زیادہ ہے۔

اَلْبَغْیَ: بغاوت، سرکشی، استحقاق کے بغیر لوگوں کا مال لینا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اِثم کے معنی معصیت اور بَغْیٌ کے معنی استحقاق کے بغیر لوگوں کا مال یا ناحق عزت چھیننے میں زیادتی کرنا ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ باغی وہ ہے جو خود اپنے نفس پر بغاوت کرے۔ حاصل یہ کہ اثم وہ خطائیں ہیں جو فاعل کی اپنی ذات سے متعلق ہیں اور بغی وہ تعدی اور حد سے بڑھنا ہے جو لوگوں تک متجاوز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام فرمایا۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن چیزوں کو تم نے اپنے طور پر حرام ٹھہرالیا ہے وہ تو حرام نہیں البتہ بے حیائی کے تمام کام خواہ وہ ظاہر ہوں، جیسے ننگے ہو کر طواف کرنا، یا چھپے ہوئے ہوں جیسے بدکاری، گناہ کے کام بشمول شراب و جوا، کسی پر ناحق ظلم کرنا، بلا دلیل کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور جس بات کی تمہارے پاس کوئی سند نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا یہ سب حرام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں واقعتاً حلال ہیں ان کو تو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے اور جو چیزیں حرام ہیں ان کو تم حلال سمجھتے ہو۔ یہ نری جہالت ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲۱۱)

مشرکین کا انجامِ بد

۳۴۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

اور ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو اس وقت نہ ایک گھڑی تاخیر کر سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکیں گے۔

اَجَلٌ: مقررہ وقت۔ موت۔ مہلت۔ جمع آجَالٌ

سَاعَةٌ: گھڑی، وقت۔ قیامت۔

يَسْتَقْدِمُوْنَ: وہ سبقت کرتے ہیں۔ وہ پیشقدمی کرتے ہیں۔ اِسْتِقْدَامٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور مجرم ہر طرح کی سرکشی اور ظلم و تعدی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پل رہے ہیں۔ بظاہر ان پر کوئی عذاب اور تکلیف و تنگی نظر نہیں آتی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے مہلت اور ڈھیل ہے تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس مہلت و ڈھیل کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ مقررہ وقت آپہنچتا ہے تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا خواہ وہ اس وقت مہلت کے طالب ہوں یا اس مقررہ وقت سے پہلے نزول عذاب کے خواستگار ہوں۔ نیز اس وقت کوئی توبہ اور معذرت قبول نہیں ہوتی بلکہ ان کو عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ کبھی تو دنیا میں ہی عذاب دے دیا جاتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی مصلحت کے تحت ان کو دنیا میں عذاب نہ دے تو ایسے لوگ مرتے ہی عذاب میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اہلِ دوزخ

۳۵، ۳۶۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

اے بنی آدم! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں اور وہ تمہیں میری آیتیں سنائیں تو اس وقت جو پرہیزگاری اختیار کرے گا اور اپنی اصلاح کرلے گا تو اس پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا تو وہی اہل دوزخ ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِمَّا: اگر۔ یا۔ یہ اِنْ اور مَا سے مرکب ہے۔

يَقُصُّوْنَ: وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ سناتے ہیں۔

خٰلِدُوْنَ: ہمیشہ رہنے والے۔ سدا رہنے والے۔ خُلُوْدٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: بنی آدم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و مہربانی سے

تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے کتابیں اور تمہاری ہی جنس سے رسول بھیجے ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے اور انبیاء کی تکذیب سے بچتے رہیں گے، اپنے اعمال کی اصلاح کرتے رہیں گے اور اللہ کے حکم کے مطابق خاص اس کی خوشنودی کے لئے کام کرتے رہیں گے تو قیامت کے روز جب دوسرے لوگ دوزخ اور عذاب کے خوف میں مبتلا ہوں گے اور اپنی گزشتہ زندگی تباہ و برباد کرنے پر مغموم ہوں گے، اس وقت یہ لوگ امن و سکون میں ہوں گے اور ان کو کوئی غم اور خوف نہ ہو گا ۔ جن لوگوں نے ہماری کتابوں اور رسولوں کے آنے کے باوجود ہمارے رسولوں اور ہمارے احکام کو جھٹلایا اور ان کو قبول کرنے سے تکبر کیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کبھی عذاب سے نہ نکل سکیں گے ۔ (مظہری ۳۹۵ / ۳)

کفر کا اقرار

۳۷۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْكَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ○

پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے ۔ ان لوگوں کے نصیب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ ان کو پہنچ جائے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو وہ (فرشتے) کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے تھے ۔ وہ کہیں گے کہ وہ سب ہم سے غائب ہو گئے اور وہ اپنے اوپر اس بات کی گواہی دیں گے کہ بے شک ہم کافر تھے ۔

يَنَالُهُمْ: وہ ان کو لے گا ۔ وہ ان کو پہنچے گا ۔ نَيْلٌ سے مضارع ۔

نَصِيْبُهُمْ: ان کا حصہ ۔ ان کی قسمت

يَتَوَفَّوْنَهُمْ: وہ ان کو وفات دیں گے ۔ وہ ان کو مار دیں گے ۔ تَوَفِّیٌ سے مضارع ۔

تشریح: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے یا اس کی آیتوں اور معجزات کو جھٹلائے، اس کے لئے شریک اور بیوی قرار دے۔ برہنہ طواف کو ضروری کہے اور ایسے احکام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے۔ ایسے لوگوں کو دنیا میں وہ سب کچھ مل جائے گا جو ان کے نصیب میں ہے۔ پھر جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے آئیں گے اور ان کی جانیں قبض کر کے ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے تو وہ فرشتے ان لوگوں سے ان کے معبودوں اور بتوں کے بارے میں پوچھیں گے کہ اب وہ کہاں گئے جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ جن کی تم عبادت کرتے تھے اور جن سے دعائیں مانگتے تھے۔ اب تم انہی کو بلاؤ تاکہ وہ تمہیں دوزخ سے چھڑائیں۔ وہ لوگ جواب میں کہیں گے کہ وہ سب تو غائب ہو گئے۔ ہمیں اب ان کی طرف سے کسی خیر کی امید نہیں۔ پھر وہ مجبور ہو کر اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

(ابن کثیر ۲۱۲ / ۲، مظہری ۳۹۶،۳۹۵ / ۳)

مکذبین و متکبرین کی سزا

۳۹،۳۸ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں میں سے جو امتیں پہلے گزر چکی ہیں، تم بھی ان کے ساتھ مل کر دوزخ میں جاؤ۔ جب کوئی امت (دوزخ میں) داخل ہو گی تو اپنے جیسی دوسری امت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس میں گر چکیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، سو ان کو دوزخ میں دوگنا

عذاب دے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک کے لئے دو گنا ہے، لیکن تم نہیں
جانتے اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ اب تمہیں ہم پر کوئی فضیلت
نہیں رہی سو تم بھی اپنے کئے کے سبب عذاب کا مزہ چکھو ۔

اِدَّارَکُوْا: وہ گریں گے ۔ وہ ملیں گے ۔ وہ جمع ہوں گے ۔ تَدَارُکٌ سے ماضی ۔

ضِعْفاً: دو گنا ۔ دو چند ۔ جمع اَضْعَافٌ ۔

فَذُوْقُوا: پس تم چکھو ۔ ذَوْقٌ سے امر ۔

تشریح: جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے تھے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم دوزخ میں داخل ہو کر اپنے جیسے ان گروہوں میں شامل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزرے ہیں خواہ وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ۔ پھر جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہو گا تو وہ اپنے جیسی دوسری جماعت کو لعنت و ملامت کرنے لگے گا جو انہی کی طرح گمراہ ہو گی اور جن کی پیروی کی وجہ سے یہ گروہ گمراہ ہوا، یہاں تک کہ جب سب لوگ دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو بعد میں داخل ہونے والے اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کی شکایت کریں گے جو ان سے پہلے دوزخ میں داخل ہوئے تھے اور جن کی اتباع کر کے یہ لوگ گمراہ ہوئے اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، اس لئے ان کو دوزخ میں دو گنا عذاب دے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ صرف انہی کو نہیں بلکہ تم میں سے ہر ایک کو دو گنا عذاب ہو گا، لیکن تمہیں ابھی اس کا علم نہیں ۔

اللہ تعالیٰ کے جواب کے بعد پہلی جماعت بعد والی جماعت سے کہے گی کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بعد اب تمہیں ہم پر کوئی فضیلت و فوقیت نہیں رہی ۔ ہم بھی دو چند عذاب میں مبتلا ہیں اور تم بھی دو چند عذاب میں مبتلا ہو گئے ۔ پس گمراہی اور کفر میں ہم دونوں برابر ہو گئے ۔ لہٰذا تم بھی اپنے کفر کے بدلے ہماری طرح عذاب کا مزہ چکھو ۔

(ابن کثیر ۲۱۲ / ۲، روح المعانی ۱۱۶، ۱۱۷ / ۸)

منکرین کی جنت سے محرومی

۴۰، ۴۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ

اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا تو ان کے لئے نہ تو آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ ہی کا بچھونا ہو گا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہو گا اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

یَلِجَ : وہ داخل ہوتا ہے۔ وہ گھستا ہے۔ وُلُوْجٌ سے مضارع۔

اَلْجَمَلُ : اونٹ، جمع جِمَالَۃٌ و جِمَالٌ۔

سَمٌّ : ناکہ۔ سوراخ۔ زہر دینا۔، جمع سِمَامٌ و سُمُوْمٌ۔

الخِیَاطِ : سوئی۔ جمع خُیُطٌ۔

غَوَاشٍ : ہر طرف سے ڈھانک لینے والی (آگ)۔ پردے۔ سائبان۔ واحد غَاشِیَۃٌ۔

مِهَادٌ : ٹھکانا۔ فرش۔ بچھونا۔

تشریح : جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان سے روگردانی کرتے ہیں تو ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس طرح نہ تو ان کی زندگی میں ان کے اعمال و افعال اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہوں گے اور نہ مرنے کے بعد ان کی روحیں آسمان پر چڑھ سکیں گی کیونکہ ان کے اعمال گندے اور روحیں نجس ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف تو اعمالِ صالحہ اور پاک روحیں ہی چڑھتی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ منکرین و کفار کی ارواح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ کیونکہ ان کی روحیں گندی ہوں گی، اس لئے ان کو اوپر نہیں چڑھایا جائے گا، بلکہ ان کی روحیں وہیں سے نیچے سجین میں پھینک دی جائیں گی۔

یہ لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ اونٹ جیسا عظیم الجثہ

جانور سوئی کے سوراخ میں داخل نہ ہو جائے ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخل ہونا عادتاً محال ہے اسی طرح ان کا جنت میں جانا محال ہے ۔ پس یہ لوگ دائمی طور پر عذابِ جہنم میں رہیں گے اور ان کا اوڑھنا بچھونا سب جہنم کا ہو گا ۔ ظالموں کی یہی سزا ہے ۔
(مظہری ۳۹۷ / ۳، روح المعانی ۱۱۸، ۱۱۹ / ۸)

اہلِ جنت

۴۲، ۴۳۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے تو وہی لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ہم ان کے دلوں کی رنجشوں کو بھی دور کر دیں گے ۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم کبھی ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا ۔ بیشک ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لے کر آئے اور (وہاں) ان کو بھی پکار کر کہا جائے گا کہ تم اپنے اعمال کی بدولت اس جنت کے وارث ہوگئے ۔

نُكَلِّفُ : ہم تکلیف دیتے ہیں ۔ ہم ذمہ دار بناتے ہیں ۔ تَكْلِيْفٌ سے مضارع ۔

نَزَعْنَا : ہم نے باہر نکالا ۔ نَزْعٌ سے ماضی ۔

غِلٍّ : کینہ ۔ برائی ۔ رنجش ۔

نُوْدُوْا : ان کو پکارا جائے گا ۔ نِدَاءٌ سے ماضی مجہول بمعنی مستقبل ۔

تشریح : کفار کے حال کے بعد یہاں مومنوں کے حال کا بیان ہے ۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا

ہے کہ جنت میں داخلے کے لئے ایمان و اعمال کو جو شرط کہا گیا ہے، وہ کوئی بہت مشکل کام نہیں جو انسان نہ کر سکے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے احکام شریعت کو لوگوں کے لئے نہایت آسان کر دیا ہے یہاں تک کہ بیماری، کمزوری، سفر اور دوسری انسانی ضرورتوں اور حالتوں کا لحاظ کرتے ہوئے احکام شریعت میں نرمی اور آسانی پیدا کر دی تاکہ ہر شخص اپنی طاقت اور قوتِ برداشت کے مطابق ان پر عمل کر سکے۔ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کرنے والے ہی اہلِ جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اہلِ جنت کے مابین، اہلِ نار کی طرح باہمی عداوت اور ایک دوسرے سے نفرت نہ ہوگی بلکہ ان مومنوں کے سینوں میں بشری تقاضوں کے تحت دنیا میں جو ایک دوسرے کی طرف سے کوئی رنجش یا ناخوشی ہوگی تو جنت میں داخل ہونے کے بعد ہم اس کو ان کے سینوں سے کھینچ کر باہر نکال دیں گے۔ جنت میں پہنچ جانے کے بعد نہ تو ایک دوسرے سے عداوت ہوگی اور نہ شکوہ و شکایت۔

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومنین دوزخ سے نجات پا جائیں گے تو ان کو جنت اور دوزخ کے درمیان والے پل کے اوپر روک لیا جائے گا اور ان کے وہ مظالم بیان کئے جائیں گے جو دنیا میں ان کے درمیان تھے، یہاں تک کہ جب ان کے دل ان مظالم اور بغض و حسد سے پاک و صاف کر دئے جائیں گے تو ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان کو جنت کی منزل اپنے دنیا کے مسکن سے زیادہ سہل معلوم ہو گی۔

سدیؒ نے اس آیت (ونزعنا) کی تفسیر میں بیان کیا کہ اہل جنت، جنت کی طرف جائیں گے تو جنت کے دروازے کے پاس ان کو ایک درخت ملے گا جس کی جڑ میں دو چشمے بہتے ہوں گے۔ پس جب وہ ان میں سے ایک چشمے کا پانی پیئیں گے تو ان کے دل میں جو کچھ باہمی کینہ ہوگا وہ سب دھل جائے گا، یہی شراب طہور ہے اور وہ لوگ دوسرے چشمے سے نہائیں گے تو ان کے چہروں پر جنت کی سی تازگی نمایاں ہو جائے گی۔ پھر اس کے بعد نہ کبھی ان کے بال بکھریں گے اور نہ کبھی ان کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہوگی۔

ابن ابی حاتمؒ نے حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صراط سے گزرنے کے بعد اہلِ جنت کو روک لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں گے وہ دلوائے جائیں گے۔ پھر ان کو اس حال میں جنت میں بھیجا جائے گا کہ ان کے دلوں میں باہم کوئی خلش باقی نہ رہے گی۔

(ابن کثیر ۲۱۵ / ۲، روح المعانی ۱۲۰، ۱۲۱ / ۸، مظہری ۳۹۸، ۳۹۹ / ۳)

اہلِ جنت و دوزخ کی گفتگو

۴۴، ۴۵۔ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ○

اور اہلِ جنت، اہلِ دوزخ سے کہیں گے کہ ہمارے رب نے، ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے تو اسے سچا پایا، تو کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ وہ کہیں گے ہاں۔ پھر کوئی پکارنے والا ان کے درمیان پکار کر کہے گا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اس میں کجی ڈھونڈتے تھے اور وہ آخرت کا بھی انکار کرتے تھے۔

يَصُدُّوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ باز رکھتے ہیں۔ صَدٌّ سے مضارع۔

يَبْغُوْنَهَا: وہ اس کو چاہتے ہیں۔ وہ اس سے سرکشی کرتے ہیں۔ بَغْیٌ سے مضارع۔

عِوَجًا: کجی۔ ٹیڑھا پن۔

تشریح: جب اہلِ جنت، جنت میں چلے جائیں گے اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں چلے جائیں گے تو جنت والے اپنی خوشی ظاہر کرنے کے لئے اور اہلِ دوزخ کی حسرت بڑھانے کے لئے ان سے پکار کر کہیں گے کہ ہمارے رب نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جس اجر و ثواب اور جنت کا وعدہ فرمایا تھا، ہم نے تو اس کو حقیقتاً پالیا۔ کیا تم نے بھی اپنے کفر و عصیان پر، اس عذاب کو واقعتاً پالیا جس کی تمہارے رب نے انبیاء کرام کے ذریعہ تمہیں وعید دی تھی؟ اہلِ دوزخ جواب دیں گے کہ

ہاں ۔ اسی بنا پر تو ہم عذاب میں مبتلا ہیں ۔

اس وقت ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکار کر کہے گا کہ ظالموں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روگردانی کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، جو آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے ۔ یہ لوگ آخرت کے منکر تھے ۔ صرف دنیاوی زندگی ہی ان کا منتہائے نظر تھی ۔ یہ بہت ہی برے لوگ تھے ۔

(ابن کثیر ۲۱۵ / ۲، مظہری ۴۰۰ / ۳)

اہلِ اعراف

۴۶، ۴۷ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ
كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ
يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ○ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ
أَصْحَابِ النَّارِ ۙ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○

اور دوزخ و جنت کے درمیان ایک حجاب ہو گا اور اعراف پر ایسے لوگ ہوں گے جو ہر فریق کو ان کے آثار سے پہچانتے ہوں گے اور وہ اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر، ابھی وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے (بلکہ) وہ اس کے امیدوار ہوں گے اور جب ان کی نگاہیں اہلِ دوزخ کی طرف پھریں گی تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ فرما ۔

بِسِيمَاهُمْ : ان کے حلیے سے ۔ ان کے چہرے سے ۔ ان کی علامت سے ۔

صُرِفَتْ : وہ پھیری گئی ۔ صَرْفٌ سے ماضی مجہول ۔

تِلْقَاءَ : جانب ۔ طرف ۔ سمت ۔ لِقَاءٌ سے اسم ۔

أَعْرَافِ : اونچی جگہ ۔ یہاں اس دیوار کے بالائی حصے مراد ہیں جو جنت اور دوزخ کے درمیان حائل ہے ۔

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ اعراف، عرف کی جمع ہے ۔ ہر بلند جگہ کو عرف

کہتے ہیں ۔ مرغ کی کلغی کو بھی اسی لئے عرف کہا جاتا ہے ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے جہاں لوگوں کو روک کر رکھا جائے گا سدیؒ کہتے ہیں کہ یہاں کے لوگ اپنے لوگوں کو پہچان لیں گے اسی لئے اس کا نام اعراف رکھا گیا ہے ۔ (ابن کثیر ۲۱۶ / ۲)

اصحابِ اعراف: اس کے بارے میں مفسرین کی تعبیریں مختلف ہیں، مگر سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں ۔ اصحابِ اعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں ۔ (ابن کثیر ۲۱۶ / ۲)

تشریح: دوزخ اور جنت کے درمیان ایک آڑ ہوگی جو دوزخیوں کو جنت تک پہنچنے سے روک دے گی ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۔ (الحدید ۔ آیت ۱۳)

پس ان دونوں کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی گئی ہے جس کے اندر کی طرف ایک دروازہ ہے جس میں رحمت ہے اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہے ۔

یہی اعراف ہے، جس پر لوگ ہوں گے ۔

ایک روایت میں ہے کہ اصحابِ اعراف وہ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے اور پھر قتل ہو گئے ۔ جنت میں داخل ہونے سے انہیں اس لئے روک دیا گیا کہ انہوں نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف کیا تھا اور دوزخ سے اس لئے بچ گئے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے تھے ۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ اعراف کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر برابر ہوں گی ۔ برائیوں نے تو انہیں جنت میں جانے سے روک دیا اور نیکیوں نے دوزخ میں جانے سے روک دیا ۔ اب یہ لوگ اسی دیوار کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے تک یہیں ٹھہرے رہیں گے ۔ یہ لوگ اہلِ جنت کو دیکھ کر پکاریں گے کہ تم پر سلامتی ہو اور جب ان کی نگاہیں اہلِ دوزخ کی طرف اٹھیں گی تو ان کا حال دیکھ کر وہ پناہ مانگیں گے اور کہیں گے کہ اے

ہمارے پروردگار ہمیں ان ظالموں میں سے نہ بنا۔ یہ لوگ اسی طرح دعا مانگتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ میں نے تمہیں بخش دیا، اب تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ لوگوں کا حساب لے گا۔ جس کی ایک نیکی بھی بڑھ جائے گی اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جس کی ایک برائی بھی نیکیوں سے زیادہ ہو گی اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

پس قیامت کے روز تین قسم کے آدمی ہوں گے۔ ایک وہ جن کی نیکیاں بدیوں پر غالب ہوں گی، ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ دوسرے وہ جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، انہیں اس مقام میں ٹھہرنے کا حکم دیا جائے گا جس کا نام اعراف ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو وہ ان کی خطائیں معاف فرما کر ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم فرما دے گا۔ دوزخ و جنت کے درمیان ہونے کی وجہ سے ان کی حالت خوف و رجا۔ اور طمع و یاس کے بین بین ہو گی۔ جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس کی امید کریں گے اور دوزخ کی طرف دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر پناہ مانگیں گے۔ مگر ان کی امید خوف پر غالب ہو گی۔ (ابن کثیر ۲۱۶، ۲۱۷ / ۲)

اہلِ اعراف کا مشرکین کو پکارنا

۴۸، ۴۹۔ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝

اور اعراف والے ان (دوزخی) لوگوں کو جن کو وہ ان کے آثار سے پہچانتے ہوں گے، پکار کر کہیں گے کہ نہ تو تمہاری جماعت ہی تمہارے کام آئی اور نہ تمہارا تکبر کرنا تمہارے کام آیا۔ کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی۔ (ان کو تو حکم ہو گیا کہ) تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ تمہیں کوئی رنج ہو گا۔

تشریح: قیامت کے روز اعراف والے، مشرکین کے سرداروں کو دوزخ میں دیکھ کر ملامت کے طور پر ان سے کہیں گے کہ دنیا میں جس مال و دولت اور جماعت و کثرت پر تمہیں بھروسہ تھا

اور جس کی وجہ سے تم غرور و تکبر میں مبتلا تھے اور انبیاء کرام کی اتباع سے انکار کرتے تھے، آج وہ تمہارے کسی کام نہ آیا۔

پھر اہلِ اعراف جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس کے اندر غریب اور کمزور لوگ نظر آئیں گے جن سے کافر دنیا میں استہزاء اور مذاق کرتے تھے اور ان کو ایذا دیتے تھے۔ اس وقت اہلِ اعراف کافر سرداروں کو دوزخ میں دیکھ کر کہیں گے کہ کیا یہ وہی کمزور و حقیر لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں کبھی نہیں پہنچے گی اور نہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی مغفرت فرمائے گا۔ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ "جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، تمہیں نہ سابقہ معاملات کا کوئی خوف ہونا چاہیئے اور نہ آئندہ کا فکر و غم"، حالانکہ تم عذاب میں مبتلا ہو۔

(ابن کثیر ۲۱۸ / ۲، مظہری ۴۰۴ / ۳)

اہلِ دوزخ کی ذلت

۵۰، ۵۱۔ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○

اور اہلِ دوزخ، اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی ہی ڈال دو یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے (اس میں سے کچھ دے دو)۔ اہلِ جنت جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے (اور ان پر) جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج کے دن ہم بھی ان کو بھلا دیں گے، جیسا کہ انہوں نے اس دن کے پیش آنے کو بھلا رکھا تھا اور جیسا کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

اَفِيْضُوْا: تم واپس آؤ۔ تم ڈالو، تم بہاؤ۔ اِفَاضَةٌ سے امر۔

نَنْسٰهُمْ: ہم ان کو بھول جائیں گے۔ ہم انہیں فراموش کر دیں گے۔ نِسْیَانٌ سے مضارع

لِقَآءَ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

یَجْحَدُوْنَ: وہ انکار کرتے ہیں۔ جَحْدٌ وَ جُحُوْدٌ سے مضارع۔

تشریح: اہلِ دوزخ بھوک و پیاس سے بدحواس ہو کر جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ جو پانی اور کھانے کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں، ان میں سے کچھ ہمیں بھی دے دو۔ بیٹا، باپ سے یا بھائی، بھائی سے مانگے گا، لیکن وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ یہ کافر وہی تو ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور دنیاوی زندگی کے فریب میں مبتلا ہو کر آخرت کو بالکل بھلا رکھا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج ہم بھی ان کو اپنی رحمت سے ایسے ہی نظر انداز کر دیں گے جیسے انہوں نے ہماری نعمتوں میں مست ہو کر ہمیں بھلایا اور ہمارے احکام سے روگردانی کی، جو ہم نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ ان کو پہنچائے تھے۔ جس طرح انہوں نے دنیا میں ہمارے دین کو کھیل تماشا بنایا اسی طرح آج ہم بھی ان کی ذلت و خواری کا تماشا دکھائیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳ / ۳)

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندے سے فرمائے گا کہ کیا میں نے تجھے بیوی، بچے نہیں دیئے تھے اور کیا تجھ پر انعام و اکرام نہیں کیا تھا اور کیا اونٹ، گھوڑے اور ہاتھی نہیں دیئے تھے اور کیا تو سرداری و افسری نہیں کرتا تھا؟ بندہ کہے گا کہ ہاں اے میرے رب! تو نے یہ سب کچھ دیا تھا۔ پھر فرمائے گا کہ کیا تجھے یقین تھا کہ تجھے میرا سامنا کرنا پڑے گا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب مجھے یقین نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جیسے تو نے مجھے بھلا دیا تھا، آج میں بھی تجھے بھلائے دیتا ہوں۔ (ابن کثیر ۲۱۹ / ۲)

ہدایت و رحمت کا ذریعہ

۵۳،۵۲۔ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۔ قَدْ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

اور ہم نے ان کو ایسی کتاب پہنچا دی جس کو ہم نے اپنے علمِ کامل سے بہت واضح کر کے بیان کیا ہے اور جو مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ۔ کیا یہ (کافر) لوگ اسی کے منتظر ہیں کہ اس کی سچائی ظاہر ہو جائے ۔ جس دن اس کی سچائی ظاہر ہو جائے گی اس دن جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے وہ کہیں گے کہ بیشک، ہمارے رب کے رسول، ہمارے پاس سچی بات لائے تھے ۔ پھر، ہمارے معبودوں میں سے کوئی ہے جو ہماری سفارش کرے یا ہمیں پھر لوٹا دیا جائے تاکہ ہم جو کچھ اعمال کرتے تھے، ان کے برخلاف کریں ۔ بیشک انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے وہ سب گیا گزرا ہو گیا ۔

تَاْوِيْلَهٗ : اس کی تاویل، اس کی تعبیر، اس کی سچائی بیان کرنا ۔

نُرَدُّ : ہم لوٹائے جائیں گے ۔ ہم پھیرے جائیں گے ۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول ۔

ضَلَّ : وہ گمراہ ہوا ۔ وہ بہکا ۔ وہ بھٹکا ۔ ضَلَالٌ سے ماضی ۔

تشریح : مشرکین و منکرین پر اتمامِ حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ ایک ایسی کتاب بھیجی جس میں بڑی کھلی کھلی اور واضح دلیلیں ہیں تاکہ لوگ احوالِ آخرت اور اپنے انجام سے باخبر ہو کر خیر و بھلائی کی طرف مائل ہوں اور راہِ راست اختیار کریں ۔ مگر جو لوگ ازلی بدبخت و بد باطن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے پیغمبروں پر یقین نہیں آتا ۔ وہ تو بس مال و عہدے کی محبت اور خواہشاتِ نفسانیہ کی تکمیل میں مگن ہیں ۔ پس ایسے لوگوں کو اس کتاب سے کچھ حاصل نہیں ۔ یہ کتاب تو صرف ایمان داروں ہی کے لئے باعثِ ہدایت و رحمت ہے ۔ وہی لوگ اس کی برکتوں سے حصہ پاتے ہیں اور اس کی کسی بات میں شک و شبہ نہیں کرتے ۔

قیامت کے روز جب مشرکین و منکرین، احوالِ قیامت کا مشاہدہ کریں گے اور عذاب و ثواب دیکھیں گے تو یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے دنیا میں جو کچھ کہا تھا وہ تو حق نکلا ۔ یہ تو ہم ہی بدبخت تھے کہ ان کے طریقے پر نہ چلے ۔ اب کیا وہ اللہ تعالیٰ سے، ہماری سفارش کریں گے کہ

ہم اس ابدی عذاب سے نجات پائیں یا ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ وہاں جاکر اعمالِ صالحہ اختیار کریں۔ مگر اب مہلت کا وقت نہیں۔ وہ اپنے آپ کو نقصان اور خسارے میں ڈال چکے جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے وہ سب ہوا ہو گیا۔ اب تو وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ (حقانی ۳۹۲ / ۲)

خالق و حاکم

۵۴۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

بیشک تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنایا۔ پھر عرش پر قائم ہو گیا۔ وہی رات کو دن سے چھپاتا ہے۔ جو اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند اور ستارے بنائے جو اس کے حکم کے پابند ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو سارے جہاں کا رب ہے۔

اسْتَوٰی: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہوا۔ وہ ٹھہرا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

حَثِیْثًا: تیزی سے۔ دوڑتا ہوا۔ حَثٌّ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر کر کے ہر اہلِ عقل انسان کو اس کی دعوتِ فکر دی ہے کہ جو ذات پاک اس عظیم الشان عالم کو عدم سے وجود میں لانے اور حکیمانہ نظام کے ساتھ چلانے پر قادر ہے۔ اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ ان چیزوں کو معدوم کر کے قیامت کے روز دوبارہ پیدا فرما دے۔ اس لئے قیامت کا انکار چھوڑ کر صرف اسی ذات کو اپنا رب سمجھنا چاہئے۔ اسی سے اپنی حاجتیں طلب کرنی چاہئیں اور اسی کی عبادت میں لگے رہنا چاہئے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا فرمایا۔ زمین و آسمان کو چھ روز میں پیدا کرنے کی کیا وجہ ہے۔ اس کا

جواب مفسرِ قرآن حضرت سعد بن جبیرؒ نے یہ دیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اس پر حاوی ہے کہ یہ سب کچھ ایک آن میں پیدا کر دے لیکن بتقاضائے حکمت اس عالم کی تخلیق میں چھ دن لگائے گئے تاکہ انسان کو نظام عالم چلانے میں تدریج اور پختہ کاری کی تعلیم دی جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غور و فکر اور وقار و تدریج کے ساتھ کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔ مطلب یہ ہے کہ جلد بازی میں انسان مسئلہ کے ہر پہلو پر غور و فکر نہیں کر سکتا، اس لئے اکثر کام خراب ہو جاتا ہے اور پشیمانی ہوتی ہے۔ غور و فکر اور تدبر و سہولت کے ساتھ جو کام کیا جائے اس میں برکت ہوتی ہے۔

اس آیت میں زمین و آسمان کی تخلیق چھ روز میں مکمل ہونے کا جو ذکر ہے اس کی تفصیل سورۂ حم سجدہ کی نویں، دسویں اور بارہویں آیات میں اس طرح آئی ہے:

خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ ۔

اس نے دو دن میں زمین کو پیدا فرمایا۔

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ۔

(پھر دو دن میں) اس نے زمین کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس (زمین) کے اندر برکت رکھی اور اس میں اس کے رہنے والوں کی خوراکیں ٹھہرا دیں۔ یہ سب کچھ چار دن میں ہوا۔

پھر فرمایا:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ ۔

پھر دو دن میں ساتوں آسمان بنائے اس طرح کل چھ دن ہو گئے۔

پھر فرمایا کہ وہ (اللہ) عرش (شاہی تخت) پر قائم ہوا۔ اب عرش کیسا اور کیا ہے اور اس پر قائم ہونے کا مطلب کیا ہے، اس کے بارے میں سلف صالحین، صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ انسانی عقل اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات و صفات کی حقیقت کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔ اس لئے نہ تو اس کی کھوج میں پڑنا چاہیئے اور نہ اپنی طرف سے اس کے کوئی معنی متعین کرنے کی فکر میں پڑنے کی ضرورت ہے بلکہ آدمی کو اس پر ایمان لانا چاہیئے کہ ان الفاظ سے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہی صحیح اور حق ہے۔

پھر فرمایا کہ رات سے دن کو ڈھانپ دینا یعنی دن کے بعد رات کو لے آنا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے اتنی جلدی اور آسانی سے ہو جاتا ہے کہ ذرا دیر نہیں لگتی اور سورج و چاند اور ستارے، اللہ تعالیٰ نے اس حالت پر پیدا کئے ہیں کہ سب کے سب اسی کے حکم کے تابع چل رہے ہیں۔

اس میں انسان کے لئے دعوتِ فکر ہے کہ بڑے بڑے ماہرین کی بنائی ہوئی مشینوں کو دیکھو، اول تو ان میں کچھ نہ کچھ نقائص رہ جاتے ہیں۔ اگر نقائص نہ بھی رہیں تب بھی چلتے چلتے ان کے کل پرزے گھس جاتے ہیں اور ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی مرمت اور گریسنگ کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کام کے لئے کئی کئی دن بلکہ ہفتوں اور مہینوں مشینیں بند رہتی ہیں۔ لیکن یہ خدائی مشینیں ایسی ہیں کہ جس طرح اور جس شان سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے دن چلایا تھا، یہ اسی طرح چل رہی ہیں، نہ کبھی ان کی رفتار میں فرق آتا ہے اور نہ کبھی ان کا کوئی پرزہ گھستا اور ٹوٹتا ہے اور نہ کسی قسم کی مرمت اور نہ کبھی ان کو ورکشاپ لے جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس یہ تو امرِ الٰہی سے چل رہی ہے، اسی کے تابع ہیں، ان میں کوئی فرق آنا محال ہے۔ ہاں جب وہ قادر مطلق ہی ایک معینہ وقت پر ان کو فنا کرنے کا ارادہ کرے گا تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اسی کا نام قیامت ہے۔

پھر فرمایا کہ خالق و حاکم ہونا اسی کے لئے خاص ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی دوسرا کسی ادنیٰ چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر حکم کرنے کا حق ہے، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حکم کا کوئی خاص شعبہ کسی کے سپرد کر دیا جائے۔ حقیقت کے اعتبار سے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے۔ پس یہ ساری چیزیں پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے اور پیدا ہونے کے بعد ان سے کام لینا بھی کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی کی ذات بلند و بالا ہے۔ (معارف القرآن ۵۷۲ - ۵۷۵ / ۳)

دعاء کے آداب

۵۶،۵۵۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ٥ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا

وَّطَمَعاًاِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ○

تم اپنے رب کو پکارو ۔ عاجزی سے اور چپکے چپکے ۔ بلاشبہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اور اس (اللہ) کو خوف اور امید کے ساتھ پکارو ۔ بیشک اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے ۔

تَضَرُّعًا: عاجزی کرنا ۔ گڑگڑانا ۔ مصدر ہے ۔

الۡمُعۡتَدِیۡنَ: سرکش لوگ ۔ حد سے تجاوز کرنے والے ۔ اِعۡتِدَاءٌ سے اسم فاعل ۔

طَمَعاً: طمع ۔ لالچ ۔ توقع ۔ امید ۔ مصدر ہے ۔

تُفۡسِدُوۡا: تم فساد پھیلاؤ ۔ تم خرابی پیدا کرو ۔ امام راغب نے اپنی مفردات میں فرمایا کہ کسی چیز کے اعتدال سے نکل جانے کو فساد کہتے ہیں ۔ خواہ یہ نکلنا تھوڑا سا ہو یا زیادہ اور ہر فساد میں کمی بیشی کا مدار اسی اعتدال سے نکلنے پر ہے ۔

تشریح: جب قدرتِ کاملہ کا مالک اور تمام احسانات و انعامات کا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تو مصیبت و حاجت کے وقت اسی کو پکارنا چاہئے اور اسی سے دعا کرنی چاہئے ۔ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف متوجہ ہونا جہالت و محرومی ہے ۔

پس اسی سے اپنی حاجتیں مانگو اور اسی کی عبادت کرو ۔ دعاء کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز و انکسار اور تذلل کا پوری طرح اظہار کرے ۔ دعاء کا خفیہ اور آہستہ مانگنا افضل بھی ہے اور قرین قبول بھی، کیونکہ بلند آواز سے دعاء مانگنے میں ایک تو تواضع و انکساری باقی رہنا مشکل ہے دوسرے اس میں ریا و شہرت کا بھی خطرہ ہے ۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علانیہ اور جہراً دعاء کرنے میں اور آہستہ آواز سے دعا کرنے میں ستر درجے فضیلت کا فرق ہے ۔ ابن جریجؒ نے فرمایا کہ دعاء میں آواز بلند کرنا اور شور کرنا مکروہ ہے ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، خواہ یہ حد سے بڑھنا دعاء میں ہو یا کسی دوسرے عمل میں ۔ دعاء میں حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ دعاء میں قافیہ وغیرہ کے لفظی تکلفات اختیار کئے جائیں جس سے خشوع و خضوع میں فرق پڑے ۔ دوسرے دعاء میں غیر ضروری قیدیں اور شرطیں لگانا ۔ تیسرے عام مسلمانوں کے لئے بد دعاء کرنا یا

ایسی چیز مانگنا جو عام لوگوں کے لئے مضر ہو۔ چوتھے دعاء میں بلا ضرورت آواز بلند کرنا۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی اصلاح و درستی فرمادی ہے، لہٰذا اب تم اس میں فساد اور خرابی پیدا نہ کرو۔ اس اصلاح اور درستی کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک ظاہری درستی کہ زمین کو کھیتی باڑی اور درخت اگانے کے قابل بنایا۔ اس پر بادلوں سے پانی برسا کر پھل پھول پیدا کئے۔ انسانوں اور دوسرے جانداروں کے لئے ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی، خوراک و آسائش کے سامان پیدا کئے۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی رہنمائی و ہدایت کے لئے زمین پر اپنے رسول اور کتابیں بھیج کر اس کو کفر و شرک اور گمراہی سے پاک کیا۔ دونوں مفہوم بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ظاہری و باطنی طور پر درست فرمادیا ہے، اب تم اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کے ذریعہ اس میں فساد و خرابی پیدا نہ کرو۔

پھر فرمایا کہ خوف و امید کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو یعنی اللہ تعالیٰ کو اس طرح پکارو کہ ایک طرف تو دعاء کے قبول نہ ہونے کا خوف لگا ہوا ہو اور دوسری طرف اس کی رحمت کی پوری پوری امید بھی ہو۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک عمل کرنے والوں سے قریب ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ دعاء کے وقت خوف و امید دونوں حالتیں ہونی چاہئیں۔ لیکن ان دونوں حالتوں میں سے امید کو خوف پر غالب رہنا چاہئے۔

(معارف القرآن ۵۷۶۔ ۵۷۹ / ۳)

مسلمؒ و ترمذیؒ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کسی شخص کا (بطور تمثیل) ذکر فرمایا کہ طویل سفر کرتا ہے، پراگندہ مو اور غبار آلود چہرہ والا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر دعاء کرتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! مگر اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے، اس کی پرورش بھی حرام سے ہے ایسے شخص کی دعاء کیسے قبول ہوگی۔

مسلمؒ و ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کی دعاء برابر قبول ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ گناہ کی اور قطع رحمی کی دعاء نہ کرے اور دعاء میں جلد بازی سے کام نہ لے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ (مثلاً) یہ کہنے لگے کہ میں اتنے عرصہ سے دعا مانگ رہا ہوں اب تک قبول نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ مایوس ہو کر (دعاء کرنا) چھوڑ دے۔

امام احمدؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دل ظروف ہیں، بعض بعض سے زیادہ سمائی والے ہیں ۔ لوگو! اللہ سے دعا کرتے وقت یقین رکھا کرو کہ تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی ۔ اللہ اس بندہ کی دعا قبول نہیں کرتا جو بے توجہی سے اور سطحی طور پر کرتا ہے ۔ (مظہری ۴۱۱ / ۳)

تصرفاتِ خداوندی

۵۸،۵۷۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوش خبری لانے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اس ابر کو کسی مُردہ شہر (خشک زمین) کی طرف ہانک دیتے ہیں ۔ پھر اس ابر سے ہم پانی برساتے ہیں ۔ پھر ہم اس سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں ۔ اسی طرح ہم مُردوں کو نکال دیں گے (زندہ کر دیں گے) تاکہ تم سمجھو اور جو زمین پاکیزہ ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب سبزہ اگاتی ہے اور جو خراب (زمین) ہے تو اس سے حقیر چیز کے سوا کچھ نہیں اگتا ۔ شکر گزاروں کے لئے ہم اسی طرح مختلف پیرایوں سے دلائل بیان کرتے ہیں ۔

سَحَابًا: بادل ۔ ابر ۔ جمع سُحُبٌ ۔

ثِقَالًا: بوجھل ۔ بھاری ۔

خَبُثَ: وہ خبیث ہوا ۔ وہ خراب ہوا ۔ خَبَاثَۃٌ اور خُبْثٌ سے ماضی ۔

نَكِدًا: کم اگنے والا ۔ مشکل سے نکلنے والا ۔ بیکار ۔

تشریح: جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے مُردہ اور بنجر زمین کو زندہ اور سرسبز کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ قیامت کے روز مُردہ انسانوں کو بھی زمین سے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے مُردہ انسان اور مُردہ زمین کا زندہ کرنا یکساں ہے۔

یہاں عمدہ اور پاکیزہ زمین سے مراد مومن کا دل ہے اور ناکارہ اور خراب زمین سے مراد کافر کا دل ہے اور قرآنِ کریم باران رحمت اور آبِ حیات کی مانند ہے۔ جس طرح ابرِ رحمت ہر جگہ یکساں برستا ہے مگر ہر زمین اپنی استعداد و صلاحیت کے موافق اثر قبول کر کے نباتات و سبزہ اگاتی ہے، اسی طرح قرآن مجید اور نبوت کا ابرِ رحمت بھی برابر فیض رساں ہے، مگر ہر زمینِ قلب اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق بارانِ ہدایت کا اثر قبول کرتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ ازلی گمراہ ہیں، جن میں ہدایت کا مادہ ہی نہیں، وہ اس سے فیضیاب نہیں ہو سکتے۔ ان کے دل کی زمین میں تو کفر و الحاد کے کانٹے اور جھاڑ جھنکاڑ ہی پیدا ہوں گے۔ ان کے برعکس مومنوں کے قلوب کی زمین میں طرح طرح کے ثمرات و برکات پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ان کے قلوب اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق بارانِ ہدایت کا اثر قبول کرتے ہیں۔

جو لوگ نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور ہدایت و رہنمائی کی قدر کرتے ہیں، ہم ان کے لئے اسی طرح بار بار اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ پوری طرح سمجھ لیں کہ مُردہ زمین کا زندہ کرنا اور ہر زمین سے الگ الگ نباتات کو اگانا اس کی قدرت و حکمت کے کمال کی دلیل ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۳ / ۳، حقانی ۳۹۵ / ۲)

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت و علم عطا فرما کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی طرح ہے جو زمین کے کسی اچھے ٹکڑے پر برستی ہے تو وہ خطہ اس کو قبول کر لیتا ہے، جس سے سبزہ اور چارہ خوب پیدا ہوتا ہے اور کسی خشک بنجر خطے پر برستی ہے تو وہ بھی (اپنے احاطہ میں) پانی کو روک لیتا ہے (مگر جذب نہیں کر سکتا، اس لئے اس میں سبزہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ) لوگ اس کو خود پیتے اور جانوروں کو پلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ایک تیسرے ٹکڑے پر برستی ہے جو چٹیل، سخت، ہموار میدان ہوتا ہے۔ وہ نہ تو (اپنے حاطہ میں) پانی کو روکتا ہے (کہ دوسروں کو فائدہ ہو) نہ خود جذب کرتا ہے کہ سبزہ پیدا ہو جائے۔ بس یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو دینی سمجھ رکھتے ہیں، میری لائی ہوئی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خود سمجھتے ہیں، دوسروں کو سکھاتے ہیں

اور ان لوگوں کی جو میرے پیام کی طرف قطعاً التفات نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔ (مظہری ۴۱۴ / ۳، روح المعانی ۱۴۸ / ۸)

قومِ نوح کا واقعہ

۵۹، ۶۲۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ہم نے (حضرت) نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تجھے صریح گمراہی میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں۔ (حضرت نوح نے) کہا اے میری قوم! مجھ میں تو کوئی گمراہی نہیں بلکہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ میں تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

ربط: گزشتہ آیات میں جاہلیت کی لغویات کا رد تھا۔ پھر مکذبین و متکبرین کی سزا کی تفصیل تھی، جس کا منکرین انکار کرتے تھے۔ اس کے بعد مومن اور صالح لوگوں کی جزا اور بدلہ کا بیان تھا پھر جنتیوں، جہنمیوں اور اہل اعراف کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ذکر ہوا جس کا مقصد یہ بتانا تھا کہ اس روز اہلِ ایمان ہی کو سعادتِ کاملہ حاصل ہوگی اور دشمنانِ اسلام کو نہایت رنج و غم اور حسرت و افسوس ہوگا، جس کی کوئی تلافی ممکن نہ ہوگی۔ پھر تخلیقِ عالم کا ذکر ہوا جو اس کی ربوبیت و الوہیت اور قدرتِ کاملہ پر مشتمل ہے۔ اب یہاں سے بعض انبیاء کرام کے واقعات کا بیان ہے، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء کرام سے سرکشی اور ان کی تکذیب و انکار کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ یہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہر زمانے کے لوگ اپنے

پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے ۔ پھر یہ مخالفینِ انبیاء دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت کے اعتبار سے بھی شدید عذاب کے مستحق ٹھہرے ۔

تشریح: یہاں سے انبیاء علیہم السلام کے کچھ واقعات کا بیان ہے جن سے یہ بتانا مقصود ہے کہ:

(۱) لوگوں کی سرکشی و سرتابی کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ گزشتہ اقوام بھی اسی طرح اپنے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتی چلی آئی ہیں ۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کا انجام ہمیشہ خراب رہا ۔ وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین بھی ذلیل و خوار اور عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونے کے باوجود سابقہ انبیاء کے حالات و واقعات نہایت صحت و تفصیل کے ساتھ بیان کرنا ۔ آپؐ کی نبوت کی دلیل اور معجزہ عظیمہ ہے ۔ وحی ربانی کے بغیر ہزارہا سال قبل کے واقعات کا علم اور ان کا پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنا عقلاً محال ہے ۔ (حقانی ۳۹۶ / ۲)

سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؑ ہی کو رسول بنا کر دنیا میں بھیجا ۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے نفس پر بہت نوحہ کیا کرتے تھے، اسی لئے ان کا نام نوح پڑ گیا ۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بہت عرصہ تک لوگ شریعتِ الٰہیہ پر قائم رہے ۔ پھر آہستہ آہستہ بت پرستی شروع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا ۔ انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، بت پرستی چھوڑ کر ہمہ تن اسی معبودِ برحق کی طرف متوجہ ہو جاؤ، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر ایک بڑے دن کا عذاب نہ آجائے ۔ یہاں بڑے دن سے مراد یا تو قیامت کا دن ہے یا طوفان کا دن مراد ہے ۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بات سن کر ان کی قوم نے جواب دیا کہ تم جو ہمیں بت پرستی سے روکتے ہو اور ایک خدا کی عبادت کی تلقین کرتے ہو، یہ تو ہمارے باپ دادا کا طریقہ ہے، ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے ۔

ہمارے خیال میں تو تم ہی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا وہ خاص پیغام پہنچا رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر تمہارے پاس بھیجا، تاکہ تم گمراہی سے بچ جاؤ۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مجھے وحی کے ذریعہ خبر دی گئی ہے کہ تم میں سے جو شخص بت پرستی چھوڑ کر ایمان نہیں لائے گا اس پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا۔ میں نے تمہاری خیر خواہی کے لئے تمہیں آنے والے عذاب سے مطلع کر دیا۔

(ابن کثیر ۲۲۳ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ٦۵ / ۳)

قومِ نوح کی غرقابی

٦۳، ٦۴۔ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ○

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک شخص کے ذریعہ تمہارے رب کی نصیحت پہنچی، تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے اور تم پرہیزگار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے اس (نوح) کو اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو بچا لیا اور جنہوں ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کو ہم نے غرق کر دیا، کیونکہ وہ ایک اندھی قوم تھی۔

عَجِبْتُمْ: تم نے تعجب کیا۔ تم نے اچنبھا کیا۔ عُجْبٌ سے ماضی۔

اَلْفُلْكِ: کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مؤنث۔ واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

عَمِيْنَ: اندھے۔ عَمًی سے صفت شبہ۔ واحد عَمٍ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو مخاطب کر کے حضرت نوح کے بارے میں فرمایا کہ تم اس بات پر تعجب کیوں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک شخص کی معرفت وحی کے ذریعہ ہدایت و نصیحت کا پیغام بھیجا ہے۔ یہ تو تم پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں میں سے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر تمہارے پاس بھیجا تاکہ وہ تمہیں عذابِ الٰہی سے ڈرائے اور تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو اور تم پر اللہ تعالیٰ مہربان ہو جائے۔

حضرت نوح علیہ السلام اسی طرح ۹۵۰ برس تک اپنی قوم کو تبلیغ دین کرتے رہے اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے رہے۔ مگر وہ لوگ آپ کو جھٹلاتے رہے اور ایذائیں دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم پہ پانی کے طوفان کی شکل میں عذاب نازل کیا، جس سے ایک کافر بھی زندہ نہ بچ سکا۔ اس طوفان سے صرف وہ لوگ محفوظ رہے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ (ابن کثیر ۲۲۳ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۶ / ۳)

قومِ عاد کا واقعہ

۶۵، ۶۹ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ
إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ
إِنَّا لَنَرَىٰكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَٰذِبِينَ ۝ قَالَ
يَٰقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ۝
أُبَلِّغُكُمْ رِسَٰلَٰتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَن
جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ
وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي
الْخَلْقِ بَصْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا)۔ اس نے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں سو کیا تم ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تجھے بیوقوفی

میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں اور ہم تو تجھے جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں (ہود) نے کہا کہ اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی بیوقوفی نہیں بلکہ میں تو پروردگار عالم کی طرف سے ایک رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تو تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہیں میں کے ایک شخص کے ذریعہ، تمہارے رب کی نصیحت پہنچی تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے اور (وہ وقت) یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور ڈیل ڈول میں بھی تمہیں اور لوگوں سے زیادہ پھیلاؤ دیا۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے احسان یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اَلْمَلَاُ: سرداروں کی جماعت۔

سَفَاهَةٌ: بیوقوف ہونا۔ جہالت۔ بے عقلی۔

بَصْطَةً: پھیلاؤ۔

اَلْآءِ: احسانات۔ نعمتیں۔ واحد الی۔

تشریح: طوفان نوح کے بعد یہ قوم عرب کے جنوبی حصہ میں آباد ہو گئی تھی، جس کو یمن کہتے ہیں۔ یہ لوگ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے اور نہایت قد آور، شہ زور، مغرور و متکبر اور سرکش تھے۔ بڑے بڑے مکانوں میں رہتے تھے۔ جیسا کا ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۔ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ○ (الفجر آیات ۶ تا ۸)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے کیسی سزا دی جو ارم کے رہنے والے تھے جن میں بڑے بڑے ستون تھے۔ شہروں میں ایسے بڑے بڑے مکان کہیں بھی نہیں تھے۔

یہ ان کی زبردست جسمانی قوت کی دلیل تھی جیسا کہ فرمایا:

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○

لیکن قوم عاد فخر و ناز میں پڑ گئی۔ ناحق غرور کرنے لگی اور کھلا دعویٰ کرنے لگی

کہ ہم سے بڑھ کر قوی کون ہے ؟ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا کیا ہے، وہ ان سے زیادہ قوی ہے اور وہ ہماری آیتوں اور معجزوں کا انکار کرتے تھے۔

یہ لوگ جس طرح جسمانی حیثیت سے بڑے سخت تھے، اسی طرح ان کے دل بھی نہایت سخت تھے۔ انہوں نے سب امتوں سے زیادہ حق کی تکذیب کی۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ جب حضرت ہودؑ نے ان کو توحید کی دعوت دی تو اس بدبخت اور متکبر قوم نے ان کو دیوانہ اور بیوقوف کہا اور جھوٹا ٹھہرایا اور کہنے لگے کہ کیا تیرے کہنے پر ہم اپنے سب معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی عبادت کرنے لگیں اور اپنے باپ دادا کا طریقہ چھوڑ دیں۔ قریش نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید پر اسی قسم کا جواب دیا تھا۔

حضرت ہودؑ نے ان سے کہا کہ میں بیوقوف اور کم عقل نہیں ہوں بلکہ بیوقوف تو تم ہو کہ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کو پوجتے ہو۔ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ تمہارے لئے اپنے رب کا پیغام لے کر آیا ہوں، تاکہ تمہاری اصلاح ہو اور میں تمہارا صحیح معنی میں خیر خواہ ہوں۔ میری نصیحت و خیر خواہی اور امانت و دیانت تمہیں خوب معلوم ہے۔ کیا اس کے بعد بھی تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔ تم اس بات پر تعجب کیوں کرتے ہو کہ تمہارے ہی ایک آدمی کے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے وحی کے ذریعہ ہدایت و نصیحت آئی اور اس نے تمہاری بہتری کے لئے تمہیں پہنچا دی اور تمہیں عذابِ الٰہی سے خوف دلایا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ یہ تو شکر کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنایا اور تم پر ان سے زیادہ انعام و اکرام کیا۔ اس نے تمہیں جسمانی قوت اور ڈیل ڈول میں ان سے زیادہ قوی اور توانا بنایا، تم دوسری قوموں کی نسبت بہت دراز قامت اور چوڑے چکلے ہو۔ پس تم اس انعام خداوندی کے شکریہ میں اس کی نعمتوں کو زیادہ یاد کرو اور ان پر زیادہ شکر کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو، کیونکہ ذکر و شکر ہی سے فلاح و نجات حاصل ہوتی ہے۔ (ابن کثیر ۲۲۴ / ۲، حقانی ۳۹۸ / ۲)

قومِ ہود کی سرکشی

٧٠،٧٢۔ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ
فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ
فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ۝

وہ کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اسی لئے آیا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اس کو چھوڑ دیں۔ پس اگر تو سچا ہے تو اس (عذاب) کو لے آجس سے تو ہمیں ڈراتا ہے۔ (حضرت ہودؑ نے) کہا کہ بس تم پر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب اور غضب آہی گیا۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے اپنی طرف سے رکھ لئے ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری۔ پس تم منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ ڈالی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

نَذَرَ: ہم چھوڑتے ہیں۔ ہم پڑا رہنے دیں گے۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

رِجْسٌ: ناپاک۔ گندہ۔ عذاب جمع اَرْجَاسٌ۔

سُلْطٰنٍ: اقتدار۔ قوت۔ دلیل

دَابِرَ: جڑ۔ بنیاد۔ پچھاڑی۔ دَبْرٌ و دُبُوْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذابِ الٰہی سے خوف دلایا اور بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اسی لئے آیا ہے کہ ہم صرف ایک خدا کی عبادت کریں اور ان سب معبودوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے آبا و اجداد پوجتے تھے۔ پس اگر تو سچا ہے تو جس

عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے اس کو ہمارے پاس لے آ۔

مکہ کے قریش بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہا کرتے تھے کہ اگر آپ کی عذاب کی دھمکی سچ ہے تو آپ ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کرا دیں اور ہمیں عذابِ الیم میں مبتلا کرا دیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا کہ تمہارے کہنے کی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور غضب تو واجب ہو چکا ہے، اب وہ کسی وقت بھی تم پر نازل ہو کر تمہاری سرکشی کو ختم کر دے گا۔ تم مجھ سے ان بتوں کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جن کے نام تم نے یا تمہارے اسلاف نے رکھ لئے ہیں۔ ان کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ سب تو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل اور سند اتاری ہے۔ پس اب تم عذاب نازل ہونے کا انتظار کرو۔ تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرما دیا اور حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو تو اپنی رحمت و مہربانی سے بچالیا اور جو لوگ حضرت ہودؑ پر ایمان نہیں لائے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے، بمقتضائے حکمت اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ ہی کاٹ دی اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا، کیونکہ ان کی قساوتِ قلبی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ (ابن کثیر ۲۲۵ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۷۰ / ۳)

قوم ہود کی ہلاکت و تباہی کے حالات و واقعات قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس طرح مذکور ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو تین برس تک شدید قحط میں مبتلا رکھا جس سے وہ عاجز آ گئے مگر پھر بھی ایمان نہ لائے۔ پھر ایک روز ان پر سیاہ ابر نمودار ہوا جس کو دیکھ کر قوم ہود کے لوگ بہت خوش ہوئے کہ اب اس ابر سے ضرور پانی برسے گا۔ یہ سیاہ ابر ایک سیاہ آندھی تھی۔ جب یہ نزدیک آئی تو انہوں نے اس میں آدمی، اونٹ اور بڑے بڑے درخت چیلوں کی طرح آسمان میں اڑتے ہوئے دیکھے۔ پھر وہ اپنے مکانوں اور محفوظ مقامات کی طرف دوڑے۔ مگر قہر الٰہی سے کون بچ سکتا ہے۔ مکان اور چھتیں اڑنے لگیں، دیواریں گر پڑیں، کچھ لوگ تو وہیں تمام ہوئے اور جو لوگ گھبرا کر باہر نکلے ان کو آندھی کے طوفان نے بہت بلند اٹھا کر کسی پتھر یا زمین پر دے مارا اور وہ گرتے ہی چور چور ہو گیا۔ یہ طوفان سات رات اور آٹھ دن تک جاری رہا۔ قوم عاد کے طویل القامت لوگ زمین پر کھجور کے پیڑوں کی طرح لمبے پڑے تھے۔ (حقانی ۳۹۸ / ۲)

قومِ ثمود کا واقعہ

۷۳، ۷۴۔ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۔ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ
لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ
بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا
وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ج فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی
الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی (حضرت) صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، کیونکہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے دلیل (بنا کر بھیجی گئی) ہے۔ سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرتی رہے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور (وہ وقت) یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور تمہیں زمین پر رہنے کا ٹھکانا دیا کہ تم نرم زمین میں محل بنا لیتے ہو اور پہاڑوں کے گھر تراش لیتے ہو۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے احسان یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔

نَاقَةٌ: اونٹنی، جمع نُوْقٌ۔

فَذَرُوْهَا: پس تم اس (اونٹنی) کو چھوڑ دو۔ وَذْرٌ سے امر۔

بَوَّاَكُمْ: اس نے تم کو ٹھکانا دیا۔ اس نے تم کو جگہ دی۔ تَبْوِیَةٌ سے ماضی۔

سُهُوْلِهَا: اس (زمین) کا نرم حصہ۔ اس کا ہموار حصہ۔ واحد سَهْلٌ۔

قُصُوْرًا: محلات۔ واحد قَصْرٌ۔

تَنْحِتُوْنَ: تم تراشتے ہو۔ نَحْتٌ سے مضارع۔

تَعْثَوْا: تم پھرو۔ تم فساد مچاؤ۔ تم پھیلاؤ۔ عَثِیٌّ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے قدیم عرب کے جو قبائل تھے، انہیں میں سے ثمود بھی تھے جو قوم عاد کے بعد ہوئے۔ یہ لوگ عرب کے شمال مشرقی حصہ میں جو مدینہ اور شام کے درمیان ہے اور جس کو قدیم عرب ملک حجر کہتے تھے، آباد تھے۔ یہ لوگ پہاڑ کھود کر اور پتھر تراش کر عجیب و غریب مکانات بناتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے پہاڑوں کے نیچے نرم زمین میں بھی عجیب و غریب محل بنائے ہوئے تھے۔ گرمی اور سردی کے جدا جدا مکانات ہوتے تھے۔ یہ لوگ بت پرست، راہزن اور علانیہ فاحش و بدکار تھے۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے آکر ان کو توحید و عبادت الٰہی کی تعلیم دی اور ایک اونٹنی کا معجزہ دکھا کر ان سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے نشانی ہے، تم اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا ورنہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

یہ اونٹنی ایک دن چشمے سے پانی پیتی تھی اور ایک دن ناغہ کرتی تھی تاکہ دوسرے لوگ اور ان کے جانور پانی پی سکیں۔ وہ لوگ اس اونٹنی کا دودھ پیتے تھے اور جس قدر چاہتے دودھ سے اپنے برتن بھر لیتے۔ وہ وادی میں ایک راستہ سے چرنے جاتی اور دوسرے راستہ سے باہر آتی، تاکہ آنے جانے والوں کو آسانی ہو، کیونکہ پانی پی کر وہ بہت موٹی تازی ہو جاتی اور بہت شاندار اور پر رعب و ہیبت نظر آتی تھی۔ وہ جانوروں کے پاس سے گزرتی تو دوسرے جانور ڈر کر بھاگ جاتے۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو کہ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد اس نے تمہیں ان کا جانشین بنایا تاکہ تم اس دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی کا ذریعہ بناؤ۔ اس نے تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا، تم اس کی نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ پس تم اللہ کی نعمتوں اور احسانات کو یاد کرو اور ان کا شکر ادا کرو اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ کفر و شرک اور نبی کی مخالفت و تکذیب سے بڑھ کر کوئی فتنہ و فساد نہیں، لہٰذا تم ان سے بچو۔ (حقانی ۲۴۰ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۷۴، ۷۵ / ۳)

کافر سرداروں کی گفتگو

۷۵، ۷۶۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا

بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○

اس قوم کے متکبر سرداروں نے ان غریب لوگوں سے پوچھا جو ایمان لے آئے تھے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ (حضرت) صالحؑ اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک ہم تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں۔ جو لوگ متکبر تھے وہ کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو، ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔

تشریح: حضرت صالحؑ کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں میں سے جو لوگ حضرت صالحؑ پر ایمان لے آئے تھے، ان سے کہا کہ کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ حضرت صالحؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ غریب مومنوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو دے کر بھیجا ہے، ہم تو بلاشبہ اس پر پوری طرح ایمان رکھتے ہیں، ہمیں ان کی نبوت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ کافر سرداروں نے مومنوں سے کہا کہ تم جس چیز پر ایمان رکھتے ہو، ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ ہم ان کی نبوت و رسالت کو نہیں مانتے اور نہ ان کے اونٹنی کے معجزے کو مانتے ہیں اور نہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اونٹنی کو مار ڈالنے سے کوئی عذاب آجائے گا۔

(مظہری ۳/۴۲۴)

اونٹنی کی کونچیں کاٹنا

۷۷-۷۹۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ○

پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالحؑ اگر تو رسولوں میں سے ہے تو جس (عذاب) سے تو

ہمیں ڈراتا ہے اس کو ہم پر لے آ۔ پس ان کو زلزلے نے آپکڑا، سو وہ اپنے
گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ پھر حضرت صالح نے ان سے منہ پھیرا اور
کہا کہ اے میری قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور
تمہاری خیر خواہی کی تھی لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

فَعَقَرُوا: پس انہوں نے پاؤں کاٹ دئے۔ پس انہوں نے کونچیں کاٹ دیں۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

عَتَوْا: انہوں نے سرکشی کی۔ انہوں نے نافرمانی کی۔ عُتُوٌّ سے ماضی۔

الرَّجْفَةُ: زلزلہ۔ کپکپاہٹ۔

جٰثِمِیْنَ: زانو کے بل گرے ہوئے۔ اوندھے پڑے ہوئے۔ جُثُومٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب حضرت صالح کی قوم کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو انہوں نے باہم صلاح و مشورہ کرکے اس اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا تاکہ ان کو ہر روز پانی لینے کا حق حاصل ہو جائے چنانچہ ان کافروں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کرتے ہوئے اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور کہنے لگے کہ اے صالح اگر تو واقعی رسول ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو اس عذاب کو لے آجس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے۔ پس جب ان کی جرأت و سرکشی اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ خدا کے پیغمبر کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زلزلہ کی شکل میں وہ عذاب نازل فرما دیا جس کا وہ مطالبہ کر رہے تھے۔ پھر وہ زلزلہ کے سبب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ سب لوگ ایک دم مرگئے۔ چھوٹا، بڑا، مرد و عورت، غرض ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا، سوائے ان لوگوں کے جو حضرت صالح پر ایمان لے آئے تھے۔

اس قوم کا ایک آدمی ابو رِغال تھا۔ عذاب کے وقت یہ شخص مکہ میں تھا، اس لئے چند روز عذاب سے محفوظ رہا، لیکن جب کسی ضرورت سے مکہ سے باہر نکلا تو آسمان سے اس پر ایک پتھر گرا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

پھر جب حضرت صالح کی قوم کے سب کافر ہلاک کر دئے گئے تو حضرت صالح نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے میری قوم! میں نے تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی کی تھی لیکن تم نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ تم حق بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (ابن کثیر ۲۲۸، ۲۲۹ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷ / ۳)

قومِ لوطؑ کا واقعہ

۸۰، ۸۱۔ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○

اور ہم نے (حضرت) لوطؑ کو (رسول بنا کر) بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا۔ تم تو شہوت میں آکر عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر گرتے ہو بلکہ تم لوگ تو حد سے بڑھے ہوئے ہو۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے ملکِ شام تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہر سدوم کے رہنے والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کی اصلاح فرمائیں اور ان کو بے حیائی کے کاموں سے باز رکھیں۔ سدوم کے لوگ بت پرست، لٹیرے، نہایت بدکار اور بے حیا تھے۔ لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتے تھے۔ یہی بدبخت قوم اس ناپاک عمل کی موجد تھی۔ ان سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے یہ خبیث فعل نہیں کیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور بدکاری و بے حیائی سے منع کیا اور کہا کہ کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو، جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے عورتیں پیدا کی ہیں اور تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ غیر فطری فعل کا ارتکاب کرتے ہو۔ یہ نری جہالت اور خباثتِ نفس ہے۔ پس تم اس سے بچو۔

قومِ لوط کا انجام

۸۲، ۸۴۔ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّآ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ○ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

اور ان کی قوم سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ لوگ بڑے پاک و صاف بنتے ہیں۔ پھر ہم نے (حضرت) لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا سوائے ان کی بیوی کے کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے اس قوم پر (پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو دیکھ لو ان مجرموں کا کیا حال ہوا۔

اُنَاسٌ: انسان۔ لوگ۔ واحد اِنْسٌ۔

الْغٰبِرِيْنَ: پیچھے رہنے والے۔ باقی رہنے والے۔ غَبْرٌ و غُبُوْرٌ سے اسم فاعل۔

اَمْطَرْنَا: ہم نے برسایا۔ اِمْطَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان کی نصیحت کا کوئی معقول جواب دینے کی بجائے ضد میں آکر آپس میں یہ کہنے لگے کہ یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں اور ہمیں گندہ بتاتے ہیں، تو گندوں میں پاکوں کا کیا کام۔ لہٰذا ان کو اپنی بستی ہی سے نکال دو۔ پھر جب ان کا تمسخر اور سرکشی حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال کو اس بستی سے صحیح و سالم نکال لیا، سوائے حضرت لوطؑ کی بیوی کے جو کافر تھی اور ان بدبختوں کے ساتھ رہ گئی تھی جن پر اللہ تعالیٰ نے عذاب مسلط کیا۔ اس نے معذبین کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں جو مہمان آتے تھے ان کی اطلاع بھی معذبین کو یہی دیا کرتی تھی اور ان کو بدکاری کی ترغیب بھی دیتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر پتھروں کی بارش کی اور ان کی بستیاں الٹ دی گئیں سو دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا۔ (ابن کثیر ۲۳۰،۲۳۱ / ۲)

حضرت شعیبؑ کا واقعہ

۸۵، ۸۷- وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

○ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۔ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی (حضرت) شعیب کو بھیجا ۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ۔ تمہارے پاس ایک واضح دلیل آچکی ۔ پس تم ناپ اور تول کو پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے ، اگر تم ایماندار ہو اور تم راستوں پر اس غرض سے نہ بیٹھا کرو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کو ڈراؤ اور ان کو اللہ کی راہ سے روکو اور اس راہ میں کجی ڈھونڈو اور (وہ وقت) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زیادہ کر دیا اور دیکھو مفسدوں کا کیسا انجام ہوا اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لے آیا ہے جو کچھ میرے ذریعہ بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ اس پر ایمان نہیں لایا تو تم صبر کرو ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۔

فَاَوْفُوْا: پس تم پورا کرو ۔ اِیْفَاءٌ سے امر ۔

اَلْکَیْلَ: پیمانے سے غلہ وغیرہ ناپنا ۔ مصدر ہے ۔

تَبْخَسُوا: تم کم دینے لگو ۔ تم گھٹانے لگو ۔ بَخْسٌ سے مضارع ۔

تَقْعُدُوْا: تم بیٹھو ۔ قُعُوْدٌ سے مضارع ۔

تُوْعِدُوْنَ: تم وعید کرتے ہو ۔ تم ڈراتے ہو ۔ اِیْعَادٌ سے مضارع ۔

تَصُدُّوْنَ: تم روکتے ہو ۔ تم بند کرتے ہو ۔ صَدٌّ سے مضارع ۔

تَبْغُوْنَهَا: تم اس کو چاہتے ہو ۔ تم اس کو تلاش کرتے ہو ۔ بَغْیٌ سے مضارع ۔

عِوَجًا: کجی۔ ٹیڑھا پن۔
طَآئِفَةٌ: گروہ، جماعت۔ طَوْفٌ سے اسم فاعل۔
تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ کے بعد پیش آیا عرب کے شمال مغربی حصہ کے بیابانوں میں ایک بستی کا نام مدین ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بحر قلزم کو عبور کر کے کوہِ سینا اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے تھے۔

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان کی نسل کے لوگ یہاں رہتے تھے، اس لئے اس بستی یا قبیلے کو مدین کہا جاتا ہے۔ مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر ہوتا ہے۔ اہل مدین میں سے ایک شخص (حضرت شعیبؑ) کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر ان میں بھیجا۔ یہ وہی شعیبؑ ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے آکر قیام پزیر ہوئے تھے اور دس برس ان کے ہاں رہے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کی۔ پھر حضرت موسیٰؑ نے مصر کی طرف واپس جاتے ہوئے کوہِ طور کے قریب اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھی اور پھر وہیں ان کو نبوت ملی۔

مدین کے لوگ بڑے شریر اور بت پرست تھے، ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن تھے اور کھوٹے سکے چلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے حضرت شعیبؑ کو معبوث فرمایا۔ انہوں نے قوم کی اصلاح کے لئے تین باتیں فرمائیں۔

۱۔ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہی دعوتِ توحید تمام عقائد و اعمال کی روح ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام یہی دعوتِ توحید دیتے آئے ہیں۔ حضرت شعیبؑ کی قوم مخلوق پرستی میں مبتلا تھی، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے حقوق سے غافل تھی۔ اسی لئے حضرت شعیبؑ نے سب سے پہلے ان کو یہی پیغام دیا اور فرمایا کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس میری نبوت کی واضح دلیلیں اور معجزے آچکے ہیں اور تم یہ سمجھ چکے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں، لہٰذا تم میری اطاعت کرو۔

۲۔ ناپ تول پورا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے ان کو نقصان نہ پہنچایا کرو۔ جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح دوسرے حقوق انسانی میں کمی کرنا بھی حرام ہے۔ کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کرنا، کسی کے درجہ اور رتبہ کے موافق اس کا احترام نہ کرنا، جن جن کی

اطاعت واجب ہے ان کی اطاعت میں کوتاہی کرنا، یہ سب امور اسی جرم میں داخل ہیں جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کیا کرتی تھی۔

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جلدی جلدی رکوع سجدے کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا **قد طففت** یعنی تو نے ناپ تول میں کمی کر دی مراد یہ ہے کہ نماز کا جو حق تھا وہ تو نے پورا نہیں کیا۔

پھر فرمایا کہ تم اصلاح کے بعد زمین میں خرابی پیدا نہ کرو۔ یعنی دین خداوندی کی مخالفت نہ کرو اور اپنی ناجائز حرکتوں سے باز آجاؤ۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

۳۔ تم راہ گیروں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں ان کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے راستوں اور سڑکوں پر نہ بیٹھا کرو۔ ان لوگوں کی عادت تھی کہ دو، دو، چار، چار کی ٹولیوں میں راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور راہ گیروں کو ڈرا دھمکا کر ان کا سامان و نقدی وغیرہ چھین لیتے تھے۔ جو شخص حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانا چاہتا اس کو ورغلاتے اور شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے۔

پھر فرمایا کہ تم وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد کے اعتبار سے بہت تھوڑے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری نسلیں بڑھا کر تمہاری قلت کو کثرت میں بدل دیا۔ یا مال و اسباب کے اعتبار سے تم بہت کمتر تھے، اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرما کر تمہیں مستغنی کر دیا۔ پس تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور فساد کرنے والوں کے انجام پر نظر رکھو اور قوم نوحؑ، قوم عادؑ، قوم ثمودؑ اور قوم لوطؑ کے حالات و انجام سے عبرت پکڑو۔

پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اگر تم میں سے کچھ لوگ ان باتوں پر ایمان لے آئے جو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہوں اور کچھ لوگ ان پر ایمان نہیں لائے تو تم ذرا صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کے فیصلے میں نہ ظلم ہے اور نہ کوئی اس کے فیصلے کو رد کر سکتا ہے۔

(حقانی ۳۰۴ / ۲، معارف القرآن ۶۲۳، ۶۲۵ / ۳)

سرداروں کی سرکشی

۸۸،۸۹۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ
يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ
مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا
يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ
شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝

اس کی قوم کے سرکش سرداروں نے کہا کہ اے شعیبؑ! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ حضرت شعیبؑ نے کہا کہ اگر ہم کراہت کریں تو (بھی لوٹ آئیں) ؟ اگر ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں تو ہم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہم سے نہیں ہو سکتا کہ ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں، مگر یہ کہ ہمارا رب ہی چاہے اور ہمارے رب کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہم نے تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر لیا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم میں اور ہماری قوم میں حق کے مطابق فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی گفتگو سن کر ان کی قوم کے مغرور و متکبر سردار کہنے لگے کہ اے شعیبؑ یا تو تم اور جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں، سب ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ، ورنہ ہم تم سب کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

حضرت شعیبؑ کی قوم کے سرداروں کا حضرت شعیب پر ایمان لانے والوں کو اپنے مذہب میں واپس بلانا تو ٹھیک ہے مگر حضرت شعیبؑ تو ان کے باطل مذہب پر ایک دن بھی نہیں رہے تھے اور نہ کوئی پیغمبر کسی مشرکانہ مذہب کی پیروی کر سکتا ہے۔ اس لئے قوم کے سرداروں کا

حضرت شعیبؑ سے یہ کہنا کہ ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ غالباً اس لئے تھا کہ نبوت ملنے سے پہلے حضرت شعیبؑ ان کے باطل عقائد و اعمال پر خاموش رہتے تھے اور انہی کے اندر رلے ملے رہتے تھے، اس لئے وہ ان کو بھی اپنا ہم مذہب سمجھتے تھے۔ جب حضرت شعیبؑ نے ان کو دعوتِ ایمان دی تب ان کو پتہ چلا کہ ان کا مذہب تو ہمارے مذہب سے مختلف ہے اور یہ کہ یہ ہمارے مذہب سے پھر گئے ہیں۔

حضرت شعیبؑ نے جواب دیا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے مذہب کو ناپسند اور باطل سمجھنے کے باوجود ہم تمہارے مذہب میں داخل ہو جائیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باطل مذہب سے ہمیں نجات دے دی۔ اب اگر ہم تمہارے مذہب میں واپس ہو جائیں تو یہ ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ پر سخت جھوٹا بہتان ہو گا۔ اب تمہارے باطل مذہب میں واپس آنا ہمارے لئے ممکن ہی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ ہی ایسا ہو جائے۔ ہمارے پروردگار کا علم بہت وسیع ہے اور ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قضا و قدر کی حکمتیں اور مصلحتیں اسی کو معلوم ہیں۔ لہٰذا ہمارا بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے۔ وہی اپنی عنایت سے ہمیں اپنے دین پر قائم رکھے گا۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان کی طرف سے ناامید ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کر دے اور تو ہی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ دراصل، حضرت شعیبؑ کی طرف سے اپنی قوم کے کافروں کے لئے ہلاکت کی دعاء تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر ان سرکشوں کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ (معارف القرآن ۶۲۸، ۶۲۹ / ۳)

قومِ شعیبؑ کا دردناک انجام

۹۰، ۹۲۔ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ○ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ○

اور (حضرت شعیبؑ کی) قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم (حضرت) شعیبؑ کی اتباع کرو گے تو بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ پھر ان کو زلزلے نے آلیا، سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے (حضرت) شعیبؑ کو جھٹلایا تھا (وہ ایسے مٹے کہ) گویا وہ ان بستیوں میں آباد ہی نہ تھے۔ جنہوں نے (حضرت) شعیب کو جھٹلایا وہی خسارے میں رہے۔

الرَّجْفَةُ: زلزلہ۔ کپکپاہٹ

فَاَصْبَحُوْا: پس وہ ہو گئے۔ اِصْبَاحٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

جٰثِمِیْنَ: زانو کے بل گرے ہوئے۔ اوندھے پڑے ہوئے۔ جُثُوْمٌ سے اسم فاعل۔

یَغْنَوْا: وہ قیام کرتے ہیں۔ وہ بستے ہیں۔ وہ رہتے ہیں۔ غَنْیٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی کفر و گمراہی ایسی شدید تھی کہ ان کے سردار اپنی قوم کے کافروں سے کہنے لگے کہ اگر تم نے شعیبؑ کی بات مان لی اور تم ان کی اتباع کرنے لگے تو تم بڑے خسارے میں رہو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طور پر ان پر ایسا شدید زلزلہ بھیجا کہ وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ یہ اس بات کی سزا تھی کہ وہ حضرت شعیبؑ اور ان کے اصحاب کو بلاوجہ ڈراتے اور ان کو جلاوطنی کی دھمکی دیتے تھے۔

یہاں زلزلہ کو عذاب بتایا گیا ہے۔ دوسری آیتوں میں عذاب یوم الظلہ آیا ہے جس کے معنی ہیں سایہ کے دن کا عذاب۔ یعنی پہلے ان پر گہرے بادل کا سایہ آیا، جب وہ اس کے نیچے جمع ہو گئے تو اسی بادل سے ان پر پتھر یا آگ برسائی گئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم کے مختلف حصے ہو گئے ہوں۔ بعض پر زلزلہ آیا اور بعض عذاب ظلہ سے ہلاک کئے گئے ہوں۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی وہ اپنے گھروں میں ایسے ڈھیر ہوئے گویا کبھی اس بستی میں بستے ہی نہ تھے۔ یہ لوگ اللہ کے رسول اور اس کے اصحاب کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ اب نہ وہ خود رہے اور نہ ان کی بستیاں۔ یہی لوگ حقیقی خسارے میں رہے۔

(ابن کثیر ۲۳۲ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۳ / ۳)

حضرت شعیبؑ کا اظہار افسوس

۹۳۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝

پھر (حضرت) شعیبؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور کہنے لگے کہ اے میری قوم! میں تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت بھی کر چکا۔ پھر اب ان منکروں پر میں کیا افسوس کروں۔

رِسٰلٰتِ: احکامات۔ پیغامات۔ واحد رِسَالَۃٌ۔

اٰسٰی: میں افسوس کروں۔ میں غم کھاؤں۔ اَسیٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت شعیبؑ اور ان کے ساتھی اپنی قوم پر عذاب آتا ہوا دیکھ کر وہاں سے چل دئے۔ جب قوم پر عذاب آیا تو پیغمبرانہ شفقت و رحمت کے سبب حضرت شعیبؑ کا دل دکھا۔ پھر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے تو تمہارے رب کے احکام تمہیں پہنچا دئے تھے اور تمہاری پوری پوری خیر خواہی کی تھی، دنیا و آخرت کے نفع و نقصان سے تمہیں آگاہ کر دیا تھا، مگر تم نے میری بات نہ مانی اور اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ پھر میں کافر قوم کی ہلاکت پر کیوں غم کروں کیونکہ کافروں، ظلم و شرک پر ہٹ دھرمی کرنے والوں اور انبیاء کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کی تباہی و بربادی لائق حزن و غم نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں سے پاک ہو گئی اور اہل ایمان کی نگاہیں کفر و شرک کی نجاستیں دیکھنے سے محفوظ ہو گئیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۳ / ۳)

اُمم سابقہ کا انجام

۹۴، ۹۵ وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

اور ہم نے جس بستی میں کوئی نبی بھیجا تو یہی کیا کہ وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کریں۔ پھر ہم نے بدحالی کو خوشحالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ زیادہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی تنگی اور راحت پہنچی تھی۔ پھر ہم نے ان کو یکایک پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔

اَلْبَاْسَآءِ: تنگدستی۔ مفلسی۔ فقر۔ سختی۔

اَلضَّرَّآءِ: تکلیف۔ سختی۔ مصیبت۔

يَضَّرَّعُوْنَ: وہ عاجزی کرتے ہیں۔ وہ گڑگڑاتے ہیں۔ تَضَرُّعٌ سے مضارع۔

عَفَوْا: انہیں خوب ترقی ہوئی۔ وہ زیادہ ہوگئے۔ بصلہ عن انہوں نے معاف کیا۔ عَفْوٌ سے ماضی۔

بَغْتَةً: یکایک۔ ایک دم۔ اچانک۔

تشریح: انبیاء کرام علیہم السلام کے ان واقعات کی جن میں منکرین پر عذابِ الٰہی آنے کا ذکر ہے، عرب کے لوگ بھی دل سے تصدیق کرتے تھے۔ ان واقعات کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ منکرین انبیاء پر عذابِ الٰہی شاید انہی مذکورہ چند علاقوں میں واقع ہوا ہے۔ ورنہ ان کے علاوہ دوسرے علاقوں میں ایسی کوئی بات نہیں۔ پس جب ہر منکر پر یہ عذاب واقع نہیں ہوا تو کیا ضروری ہے کہ مکہ اور عرب کے منکروں پر بھی ایسا ہی عذاب واقع ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی بستی اور آبادی ایسی نہیں جہاں ہم نے کوئی نبی نہ بھیجا ہو اور وہاں کے لوگوں کو راحت و شادمانی اور تکلیف و مصیبت کے ذریعہ نہ آزمایا ہو تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں، ہم سے ڈریں، ہمارے آگے گڑگڑائیں اور اس مصیبت کے دور ہونے کی درخواست کریں۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ اپنی روش پر قائم رہے۔ اس کے باوجود ہم نے ان کی بدحالی اور مصیبت کو راحت و مالداری اور فراخی و دولت مندی سے بدل دیا تاکہ وہ کفرانِ نعمت ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اپنی بداعمالیوں سے توبہ و استغفار کریں۔ پھر بھی انہوں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور نہ مصائب و مضرات پر صبر و عاجزی کا دامن تھاما، نہ اپنی بداعمالیوں سے باز آئے اور نہ توبہ و استغفار کی، بلکہ یہ کہنے لگے کہ یہ انقلابِ راحت و مصیبت تو ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ کبھی راحت و شادمانی کبھی رنج و مصیبت، اسی طرح ہم پر بھی کبھی راحت و خوشحالی آئی اور کبھی مصیبت و

تنگدستی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ اس میں ایمان و کفر کو کوئی دخل ہے۔

پھر جب وہ کسی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے یکایک ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا اور ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ یکایک عیش و عشرت سے محروم کرکے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ (حقانی ۴۰۷، ۴۰۸ / ۲، ابن کثیر ۲۳۳ / ۲)

مکذبین و منکرین کی بدنصیبی

۹۶، ۹۹۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ○ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو تکذیب کی، سو ہم نے ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔ کیا پھر بھی بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر راتوں رات آپڑے اور وہ سب سوئے ہوئے ہوں اور کیا بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے جبکہ وہ کھیل کود میں مشغول ہوں۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی بے فکر نہیں ہوتا، سوائے ان لوگوں کے جن کی شامت ہی آگئی ہو۔

اَلْقُرٰی: بستیاں۔ دیہات۔ باشندے۔ واحد قَرْیَۃٌ۔

بَیَاتًا: رات کے وقت۔ شبخون مارنا۔ تَبْیِیْتٌ سے اسم مصدر۔

نَآئِمُوْنَ: سونے والے۔ نَوْمٌ سے اسم فاعل۔

ضُحًی: دن کی روشنی۔ دن چڑھے۔ چاشت کا وقت۔

مَکَرَ : پکڑ۔ داؤ۔ تدبیر۔ حیلہ۔

تشریح: اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور نافرمانی سے پرہیز کرتے تو ہم ان کے لئے آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انہوں نے ہماری اتباع و فرماں برداری کی بجائے ہمارے پیغمبروں کی تکذیب و نافرمانی کو اپنا مقصدِ حیات بنایا، سو ہم نے بھی ان کو ان کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی سزا میں پکڑ لیا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔

کیا ان عبرتناک واقعات کو سننے کے بعد بھی ان موجودہ بستیوں کے لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں اور عیش و عشرت میں مست ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ سابقہ امتوں کی طرح رات کے وقت ان پر ہمارا عذاب آجائے اور وہ سوتے ہی رہ جائیں یا یہ لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ دن چڑھے ان پر ہمارا عذاب آجائے جبکہ وہ کھیل تماشہ میں مشغول ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کی نافرمانی اور تکذیب کے بعد عذابِ الٰہی سے کسی وقت بھی بے خوف نہیں رہنا چاہئے۔ نہ جانے رات کو یا دن کو کس وقت بے خبری میں عذاب آجائے۔ کیا یہ تکذیب کرنے والے اللہ تعالیٰ کی تدبیروں سے بے خوف ہو گئے۔ عیش و عشرت اور خواب و استراحت میں یکایک پکڑ لینا کہ جہاں سے کسی مصیبت کا وہم و گمان بھی نہ ہو، یہی اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۶، ۸۷ / ۳)

گزشتہ واقعات سے عبرت

۱۰۰۔ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ
اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ

کیا اس سے بھی ان کو ہدایت نہیں ہوئی جو وہاں کے رہنے والوں کی ہلاکت کے بعد زمین کے وارث ہوئے، کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کی سزا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگادیں پھر وہ سن بھی نہ سکیں گے۔

نَشَآءُ: ہم چاہتے ہیں۔ شَیْئٌ و مَشِیْئَۃٌ سے مضارع۔

اَصَبْنٰهُمْ: ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے ان کو پکڑ لیا۔ اِصَابَۃٌ سے ماضی۔

نَطْبَعُ: ہم مہر لگادیں گے۔ ہم بند لگادیں گے۔ طَبْعٌ سے مضارع۔

يَهْدِ: وہ ہدایت کرتا ہے۔ وہ توفیق دیتا ہے۔ یہاں بتانا اور نشاندہی کرنا مراد ہے۔

تشریح: اس آیت میں اقوام عرب و عجم کو یہ بتانا مقصود ہے کہ گزشتہ اقوام کے واقعات میں تمہارے لئے درس عبرت و نصیحت ہے۔ جن بداعمالیوں کی وجہ سے سابقہ اقوام پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب نازل ہوا تم ان سے بچو اور جن کاموں کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والوں کو کامیابی حاصل ہوئی تم بھی ان پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرو۔

موجودہ زمانے کے لوگ سابقہ قوموں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کی زمینوں اور مکانوں کے وارث بنے، مگر انہوں نے گزشتہ اقوام کے حالات و واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل نہیں کی اور نہ ہی کفر و الحاد کی روش ترک کی۔ اگر یہ لوگ احکام خداوندی کی خلاف ورزی اور اپنی بداعمالیوں میں اسی طرح بدمست رہے تو جس طرح سابقہ قومیں اپنی بداعمالیوں اور بدافعالیوں کے سبب ہلاک و برباد ہوئیں اسی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو سکتی ہیں۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ غفلت کرتے ہیں اور ماضی کے واقعات سے ہدایت و نصیحت حاصل نہیں کرتے تو ان کے دلوں پر غضبِ الٰہی سے مہر لگ جاتی ہے، پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔ یہاں سننے

سے مراد ماننا اور اطاعت کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دلوں پر مہر لگ جانے کے سبب وہ کسی بات کو حق ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔

کافروں کو تنبیہ

۱۰۱،۱۰۲۔ تِلْکَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ ہیں وہ بستیاں جن کی خبریں ہم آپ کو سنا رہے ہیں اور بیشک ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آچکے تھے، پھر وہ تو ایسے تھے ہی نہیں کہ اس پر ایمان لے آتے جس کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ اور ہم نے ان کے اکثر لوگوں کو عہد کا پابند نہیں پایا اور ہم نے تو ان کے اکثر لوگوں کو نافرمان ہی پایا۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ قوم نوحؑ، عادؑ و ثمودؑ اور لوطؑ و شعیبؑ وغیرہ کی یہ وہ اجڑی ہوئی بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات و واقعات ہم نے بیان کئے ہیں۔ مشرکین مکہ جب اپنے تجارتی سفر پر جاتے ہیں تو ان کو اپنے سفر کے دوران ان بستیوں کے آثار و نشانات ملتے ہیں۔ یہ لوگ ان کو دیکھ کر سبق حاصل نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات دے کر ان کے پاس بھیجا، جنہوں نے ان کو خوب سمجھایا مگر وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر توحید کو جھٹلاتے رہے اور اپنے کفر و انکار پر قائم رہے اور ایمان نہ لائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے۔ پھر ان میں نیکی قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح آپ کی قوم کے کافروں کے بارے میں بھی، ہم نے لکھ دیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(حقانی ۳۱۰ / ۲، معارف القرآن ۱۷، ۱۹ / ۴)

جن قوموں کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں سے اکثر لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو توڑا جو انہوں نے مصیبت اور دشمنوں کے خوف میں گھر کر کیا تھا کہ اگر تو نے ہمیں اس سے بچا لیا تو ہم شکر گزار مومنوں میں سے ہو جائیں گے یا اس عہد کو توڑنا مراد ہے جو حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام ذریات کو نکال کر لیا گیا تھا یا ایمان و پرہیزگاری کا وہ عہد مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا۔ (روح المعانی ۱۶ / ۹)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد الست ہے جو ازل میں تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے، ان سب کی روحوں کو پیدا فرما کر لیا گیا تھا، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس وقت تمام انسانی روحوں نے اقرار اور عہد کے طور پر جواب دیا کہ بلیٰ یعنی ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔ دنیا میں اکثر لوگ اس عہدِ ازل کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ ہم نے اکثر لوگوں کو عہد کا پابند نہ پایا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہدِ ایمان ہے۔ (معارف القرآن ۱۹، ۲۰ / ۴)

حضرت موسیٰؑ کی بعثت

۱۰۳۔ **ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝**

پھر ان کے بعد ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پھر ان لوگوں نے ان نشانیوں کا انکار کیا، سو دیکھو ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔

ربط: گزشتہ آیات میں بعض انبیاء کرام کے واقعات کا بیان تھا، جن میں یہ بتایا گیا کہ انبیاء کرام سے سرکشی اور ان کی تکذیب و انکار محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ سلسلہ تو زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے، جس کے نتیجہ میں یہ مکذبین و منکرین دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت کے اعتبار سے بھی شدید عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ اس کے بعد سابقہ امتوں کے واقعات کا اجمالی

بیان ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ مکذبین و منکرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ان کو سختیوں اور مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے، تاکہ وہ عبرت و نصیحت پکڑیں اور راہِ راست پر آجائیں۔ جب وہ سختیوں اور آزمائشوں کے باوجود راہِ راست پر نہیں آتے تو پھر ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ شاید اسی طرح وہ شکر گزاری اور اطاعت کرنے لگیں اور سیدھے راستے پر آجائیں۔ لیکن جب وہ کسی طرح راہِ راست پر نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ یکایک ان کو پکڑ لیتا ہے۔ اب یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا بیان ہے جو دوسرے انبیاء کرام کے واقعات سے زیادہ مفصل ہے۔

تشریح: اس سے پہلے اس سورت میں پانچ سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے واقعات کا بیان ہوا۔ یہ چھٹا واقعہ ہے جس کا تعلق حضرت موسیٰ اور ان کی امت بنی اسرائیل سے ہے۔ قرآن کریم نے اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے دوسرے سابقہ انبیاء کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ امتوں کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی جہالت اور ہٹ دھرمی بھی زیادہ شدید ہے۔ (معارف القرآن ۲۳ / ۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے حالات و واقعات پہلے بیان ہو چکے ہیں، پھر ان کے بعد ہم نے اپنی واضح نشانیاں اور دلائل دے کر حضرت موسیٰ کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا، جو مصر کا بادشاہ تھا۔ مگر فرعون اور اس کی قوم نے اپنی سرکشی کے سبب، ایمان لانے کی بجائے حضرت موسیٰ کو جھٹلایا اور ان کی نبوت کا انکار کیا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان منکرین و مکذبین کے انجام پر تو غور کریں کہ ہم نے ان کو کیسی سزا دی اور حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کر دیا۔ جس طرح شاہ فارس کا لقب کسریٰ اور شاہِ روم کا لقب قیصر تھا اسی طرح شاہِ مصر کا لقب فرعون تھا۔

(ابن کثیر ۲۳۵ / ۲)

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا مناظرہ

۱۰۶،۱۰۴۔ وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ
بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝ قَالَ اِنْ كُنْتَ
جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

اور حضرت موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون! میں پروردگارِ عالم کی طرف سے (بھیجا ہوا) ایک رسول ہوں۔ میں اس بات پر قائم ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچ کے سوا کچھ نہ کہوں۔ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بڑی نشانی لایا ہوں، سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون نے کہا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اس کو لے آ، اگر تو سچا ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ میں اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو ہر شئے کا خالق و مالک ہے۔ میرے منصبِ نبوت و رسالت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف سچ کے سوا کوئی بات منسوب نہ کروں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغامات دیئے جاتے ہیں وہ ان کے پاس امانت ہوتے ہیں۔ ان میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرنا خیانت ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام خیانت اور ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واضح اور قطعی دلیل لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا میری بات پر یقین کرتے ہوئے تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ ارضِ مقدس جانے کے لئے اپنی مصنوعی قید سے آزاد کر دے۔ فرعون بنی اسرائیل سے قیدیوں اور غلاموں جیسا سلوک کرتا تھا اور ان سے سخت محنت و مزدوری کے کام لیتا تھا۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو جواب دیا کہ میں تمہارے نبوت و رسالت کے دعوے کو نہیں مانتا۔ اگر تم اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی معجزہ لے کر آئے ہو تو دکھاؤ تاکہ تمہاری بات کی تصدیق ہو سکے۔ (ابن کثیر ۲۳۵، ۲۳۶ / ۲، مظہری ۴۳۹ / ۳)

حضرت موسیٰؑ کے معجزے

۱۰۷، ۱۰۸۔ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ۝

تب (حضرت) موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا سو اسی وقت وہ صریح اژدہا بن گیا اور (حضرت موسیٰ نے) اپنا ہاتھ نکالا ہی تھا کہ یکایک دیکھنے والوں کے سامنے وہ بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔

عَصَاهُ: اپنے عصا کو۔ اپنی لاٹھی کو، جمع عِصِیٌّ و اَعْصَاءٌ

ثُعْبَانٌ: اژدہا۔ بڑا سانپ جمع ثَعَابِیْن۔ یہ اسم ہے۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نَزَعَ: اس نے باہر نکالا۔ نَزْعٌ سے ماضی۔ نَزْعٌ کا مطلب ہے ایک چیز کو دوسری چیز میں سے کسی قدر سختی کے ساتھ نکالنا۔ یہاں اپنے ہاتھ کو کھینچ کر نکالنا مراد ہے۔

بَیْضَآءُ: سفید۔ ہاتھ کا سفید ہونا۔ جمع بِیْضٌ۔ برص کی بیماری کے سبب بھی ہاتھ سفید ہو جاتا ہے۔ اس لئے دوسری جگہ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ سے اس کی وضاحت کر دی گئی کہ ہاتھ کا سفید ہونا کسی بیماری کے سبب نہ تھا اور نہ یہ سفیدی برص کی مانند تھی بلکہ یہ تو معجزے کے طور پر نہایت روشن اور چمکدار بن جاتا تھا اور اس وقت اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک اژدہا بن گیا جس کو دیکھ کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ بدحواسی کے عالم میں چلاتے ہوئے حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگا کہ اے موسیٰؑ اسے روک لو۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کو اٹھا لیا تو وہ پھر عصا بن گیا۔

بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس اژدہا نے فرعون کی طرف منہ پھیلایا تو وہ گھبرا کر تختِ شاہی سے کود گیا اور حضرت موسیٰ کی پناہ لی۔ دربار کے ہزاروں آدمی اس کی دہشت سے مر گئے۔

سدیؒ کہتے ہیں کہ جب اژدہا نے منہ پھاڑا تو اس کا نیچے کا جبڑا زمین پر اور اوپر کا جبڑا محل

کی دیوار پر تھا۔ جب وہ فرعون کی طرف بڑھا تو وہ کانپ اٹھا اور تخت سے کود کر بھاگنے لگا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ اے موسیٰ اس کو پکڑ لو، میں تم پر ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے اس کو پکڑ لیا تو وہ عصا بن گیا۔

حضرت موسیٰ نے دوسرا معجزہ یہ دکھایا کہ اپنا ہاتھ کھینچ کر نکالا تو وہ انتہائی روشن اور چمکدار بن گیا اور اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ اس آیت میں یہ ذکر نہیں کہ ہاتھ کو کس چیز میں سے نکالا۔ دوسری آیتوں میں دو چیزیں مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ **اُدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ** یعنی اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو۔ دوسرے یہ کہ **وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ** یعنی اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے دبالو۔ ان دونوں آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہاتھ کا نکالنا گریبان کے اندر سے یا بازو کے نیچے سے ہوتا تھا۔ مطلب یہ کہ یہ معجزہ کبھی ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکالنے سے اور کبھی بازو کے نیچے دبا کر نکالنے سے ظاہر ہوتا تھا۔ (معارف القرآن ۲۴۔ ۲۵ / ۴)

سرداروں کا گمان

۱۰۹، ۱۱۰۔ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۝ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ بیشک یہ تو کوئی بڑا ماہر جادوگر ہے۔ وہ تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔ پھر تمہاری کیا رائے ہے۔

تشریح: قوم فرعون کے سردار اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ سے بے خبر تھے۔ انہوں نے تو فرعون کو اپنا خدا اور جادوگروں کو اپنا رہبر سمجھا ہوا تھا اور زندگی میں جادوگروں ہی کے شعبدے دیکھے تھے۔ کیونکہ اس زمانے میں جادو کا بول بالا تھا۔ حضرت موسیٰ کو بھی جادوگروں سے مقابلے کے لئے عصا اور ید بیضاء کے معجزے عطا کئے گئے تھے۔ سنت اللہ بھی یہی ہے کہ وہ ہر زمانے میں پیغمبروں کو ان کے زمانے کے حالات اور ضرورت کی مناسبت سے معجزے عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طبِ یونانی اپنے عروج پر تھی اس لئے ان کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ مادر زاد اندھوں کو بینا بنا دیں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عربوں کا سب سے بڑا کمال فصاحت و بلاغت تھا، اس لئے آپ کا سب سے بڑا

معجزہ قرآن کو بنادیا گیا۔ جس کے مقابلے سے سارا عرب و عجم اُس وقت بھی عاجز تھا، آج بھی عاجز و بے بس ہے اور یہ عجز و بے بسی تاقیام قیامت اسی طرح برقرار رہے گی۔

حضرت موسیٰؑ کے معجزوں کو دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے سردار اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے تھے کہ یہ بھی کوئی بڑا جادو ہے، اس لئے کہ انہوں نے تو زندگی میں جادوگروں ہی کے شعبدے دیکھے تھے۔ چنانچہ بااثر سرداروں نے قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ تو بڑا فنکار اور ماہر جادوگر معلوم ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے۔ اب تم بتاؤ کہ اس کے جادو کو بے اثر کرنے اور اس کے نبوت و رسالت کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے۔ (معارف القرآن ۲۵ / ۴، ابن کثیر ۲۳۶ / ۲)

جادوگروں کو جمع کرنا

۱۱۱، ۱۱۲۔ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝

انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دو اور شہروں میں ہر کارے بھیج دو کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں۔

اَرْجِهْ: تو ڈھیل دے۔ تو مہلت دے۔ اِرْجَاءٌ سے امر۔

مَدَآئِنِ: ہر بڑے شہر کے لئے بولا جاتا ہے۔ واحد مَدِيْنَةٌ۔

حٰشِرِيْنَ: اٹھانے والا۔ جمع کرنے والا۔ یہاں اس سے مراد سپاہی ہیں جو اطراف ملک سے جادوگروں کو جمع کر کے لائیں۔ حَشْرٌ سے اسم فاعل۔ یہ جمع ہے اس کا واحد حَاشِرٌ ہے۔

تشریح: فرعون اور سرداروں کی بات سن کر قوم کے لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ اگر یہ جادوگر ہے اور جادو کے ذریعہ ہمارا ملک فتح کرنا چاہتا ہے تو ہمارے لئے اس سے مقابلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے جادوگر موجود ہیں جو اپنے جادو سے اس کو شکست دے دیں گے۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی کو روک لیا جائے اور کچھ سرکاری کارندوں کو ملک کے تمام شہروں میں بھیج دیا جائے، جو وہاں سے مشہور جادوگروں کو جمع کر کے یہاں لے آئیں

چنانچہ حضرت موسیٰ سے مقابلے کے لئے تمام نامور جادوگروں کو جمع کر لیا گیا۔

جادوگروں کا فرعون سے وعدہ لینا

۱۱۳، ۱۱۴۔ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ٥ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ٥

اور سب جادوگر فرعون کے پاس آکر کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہمیں کچھ انعام ملے گا۔ فرعون نے کہا ہاں اور تمہیں تقرب بھی ضرور حاصل ہوگا۔

تشریح: جب ملک بھر کے نامور جادوگروں کی ایک بڑی تعداد فرعون کے پاس پہنچ گئی تو انہوں نے فرعون سے سوال کیا کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آگئے تو کیا اس پر ہمیں اجر و انعام بھی ملے گا۔ فرعون نے جواب دیا کہ اجر و انعام کے علاوہ تم سب کو ہمارے قربِ شاہی کا اعزاز بھی ملے گا۔ جادوگروں کی اس جماعت نے فرعون سے وعدہ لینے کے بعد حضرت موسیٰ سے مقابلے کی جگہ اور وقت کا تعین کرایا۔ چنانچہ ایک کھلا میدان اور عید کے دن آفتاب بلند ہونے کے بعد کا وقت مقابلے کے لئے تجویز ہوا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ٥

(سورۃ طٰہ، آیت ۵۹)

موسیٰ نے کہا، تمہارے مقابلے کے وعدے کا دن وہ ہے جس میں تمہارا میلہ ہوتا ہے اور جس میں دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر حضرت موسیٰ نے جادوگروں کے سردار سے گفتگو فرمائی کہ اگر میں تم پر غالب آگیا تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے اور اس بات کی شہادت دو گے کہ جو کچھ میں لایا ہوں وہ حق ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کل ہم ایسے جادو لائیں گے کہ ان پر کوئی سحر غالب نہیں آسکے گا لہذا ہمارے مغلوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر آپ غالب آگئے تو ہم علی الاعلان فرعون کے سامنے آپ پر ایمان لے آئیں گے اور اس بات کی گواہی دیں گے کہ آپ حق پر ہیں۔ (مظہری ۴۴۱ / ۳، روح المعانی ۲۷ / ۹)

جادوگروں کی مُبارزت

۱۱۵، ۱۱۶۔ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ قَالَ اَلْقُوْا ج فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝

جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ! یا تو تم ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ تم ہی ڈالو۔ پھر جب انہوں نے ڈالا تو جادو کے زور سے انہوں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان کو ڈرایا اور وہ بڑا جادو بنا کر لائے تھے۔

تُلْقِيَ: تو ڈالتا ہے۔ اِلْقَاءٌ سے مضارع۔

سَحَرُوْا: انہوں نے جادو کیا۔ انہوں نے نظر بندی کی۔ سِحْرٌ سے ماضی۔

اِسْتَرْهَبُوْهُمْ: انہوں نے ان کو ڈرایا۔ اِسْتِرْهَابٌ سے ماضی۔

تشریح: جادوگر اپنے فن سحر پر ایسے مطمئن تھے کہ جب وہ مقابلے کے دن مقررہ جگہ پہنچے تو انہوں نے اپنی بڑائی دکھانے کے لئے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم ڈالیں۔ اگرچہ دل سے وہ یہی چاہتے تھے کہ پہلا وار ان کا ہو تاکہ جب وہ سب مل کر اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو حضرت موسیٰ ان کو دیکھ کر حیران و دنگ رہ جائیں۔ حضرت موسیٰ نے ان کے منشاء کو محسوس کرتے ہوئے اور اپنی اولوالعزمی کے اظہار کے لئے، انہیں پہل کرنے کا موقع دیا اور فرمایا کہ تم ہی پہلے ڈالو۔

پھر جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان کو ہیبت زدہ کر دیا جس سے دیکھنے والوں کو محسوس ہوا جیسے لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں۔ سارا میدان سانپوں سے بھر گیا تھا۔ ایک کے اوپر ایک رینگ رہا تھا۔ حالانکہ حقیقت میں وہ اسی طرح لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں جس طرح اس نظر بندی سے پہلے تھیں اور دیکھنے والوں کی نظر میں لاٹھیوں اور رسیوں کا سانپ بن کر ادھر ادھر دوڑنا فنی اعتبار سے گویا جادو کا بہت بڑا مظاہرہ تھا۔ (معارف القرآن ۳۰، ۴/۳۱، ابن کثیر ۲/۲۳۷)

حضرت موسیٰؑ کو عصا ڈالنے کا حکم

۱۱۷، ۱۱۹۔ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ○ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ○

اور (اس وقت) ہم نے (حضرت) موسیٰؑ کو وحی کی تم بھی اپنا عصا ڈال دو۔ پھر یکایک وہ (عصا اژدہا بن کر) ان جادوگروں کے رچائے ہوئے سانگ کو نگلنے لگا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور جادوگروں کا شعبدہ باطل ہو گیا۔ پھر وہ (فرعون اور اس کے درباری) لوگ اس وقت مات کھا گئے اور ذلیل ہو کر لوٹ گئے۔

تَلْقَفُ: وہ (اژدہا) نگل جاتا ہے۔ لَقْفٌ سے مضارع۔

يَاْفِكُوْنَ: وہ لوٹتے ہیں۔ وہ تہمت لگاتے ہیں۔ اَفْكٌ واُفُوْكٌ سے مضارع۔

صٰغِرِيْنَ: بے عزت۔ ذلیل۔ خوار

هُنَالِكَ: وہاں۔ اس جگہ۔ اس وقت۔ اسم ظرف زمان ومکان

تشریح: جب جادوگروں نے اپنے کمال کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کی نظر بندی کر دی اور لوگوں کو ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ دکھائی دینے لگیں اور میدان سانپوں سے بھر گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ تم بھی اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔ تم ہی غالب رہو گے، ان کے جادو اور شعبدہ بازی کی کوئی حقیقت نہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے فوراً اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی جو دفعتاً ایک بہت بڑا اژدہا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگلنے لگا اور ان کا ایک سانپ بھی نہ بچ سکا۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جب اژدہا سب رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل چکا تو اس نے لوگوں کا رخ کیا۔ یہ دیکھ کر لوگ گرتے پڑتے، سرپٹ دوڑ پڑے۔ پھر حضرت موسیٰ نے اس کو پکڑ لیا تو وہ حسبِ سابق لاٹھی بن گئی۔ اس طرح حق ظاہر ہو گیا اور جو کچھ جادوگروں نے سانگ بنایا تھا وہ سب باطل ہو گیا اور فرعون کی تمام قوم خوب ذلیل و رسوا ہو کر واپس ہوئی۔

(مظہری ۴۴۲ / ۳)

جادوگروں کا ایمان لانا

۱۲۰-۱۲۲۔ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ○ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ○

اور جادوگر سجدے میں گر گئے (اور) کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون کا رب ہے۔

تشریح: جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی ان کے سحر عظیم کو یک لخت نگل گئی تو کہنے لگے کہ یہ سحر نہیں کیونکہ سحر سحر پر غلبہ پاسکتا ہے مگر سحر کو نیست و نابود نہیں کر سکتا۔ اگر حضرت موسیٰ کی لاٹھی جادو کی لاٹھی ہوتی تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں تو اصلی حالت پر باقی رہتیں۔ لاٹھیوں اور رسیوں کا غائب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے اور حضرت موسیٰ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ اگر حضرت موسیٰ نبی نہ ہوتے تو کبھی ہم پر غالب آہی نہیں سکتے تھے۔ پھر تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا رب ہے اور جس نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ جادوگروں نے رب العالمین کے ساتھ رب موسیٰ و ہارون کا لفظ اس لئے بڑھایا تاکہ فرعون کی قوم میں سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ انہوں نے یہ سجدہ فرعون کو کیا ہے کیونکہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ (مظہری ۴۴۲/۳)

فرعون کی سراسیمگی

۱۲۳، ۱۲۴۔ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○

فرعون نے کہا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی (حضرت) موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ بیشک یہ تو مکر ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے۔ تاکہ تم اس شہر کے

رہنے والوں کو یہاں سے نکال دو، سو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میں
تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر میں تم
سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

اٰذَنَ: میں حکم دوں۔ میں اجازت دوں۔ اِیْذَانٌ سے ماضی۔

لَمَكْرٌ: البتہ مکر کرنا۔ البتہ۔ تدبیر کرنا۔ البتہ حیلہ کرنا۔

اُصَلِّبَنَّكُمْ: میں تم کو ضرور سولی پر چڑھاؤں گا۔ تَصْلِیْبٌ سے مضارع۔

تشریح: فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں کے مشورہ سے جن جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے پورے ملک سے جمع کیا تھا وہ نہ صرف مقابلے میں ہار گئے بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی لے آئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جادوگروں کو ایمان لاتے دیکھ کر فرعون کی قوم کے لاکھوں افراد حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک بڑی طاقت فرعون کے مقابلے پر آ گئی۔

اس وقت فرعون نے اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے ایک چالاک و ہوشیار سیاستدان کی طرح پہلے تو ان کو ڈانٹا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے۔ پھر یہ الزام لگایا کہ تم نے مقابلے پر آنے سے پہلے ہی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مل کر ملک و قوم کے خلاف سازش کر رکھی تھی تاکہ حکومت پر غلبہ پاکر اہل وطن کو ملک سے نکال باہر کیا جائے۔ یقیناً یہ تم سب کا استاد ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ تمہیں بہت جلد اپنی سازش کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ کر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ تمہاری لاشیں درختوں کی ٹہنیوں سے بندھی اور لٹکی رہیں گی۔ فرعون کی ظالمانہ سزائیں پہلے ہی مشہور تھیں اور لوگ پہلے ہی ان سے لرزہ براندام رہتے تھے۔

(معارف القرآن ۳۴،۳۵ / ۴، ابن کثیر ۲۳۸ / ۲)

جادوگروں کی استقامت

۱۲۵،۱۲۶۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا
بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا

مُسْلِمِیْنَ ○

انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔ اور تو ہم سے اسی لئے انتقام لیتا ہے کہ ہم اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لے آئے ۔ جب وہ ہمارے پاس آئیں ۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں اسلام کی حالت میں موت دے ۔

تَنْقِمُ: تو انتقام لیتا ہے ۔ تو بدلہ لیتا ہے ۔ تو دشمنی رکھتا ہے ۔ نَقْمٌ سے مضارع ۔

اَفْرِغْ: تو ڈال دے ۔ تو انڈیل دے ۔ اِفْرَاغٌ سے مضارع ۔

تَوَفَّنَا: تو ہم کو وفات دے ۔ تو ہم کو اٹھالے ۔ تُوَفِّیٌ سے امر ۔

تشریح: اسلام و ایمان ایک ایسی زبردست قوت ہے کہ جب وہ کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر انسان اپنی جان و مال سب کچھ قربان کرتے ہوئے ساری دنیا اور اس کے وسائل کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے ۔ اسی لئے یہ جادوگر جو ابھی ذرا دیر پہلے فرعون کو اپنا خدا مانتے تھے کلمہ پڑھتے ہی ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ فرعون کی ساری دھمکیوں کے جواب میں کہنے لگے کہ اب تو ہم اللہ تعالیٰ کے ہو چکے اور اس کی طرف رجوع کر چکے ہیں ۔ آج تو ہمیں جس عذاب کی دھمکی دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا عذاب اس سے زیادہ سخت ہے ۔ آج ہم تیرے عذاب پر صبر کریں گے تو کل اللہ کے عذاب سے نجات پالیں گے ۔ لہٰذا اگر تو ہمیں سولی پر چڑھائے گا تو ہم اپنے رب کے پاس چلے جائیں گے جہاں ہمیں ہر طرح کی راحت ملے گی ۔ وہاں کی زندگی دنیا کی زندگی سے بہت بہتر ہے ۔ تو جس زندگی پر فریفتہ ہے، ایمان لانے کے بعد ہماری نظر میں اس دنیاوی زندگی کی کوئی حقیقت و اہمیت نہیں لہٰذا جو کچھ تجھ سے ہو سکے وہ کر گزر، ہم مرنے سے نہیں ڈرتے ۔ پھر قیامت کے روز تجھ کو بھی اور ہم سب کو بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا انتقام لے گا اور تجھے بھی اپنے ظلم اور بداعمالیوں کا نتیجہ مل جائے گا ۔

پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے رب! تو اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کے لئے اور فرعون کے عذاب سے نہ ڈرنے کے لئے ہمیں کامل صبر و استقامت عطا فرما اور اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں ہمیں دنیا سے اسلام کی حالت میں اٹھا ۔

(معارف القرآن ۳۶،۳۵ / ۴، ابن کثیر ۲۳۹ / ۲)

سرداروں کا اضطراب

۱۲۷۔ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا
فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ
وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا تو (حضرت) موسیٰ اور ان کی قوم کو یونہی چھوڑ دے گا کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو ترک کئے رہیں۔ فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم ان پر (پوری طرح) غالب ہیں۔

اَتَذَرُ: کیا تو چھوڑ دے گا۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

نَسْتَحْيٖ: ہم زندہ چھوڑیں گے۔ اِسْتِحْيَاءٌ سے مضارع۔

قٰهِرُوْنَ: غالب ہونے والے۔ زبردست۔ قَهْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے اور جادوگر سجدے میں گر پڑے تو عام قبطیوں کا میلان بھی ان کی طرف ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے سردار گھبرا گئے۔ اسی لئے فرعون نے حضرتِ موسیٰ سے کوئی تعرض نہ کیا اور نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچائی، نہ قتل کیا اور نہ قید کیا۔ اس وقت فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے پوچھا کہ کیا تو حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو زمین پر فساد برپا کرنے اور لوگوں کو تیری مخالفت اور بغاوت پر آمادہ کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دے گا۔ ان کے جواب میں فرعون نے کہا کہ میرے نزدیک حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کا معاملہ کچھ زیادہ اہم نہیں۔ ان میں جو لڑکا پیدا ہو گا، ہم اس کو قتل کر دیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے، جس کے نتیجہ میں تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کی قوم مردوں سے خالی ہو جائے گی اور ان کے ہاں صرف عورتیں رہ جائیں گی، جو ہماری کنیزیں بن کر ہماری خدمت کریں گی اور ہم تو ان سب پر پوری قدرت رکھتے ہیں، جو چاہیں کریں۔ یہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتے۔

فرعون بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کے لئے ان کے لڑکوں کو قتل کرنے کا اعلان حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے بھی کر چکا تھا۔ پھر یہی نہیں بلکہ وہ اپنے اس اعلان پر عمل درآمد کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے ہزاروں لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل بھی کروا چکا تھا۔ لیکن جن کی پیدائش کو روکنے کے لئے اس نے یہ ظلم برپا کیا تھا وہ مشیت و مرضیٔ الٰہی سے نہ صرف پیدا ہوئے بلکہ اسی کے گھر میں پلے بڑھے اور جس چیز کا اس کو اندیشہ تھا اس سے دوچار بھی ہونا پڑا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۹۸، ۹۹ / ۳)

دشمن پر غلبہ پانے کا نسخہ اکسیر

۱۲۸، ۱۲۹۔ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۗ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○

(حضرت) موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ بیشک زمین اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے مالک بنا دیتا ہے اور آخر میں کامیابی تو پرہیزگاروں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو آپ سے پہلے بھی تکلیفیں دی گئیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ تمہارا رب جلد ہی تمہارے دشمن کو ہلاک اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دے گا۔ پھر وہ تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔

يُوْرِثُهَا: وہ اس کا وارث کرتا ہے۔ وہ اس کا مالک بناتا ہے۔ اِیْرَاثٌ سے مضارع۔

اُوْذِيْنَا: ہم کو ایذا دی گئی۔ ہم کو تکلیف دی گئی۔ اِیْذَاءٌ سے ماضی مجہول۔

عَسٰى: عنقریب، جلد، امید ہے۔ یہ فعل مقاربہ ہے۔

يَسْتَخْلِفَكُمْ: وہ تم کو خلیفہ بناتا ہے۔ وہ تم کو جانشین بناتا ہے۔ اِسْتِخْلَافٌ سے مضارع ہے۔

تشریح: اس آیت میں اگرچہ بنی اسرائیل کو خطاب ہے مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے اس میں

ہر زمانے کے حکمرانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ حقیقی حکومت و سلطنت تو اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے ۔ وہ انسانوں میں سے جس کو چاہتا ہے خلیفہ کے طور پر اپنی حکومت دے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس سے چھین لیتا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

تُوْءتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۔ (آل عمران آیت ۲۶)

تو جس کو چاہتا ہے سلطنت عطا فرما دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے ۔

جس کو زمین پر حکومت عطا کی جاتی ہے تو وہ حقیقت میں اس فرد یا جماعت کا امتحان ہوتا ہے جس کو حکومت دی جاتی ہے، تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ وہ فرد یا جماعت حکومت حاصل ہونے کے بعد کس حد تک عدل و انصاف قائم کرتی ہے اور کہاں تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی ہے ۔

جب بنی اسرائیل کو فرعون کے عزائم کا پتہ چلا تو وہ گھبرا گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جس عذاب میں مبتلا تھے، پھر اسی میں گرفتار ہونے والے ہیں ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے ان کی گھبراہٹ اور پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے پیغمبرانہ شفقت و حکمت کے مطابق اس آزمائش سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کو دو چیزوں کی تلقین فرمائی:

۱۔ دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ۔

۲۔ مقصد میں کامیابی حاصل ہونے تک صبر و ہمت سے کام لینا ۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے اس نسخہ پر عمل کیا تو یہ ملک تمہارا ہو جائے گا، کیونکہ حقیقت میں تو اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے اور یہ بات بھی طے ہے کہ آخر کار پرہیزگار ہی کامیاب ہوتے ہیں ۔ لہذا تم بھی پرہیزگاری اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد و اعانت طلب کرو اور صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھو ۔ پھر تم ہی ملک مصر کے مالک بن جاؤ گے، اس لئے کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جائے تو ساری کائنات جو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہے، اس کی مدد پر کمربستہ ہو جاتی ہے ۔

(معارف القرآن ۴۱، ۴۲ / ۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جو خوش خبری سنائی تھی وہ اس کو نہ سمجھے اور

کہنے لگے کہ اب ہم میں صبر کی طاقت نہیں۔ آپ کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے ہم پر بہت ظلم ڈھا رکھا تھا۔ اب آپ کے آنے کے بعد بھی ہمیں دوبارہ وہی اذیت دی جائے گی اور وہ پھر ہمارے نومولود لڑکوں کو قتل کرے گا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دے گا۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کی باتیں سن کر ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کرنے والا ہے۔ پھر ان کی جگہ وہ تمہیں اس سرزمین مصر کا مالک بنا دے گا اور دیکھے گا کہ تم کس طرح اس کا نظام چلاتے ہو۔

آلِ فرعون کی آزمائش

۱۳۰، ۱۳۱۔ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ج وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ط اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اور ہم نے آلِ فرعون کو برسوں کی قحط سالی اور پھلوں کی کمی کے عذاب میں گرفتار کر دیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ پھر جب کبھی ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے ہی لئے ہے اور اگر کوئی بدحالی پیش آجاتی تو اس کو (حضرت) موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے۔ آگاہ ہو جاؤ! ان کی نحوست تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

سَيِّئَةٌ: برائی۔ گناہ۔ بدحالی۔

يَطَّيَّرُوْا: وہ منحوس سمجھتے ہیں۔ وہ بدشگونی کرتے ہیں۔ تَطَيُّرٌ سے مضارع۔

تشریح: جب جادوگر ایمان لے آئے اور فرعون اور اس کے ساتھی شکست کھا کر واپس چلے گئے، کفر و شرک سے باز نہ آئے اور حضرت موسیٰ کی اطاعت سے انحراف کرتے رہے تو آخری ہلاکت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے لئے وقفہ وقفہ سے ان کو اپنی قدرت کی سات نشانیاں دکھائیں۔ یہاں ان میں سے دو نشانیوں کا بیان ہے: (۱) قحط سالی، (۲) پھلوں کی پیداوار میں کمی۔

سب سے پہلے قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی کر کے ان کو آزمایا گیا۔ آسمان سے

بارش کا برسنا بند کر دیا گیا اور مختلف ارضی و سماوی آفتوں اور ہلاکتوں کے ذریعے پھلوں کی پیداوار کو کم کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ کھجور کے درختوں میں سے بعض میں کھجور کا صرف ایک ہی دانہ لگتا۔ کھیتوں اور باغوں کی یہ تباہی و بربادی ان کو متنبہ کرنے کے لئے تھی کہ شاید وہ سمجھ جائیں کہ یہ قحط سالیاں اور پھلوں کی بربادیاں ان کے کفر و معصیت کی وجہ سے آئی ہیں اور شاید وہ اپنی سرکشی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ مگر ان کے دل تو اور بھی سخت ہو گئے۔ جب ان کو خوشحالی و فراغت حاصل ہوتی تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کو اپنی خوش بختی و خوش تدبیری کا نتیجہ قرار دیتے اور جب کوئی برائی بدبختی جیسے قحط و بیماری وغیرہ تو اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے۔ حالانکہ وہ ان کی اپنی سرکشی و بغاوت کی نحوست ہے۔ حضرت موسیٰ کا اس میں کچھ دخل نہیں کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ان کی طرف نحوست کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۲ / ۳، مظہری ۴۴۵ / ۳)

فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی

۱۳۲، ۱۳۳۔ وَقَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○

اور (فرعون کے لوگ) کہنے لگے کہ (اے موسیٰ!) تو ہم پر جادو کرنے کے لئے کچھ بھی نشانی ہمارے پاس لے آ، ہم پھر بھی تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر ہم نے کھلی کھلی نشانیاں بنا کر ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (کا عذاب) بھیجا۔ پھر بھی وہ تکبری کرتے رہے اور وہ تو تھے ہی مجرم لوگ۔

مَهْمَا: جو کچھ، جب کبھی، کلمہ شرط ہے۔ مضارع کو جزم دیتا ہے۔

الْجَرَادَ: ٹڈیاں۔ اسم جنس ہے۔ واحد جَرَادَةٌ۔

اَلْقُمَّلَ : غلے کو کھانے والا کیڑا۔ سرخ پر والا کیڑا۔ گھن کا کیڑا۔ واحد قُمَّلَۃٌ، قمل اس جوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے بالوں اور کپڑوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو غلہ میں لگ جاتا ہے اور جسے گھن کہتے ہیں۔

اَلضَّفَادِعَ : مینڈک واحد ضِفْدِعٌ و ضِفْدَعَۃٌ۔

اَلدَّ مَ : لہو، خون، جمع دِمَاءٌ۔

مُفَصَّلٰتٍ : جدا جدا۔ کھلی ہوئی۔ واضح۔

تشریح: پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ قوم فرعون کے لوگ اپنی سرکشی اور کفر و عناد کی بنا پر کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت و رسالت کی خواہ کتنی ہی دلیلیں اور معجزے پیش کر دیں، ہم پر ان کا جادو نہیں چل سکتا اور ہم نہ تو ان پر ایمان لائیں گے اور نہ ان کے معجزوں کو مانیں گے۔ قحط سالی اور پھلوں میں کمی سے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی دو نشانیاں اس سے پہلے ایک سو تیسویں آیت میں بیان ہو چکیں، یہاں دوسری آیت میں مزید پانچ معجزوں اور نشانیوں کا ذکر ہے جن کو یہاں آیات مفصّلٰت کہا گیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق آیات مفصّلٰت کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک عذاب ایک مقررہ وقت تک رہا، پھر موقوف ہو گیا اور ان کو کچھ مہلت دی گئی۔ اس کے بعد دوسرا عذاب، پھر اسی طرح کچھ مہلت کے بعد تیسرا عذاب اور پھر چوتھا اور پانچواں عذاب علیحدہ علیحدہ آیا۔

ابن منذر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ قوم فرعون پر ان میں سے ہر ایک عذاب سات روز تک مسلط رہتا تھا۔ ہفتہ کے دن شروع ہو کر دوسرے ہفتہ کے دن ختم ہوتا تھا۔ پھر ان کو تین ہفتہ کی مہلت دی جاتی تھی۔ (معارف القرآن ۴۶، ۴۷ / ۴)

حضرت موسیٰؑ کی دعاء

بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ، قتادہؓ، سعید بن جبیرؓ اور محمد بن اسحاقؒ کی روایتوں سے بیان کیا کہ قوم فرعون پر جب پہلی مرتبہ قحط سالی کا عذاب مسلط ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے رفع ہو گیا مگر فرعون اور اس کی قوم کے لوگ پھر بھی اپنی سرکشی سے باز نہ آئے۔ اس لئے

حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اے میرے پروردگار! زمین پر تیرا بندہ فرعون مغرور و سرکش ہو گیا اور حد سے آگے نکل گیا، قحط سالی سے اس نے سبق حاصل نہیں کیا، اس کی قوم نے بھی تیرے عہد کو توڑ دیا۔ اب تو ان کو ایسے عذاب میں گرفتار کر دے جو ان کے لئے دردناک سزا ہو، میری قوم کے لئے نصیحت اور آنے والے لوگوں کے لئے نشان عبرت ہو۔ (مظہری ۴۴۶ / ۳)

۳۔ پانی کے طوفان کا عذاب

چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم فرعون پر بارش کا طوفان آگیا جو شدید تاریکی کے ساتھ آٹھ دن تک رہا، کسی کو اپنے گھر سے نکلنے کی قدرت نہ تھی۔ قوم فرعون کے تمام گھروں اور زمینوں کو پانی کے طوفان نے گھیر لیا۔ نہ کہیں بیٹھنے کی جگہ رہی، نہ لیٹنے کی اور نہ زمین میں کاشت کرنے کی، فرعون والوں کے تمام گھروں میں پانی بھر گیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل اور قوم فرعون کے گھر باہم مخلوط اور ایک دوسرے سے متصل ہونے کے باوجود، بنی اسرائیل کے مکانوں اور زمینوں میں طوفان کے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا جبکہ قوم فرعون کے تمام گھر اور زمینیں اس طوفانی پانی سے لبریز تھیں۔ یہ طوفان سنیچر سے شروع ہو کر سات روز تک رہا۔

آخر قبطیوں نے گھبرا کر حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ وہ اس عذاب کو ہم سے دور فرمادے۔ اگر یہ عذاب دور ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون سے طوفان کو دور کر دیا اور ان کی کھیتیاں بھی ایسی ہری بھری کر دیں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔ تمام ملک سرسبز ہو گیا۔ یہ دیکھ کر قبطی کہنے لگے کہ یہ پانی تو ہمارے لئے نعمت ثابت ہوا۔ یہ ہرگز عذاب نہ تھا اور نہ ہی حضرت موسیٰؑ کو نہ ماننے کا نتیجہ تھا۔ غرض وہ ایمان نہ لائے۔
(مظہری ۴۴۶، ۴۴۷ / ۳، روح المعانی ۳۴ / ۹)

۴۔ ٹڈی دَل کا عذاب

پانی کا عذاب دور ہونے کے بعد فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں نے عہد شکنی کی اور ایمان نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کے لئے ان کو ایک مہینہ کی مہلت دی۔ جب ایک مہینہ امن و عافیت سے گزر گیا اور وہ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی دل بھیج دیا جس نے قبطیوں کے تمام کھیت، پھل، درختوں کے پتے، سبزیاں، ترکاریاں اور گھاس کھالی، یہاں تک کہ مکانوں کی چھتوں کی لکڑیاں، تختے، گھر کا سامان، لکڑی کے کواڑ اور ان میں لگی ہوئی لوہے کی کیلیں بھی چٹ کر گئیں۔ یہ مصیبت صرف قبطیوں پر پڑی، بنی اسرائیل اس سے بالکل محفوظ رہے۔

قوم فرعون پھر چیخ پڑی اور مضبوط عہد و پیماں کے ساتھ پہلے کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرنے لگی کہ آپ اپنے رب سے دعا کر کے اس مصیبت کو دور کر دیجئے۔ ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگل کی طرف نکل گئے جہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی لاٹھی سے مشرق و مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ پس فوراً ہی ٹڈی دل جس طرف سے آیا تھا اسی طرف واپس چلا گیا۔

یہ عذاب بھی سنیچر تک رہا۔ آخر حضرت موسیٰ کی دعا سے عذاب دور ہو گیا۔ کچھ کھیتیاں اور غلہ وغیرہ اس عذاب سے بچ گیا تھا، کیونکہ یہ عذاب تکمیل سے پہلے ہی حضرت موسیٰ کی دعا سے ٹل گیا تھا۔ عذاب دور ہو جانے کے بعد فرعون کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ابھی ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ ہم سال بھر کھا سکتے ہیں، لہٰذا ہم اپنے مذہب کو نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ انہوں نے عہد شکنی کی، نہ ایمان لائے اور نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا، بلکہ اپنی بداعمالیوں پر بدستور قائم رہے۔ (مظہری، ۴۴/ ۳، روح المعانی ۳۴/ ۹)

۵۔ غلے کے گھُن یا جُوؤں کا عذاب

ٹڈی دل کے عذاب کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ایک مہینہ کی مہلت دی، تاکہ وہ اپنے معاملے میں خوب غور و فکر کر لیں اور راہِ راست پر آجائیں مگر وہ بدبخت اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور ایمان نہ لائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر غلہ کے گھن یا

جوؤں کا عذاب مسلط کر دیا۔ ممکن ہے یہ عذاب دونوں قسم کے کیڑوں پر مشتمل ہو کہ غلہ میں گھن لگ گیا ہو اور انسانوں کے بدن اور کپڑوں میں جوؤں کا طوفان امڈ آیا ہو۔ واللہ اعلم۔

اس گھن نے غلہ کا یہ حال کر دیا تھا کہ اگر پیسنے کے لئے دس سیر گیہوں نکالیں تو اس میں سے تین سیر آٹا بھی نہ نکلتا تھا جبکہ جوؤں نے قبطیوں کے بال، پلکیں اور بھویں تک کھالیں۔ یہ کیڑے کپڑوں کے اندر گھس کر بدن کو کاٹتے تھے اور جب وہ لوگ کھانا کھاتے تو یہ کیڑے کھانے میں بھر جاتے تھے۔ غرض ان کا کھانا، پینا اور سونا دوبھر ہو گیا۔ یہاں تک کہ قبطی چیخ پڑے اور فریاد لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں۔ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ یہ مصیبت دور کر دے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے قمل کا عذاب دور کر دیا۔ یہ عذاب بھی سنیچر سے سنیچر تک رہا۔

(مظہری ۴۴۸ / ۳، روح المعانی ۳۴ / ۹)

۶۔ مینڈک کا عذاب

جن بدنصیبوں کی تقدیر میں ہلاکت و بربادی ہی لکھی تھی وہ کہاں عہد کو پورا کرنے والے تھے۔ چنانچہ مہلت ملتے ہی سب کچھ بھول گئے اور اپنے عہد سے منکر ہو گئے اور حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے کہ اب ہمیں یہ تحقیق ہو گئی کہ آپ بلاشبہ ایک جادوگر ہیں۔

پھر مزید غور و فکر کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک ماہ کی اور مہلت دی کہ شاید وہ راہِ راست پر آجائیں۔ جب ان بختوں نے اس مہلت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کا عذاب مسلط کر دیا۔ ان کے گھروں میں اس کثرت سے مینڈک پیدا ہو گئے کہ وہ جہاں بیٹھتے تو ان کی گردنوں تک مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا تھا۔ ان کے آنگن، ان کے کھانے اور برتن مینڈکوں سے بھر جاتے۔ جب وہ بولنے کے لئے اپنے لب کھولتے تو مینڈک کود کر ان کے منہ میں چلا جاتا۔ مینڈک کود کود کر ان کے چولھوں اور ہانڈیوں میں جا گرتے، کھانا برباد کر دیتے اور آگ بجھا دیتے۔ آدمی سونے کے لئے لیٹتا تو مینڈک اتنی تعداد میں اس پر چڑھ جاتے کہ وہ کروٹ بھی نہ لے سکتا۔ کھانا کھانے کے لئے منہ کھولتا تو لقمہ سے پہلے مینڈک کود کر اس کے منہ میں چلا جاتا۔ آٹا گوندھا جاتا تو بے شمار مینڈک اس میں کچلے جاتے۔ غرض قبطیوں کا

جینا محال ہو گیا۔

آخر عاجز آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اس دفعہ ہم پختہ توبہ کرتے ہیں، دوبارہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پختہ عہد و پیماں لے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو بھی ان سے دور کر دیا۔ اس عذاب میں بھی وہ سات دن تک مبتلا رہے۔ (مظہری ۴۴۸ / ۳، روح المعانی ۳۵ / ۹)

۷۔ خون کا عذاب

مینڈک کا عذاب دور ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم فرعون کو پھر ایک ماہ کی مہلت ملی تاکہ وہ اپنے حال اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر کر کے، اپنی ہٹ دھرمی اور سرکشی ترک کر دیں اور ایمان لے آئیں، مگر حسبِ سابق انہوں نے اس دفعہ بھی عہد شکنی کی اور کفر کی طرف لوٹ گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب مسلط کر دیا۔ ان کے لئے دریائے نیل خون ہو گیا۔ کنویں اور نہریں اور حوض سب خون بن گئے۔ وہ جہاں سے بھی پانی لیتے وہ تازہ خون ہوتا تھا۔

قبطیوں نے فرعون سے شکایت کی تو اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ نے تم پر جادو کر دیا ہے لوگوں نے کہا کہ یہ جادو نہیں ہے۔ ہم تو اپنی آنکھوں سے پانی کے بجائے خون دیکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل اس عذاب سے بھی مامون و محفوظ رہے، یہاں تک کہ جب بنی اسرائیل اور قبطی ایک ہی برتن میں آمنے سامنے ہو کر پانی پیتے تو قبطی کی طرف کا پانی خون ہو جاتا تھا اور اسرائیلی کی طرف کا پانی، پانی ہی رہتا۔ ایک ہی کنوئیں پر کھڑے ہو کر اسرائیلی اور قبطی دونوں ایک ساتھ پانی کھینچتے تو اسرائیلی کا نکالا ہوا پانی، پانی ہوتا اور قبطی کا نکالا ہوا پانی خون۔ پیاس سے بیتاب ہو کر قبطی عورت اسرائیلی عورت سے پینے کے لئے پانی مانگتی تو اسرائیلی عورت قبطی عورت کے برتن میں پانی ڈال دیتی مگر پانی اس کے برتن میں پہنچ کر فوراً خون ہو جاتا تھا۔ غرض یہ کیفیت سات روز رہی، آخر مجبور ہو کر انہوں نے پہلے کی طرح پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پختہ وعدہ کئے اور درخواست کی کہ آپ اپنے رب سے دعا کر کے عذاب کو دور کرا دیں، ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا سے یہ عذاب بھی

دور کر دیا۔ مگر وہ اپنی سر کشی اور گمراہی پر قائم رہے کیونکہ وہ متکبر اور عادی مجرم تھے۔
(مظہری ۴۴۹ / ۳، روح المعانی ۳۵ / ۹)

اللہ تعالیٰ کا انتقام

۱۳۴، ۱۳۶۔ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝

اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے وسیلے سے دعا کر جو اس نے تجھ سے کر رکھا ہے۔ اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور بھیج دیں گے۔ پھر جب ہم ان سے وہ عذاب ایک مقررہ وقت تک کہ جس تک ان کو پہنچنا تھا، ٹال دیتے تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگتے تھے۔ (آخر کار) ہم نے ان سے انتقام لیا سو ہم نے ان کو اس لئے دریا میں غرق کر دیا کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے تغافل کرتے تھے۔

الرِّجْزَ: نجاست۔ آفت۔ عذاب۔
كَشَفْتَ: تو نے کھولا، تو نے دور کیا۔ کَشْفٌ سے ماضی۔
يَنْكُثُوْنَ: وہ (عہد کو) توڑتے ہیں۔ نَكْثٌ سے مضارع۔
الْيَمّ: دریا۔ سمندر، گہرا پانی، جمع يُمُوْمٌ۔
تشریح: جب بھی قوم فرعون پر کوئی عذاب آتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر ان سے دعا کی درخواست کرتے اور پختہ عہد کرتے کہ اگر یہ عذاب دور ہو گیا تو وہ ضرور ان پر ایمان

لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو ان کے ہمراہ کر دیں گے ۔ جب حضرت موسیٰ کی دعاء سے ایک خاص وقت تک کے لئے ان کا عذاب دور ہو جاتا تو فوراً اپنا عہد توڑ لیتے اور پہلے کی طرح سرکشی کرنے لگتے ۔ اتنے عذاب اور نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی جب فرعون اور اس کی قوم کے لوگ اپنی سرکشی اور بدعہدی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت و بربادی اور ان کے لئے ابدی عذاب کا ارادہ کر لیا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر کنعان کی طرف روانہ ہو گئے ۔ راستہ میں بحر قلزم حائل ہوا ۔ جب بنی اسرائیل سمندر کے کنارے پہنچے تو فرعون اور اس کا لشکر بھی ان کا تعاقب کرتے ہوئے سمندر تک پہنچ گئے ۔ اب پیچھے فرعون اور اس کا لشکر اور آگے سمندر ۔ بنی اسرائیل نہ آگے جا سکتے تھے اور نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے ۔ سخت پریشانی کا عالم تھا ۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا ۔ جونہی حضرت موسیٰ نے سمندر کی سطح پر لاٹھی ماری تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے سمندر کو شق کر کے اس میں خشک راستہ بنا دیا ، جس میں سے گزر کر بنی اسرائیل سمندر سے پار ہو گئے ۔ سمندر میں خشک راستہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر والے بھی بنی اسرائیل کا پیچھا کرتے ہوئے اس میں داخل ہو گئے ۔ جب فرعون اور اس کا تمام لشکر پانی میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی مل کر اپنی پہلی حالت پر آگیا اور بنی اسرائیل کے لئے جو خشک راستہ بنا تھا وہ ختم ہو گیا ۔ اس کے نتیجہ میں فرعون اور اس کے لشکر والے سب سمندر میں غرق ہو گئے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے اور ان سے غفلت کا نتیجہ تھا ۔ ادھر بنی اسرائیل سمندر کے دوسرے کنارے پر خائف اور ہراساں کھڑے ہوئے ، اتنے بڑے ظالم و جابر دشمن کی انتہائی ذلت و رسوائی اور بے بسی کی موت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے ۔

بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنانا

۱۳۷۔ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ

يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ○

اور ہم نے اس قوم کو جو کمزور خیال کی جاتی تھی، مشرق سے مغرب تک اس سرزمین (شام) کا وارث بنا دیا، جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور تیرے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کے سبب پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی سب بلند عمارتیں منہدم کر دیں۔

يُسْتَضْعَفُوْنَ: وہ ضعیف کئے جاتے ہیں۔ وہ کمزور کئے جاتے ہیں۔ اِسْتِضْعَافٌ سے مضارع مجہول۔

دَمَّرْنَا: ہم نے تباہ کر ڈالا۔ ہم نے اکھاڑ ڈالا۔ تَدْمِيْرٌ سے ماضی۔

يَعْرِشُوْنَ: وہ چھت بناتے ہیں۔ وہ اونچا بناتے ہیں۔ عَرْشٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو، جو متکبر اور سرکش فرعون اور اس کی قوم کی نگاہ میں کمزور و ناتواں سمجھے جاتے تھے، برکت والی زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا۔ بظاہر اس برکت والی سرزمین سے مصر کی سرزمین مراد ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے سرزمین شام کے مشرقی اور مغربی حصے مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو ان کے تمام ملک و مال کا وارث بنا دیا اور اپنا وہ اچھا وعدہ جو بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا پورا کر دیا، کیونکہ انہوں نے شدتوں اور مصیبتوں پر صبر کیا تھا اور ان پر ثابت قدم رہے تھے۔

اچھے وعدے سے مراد یا تو وہ وعدہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا تھا کہ:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ

قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں ان کی سرزمین کا مالک بنا دے۔

یا وہ وعدہ مراد ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا

يَحْذَرُوْنَ ۝ (القصص - آیات ۵،۶)

اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اس قوم پر احسان کریں جس کو اس ملک میں کمزور و ذلیل سمجھا گیا اور ہم ان کو امام اور سردار بنا دیں اور انہی کو اس زمین کا وارث بنا دیں اور انہی کو اس زمین پر تصرف کرنے کا حق دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز واقع کر کے دکھا دیں جس کے ڈر سے وہ (حضرت موسیٰ کے خلاف) طرح طرح کی تدبیریں کر رہے تھے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ان سب چیزوں کو جو فرعون اور اس کی قوم بنایا کرتی تھی، تباہ برباد کر دیا۔ فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی چیزوں میں ان کے مکانات اور بلند عمارتیں، ان کا گھریلو سامان، بلند درخت، انگور کی وہ بیلیں جو چھتوں پر چڑھائی جاتی ہیں اور وہ مختلف تدبیریں شامل ہیں جو وہ حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لئے کیا کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کی جہالت و سرکشی

۱۳۸-۱۴۰- وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتار دیا سو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں کو پوجنے میں لگی ہوئی تھی۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود بنا دے جیسے کہ ان کے معبود ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ واقعی تم بڑی جاہل قوم ہو۔ بیشک یہ لوگ (بت پرست) جس دین میں ہیں وہ تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کرتے ہیں وہ سب باطل ہے۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

جٰوَزْنَا: ہم نے پار اتارا۔ مُجَاوَزَۃٌ سے ماضی۔
یَعْکُفُوْنَ: وہ جمے بیٹھے ہیں۔ وہ لگے بیٹھے ہیں۔ عُکُوْفٌ سے مضارع۔
اَصْنَامٍ: بت، مورت، واحد صَنَمٌ۔
مُتَبَّرٌ: ہلاک کیا ہوا۔ تباہ برباد۔ تَتْبِیْرٌ سے اسم مفعول۔

ربط: یہاں تک فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت و تباہی کا ذکر تھا۔ یہاں بنی اسرائیل کی جہالت و کجروی کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں کے مشاہدے کے باوجود ان لوگوں سے سرزد ہوئی۔

تشریح: قوم فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل آگے بڑھے تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو مختلف بتوں کی پرستش میں مبتلا تھی۔ انہیں مختلف بتوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ جس طرح ان لوگوں کے بہت سارے معبود ہیں، آپ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی مجسم معبود بنا دیجئے تاکہ ہم بھی ایک محسوس چیز کو سامنے رکھ کر عبادت کیا کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو سامنے نہیں ہے۔ بنی اسرائیل مدت تک مصر کے بت پرستوں کے ساتھ رہے تھے۔ ان کی بری صحبت کے اثر ہی سے ان کو یہ جاہلانہ خیال آیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم تو نرے جاہل ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی، نہ اس کی عبادت کے وقت کسی محسوس اور مجسم شئے کو سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ یہ سب مشرکانہ اور جاہلانہ خیالات ہیں۔ جن لوگوں کے طریقے کو تم نے پسند کیا ہے ان کے سب اعمال ضائع و برباد ہیں۔ یہ باطل کی پیروی کرتے ہیں۔ تمہیں ان کی حرص نہیں کرنی چاہئے۔ کیا میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنا دوں، حالانکہ اسی نے تمہیں اہلِ جہان پر فضیلت دی ہے اور اسی نے تمہیں انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ پس ایسے محسن معبود کو چھوڑ کر دوسرا معبود تلاش کرنا حماقت ہے۔

اس آیت میں عالمین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے لوگ مراد ہیں کیونکہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہی سب سے افضل و اعلیٰ تھے۔

(معارف القرآن ۵۵،۵۴ / ۴)

بنی اسرائیل کو سابقہ دور کی یاددہانی

۱۴۱۔ وَاِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۠

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی، جو تمہیں بری طرح عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

تشریح: اس آیت میں بنی اسرائیل کو ان کے سابقہ دور کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ جب تم فرعون کے ہاتھوں ایسے مجبور و بے بس تھے کہ وہ تمہارے لڑکوں کو قتل کر دیا کرتا تھا اور تمہاری لڑکیوں کو اپنی اور اپنی قوم کی خدمت کے لئے زندہ رکھتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی دعا، کی برکت سے تمہیں اس ذلت و رسوائی سے نجات دی، تمہارے دشمنوں کو تمہارے سامنے ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا اور پھر تمہیں ان کے ملک و مال کا مالک بنا دیا۔ کیا ایسے عظیم احسانات کے بعد بھی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر لکڑیوں اور پتھروں کو معبود بناتے ہو؟ یہ نہایت بدنصیبی کی بات ہے۔ پس تم اس سے توبہ کرو۔

اللہ سے ہمکلامی کا چِلّہ

۱۴۲۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ۠

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ ٹھہرایا اور ہم نے اس کو دس ملا کر پورا کر دیا سو اس کے رب کی (مقرر کی ہوئی) مدت پوری چالیس راتیں ہو گئی (اور کوہِ طور پر جاتے وقت حضرت) موسیٰ نے اپنے بھائی

(حضرت) ہارونؑ سے کہا کہ میری قوم میں میریؑ قائم مقامی کرتے رہنا اور
اصلاح کرتے رہنااور مفسدوں کے راستہ پر نہ چلنا۔

تشریح: اس آیت میں بنی اسرائیل کا وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے جو فرعون کے غرق ہونے کے بعد پیش آیا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اب ہمیں اطمینان حاصل ہو گیا ہے۔ اگر اب ہمیں کوئی کتاب اور شریعت ملی تو اطمینان و سکون کے ساتھ اس پر عمل کریں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر اپنا کلام نازل کرنے کا وعدہ اس شرط کے ساتھ فرمایا کہ وہ تیس راتیں کوہِ طور پر ذکر اللہ میں گزار دیں۔ بعد میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اس مدت کو چالیس کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی قوم سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ تیس روز کے لئے جارہا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے قیام کی مدت میں دس روز کا اضافہ کر دیا تو حضرت موسیٰؑ کا انتظار کرنے کی بجائے اپنی جلد بازی کے سبب یہ کہنے لگے کہ حضرت موسیٰؑ تو کہیں گم ہوگئے، لہٰذا اب ہمیں کوئی دوسرا پیشوا بنالینا چاہیئے۔

اسی جلد بازی اور بے صبرے پن کے نتیجہ میں وہ سامری کے دام فریب میں پھنس کر گؤ سالہ کو پوجنے لگ گئے۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر جاتے وقت اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو اپنا قائم مقام مقرر کر گئے تھے اور جاتے وقت ان کو تاکید کی تھی کہ میرے بعد جب قوم میں فساد کی کوئی بات محسوس کرو تو اس وقت ان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا اور مفسدین کی مدد یا ہمت افزائی کا کوئی کام نہ کرنا۔

چنانچہ جب حضرت ہارونؑ نے قوم کو سامری کے بہکائے میں آکر گؤ سالہ کو پوجتے دیکھا تو ان کو اس بیہودگی سے روکا اور سامری کو نہایت سخت سست کہا۔ ادھر حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور سے واپس آکر یہ خیال کرتے ہوئے حضرت ہارونؑ سے مواخذہ فرمایا کہ ان کی عدم موجودگی میں حضرت ہارونؑ نے اپنے فرض میں کوتاہی کی۔ (معارف القرآن ۵۶ - ۶۰ / ۴)

اللہ سے ہمکلامی

۱۴۳۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ

اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور جب (حضرت) موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو (حضرت) موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! تو مجھے دکھا دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ پھر اگر وہ (پہاڑ) اپنی جگہ قائم رہا تو تم بھی مجھے جلد دیکھ لو گے۔ پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو (تجلی نے) ریزہ ریزہ کر دیا اور (حضرت) موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے، میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔

دَكًّا: پرخچے اڑانا۔ ریزہ ریزہ کرنا۔ مصدر ہے۔

خَرَّ: وہ گر پڑا۔ خَرٌّ و خُرُوْرٌ سے ماضی۔

صَعِقًا: بیہوشی۔ غشی۔ موت۔ یہاں غشی مراد ہے۔

اَفَاقَ: اس کو افاقہ ہوا۔ وہ ہوش میں آیا۔ اِفَاقَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے فرشتہ کے واسطے کے بغیر ان سے باتیں کیں تو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر حضرت موسیٰ کو شوق پیدا ہوا کہ کاش میں اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنا دیدار کرانے کی درخواست کی۔ چونکہ یہ آنکھیں تو جسمانیات میں سے اجسامِ لطیفہ کو بھی نہیں دیکھ سکتیں، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں، جو نہ جسم ہے، نہ کثیف، بلکہ وہ تو سب سے زیادہ لطیف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تو اس دارِ فانی میں ان کمزور اور جسمانی آنکھوں کے ساتھ ہرگز میرے جمالِ بے مثال کی تاب نہیں لاسکے گا (یعنی تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا)، البتہ تمہارے اطمینان کے لئے پہاڑ پر تھوڑی سی تجلی کرتا ہوں۔ پس تم پہاڑ کی طرف نظر کرو جو وجودِ جسمانی میں تم سے کہیں زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔ اگر میری تجلی کے بعد یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو ممکن ہے تم بھی

مجھے دیکھ سکو۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی کی تو پہاڑ کا وہ حصہ جس پر تجلی پڑی تھی، ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ بھی اس منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے اور زمین پر گر پڑے۔ جب ہوش آیا اور حقیقتِ امر منکشف ہوئی تو کہنے لگے کہ اے اللہ تو اس سے پاک ہے کہ دنیا میں کوئی تجھے دیکھ سکے۔ دنیا کی فانی آنکھوں میں یہ طاقت نہیں کہ تیرے دیدار کا تحمل کر سکیں۔ میں نے فرطِ شوق میں یہ درخواست کر دی تھی لیکن آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہوں کہ اس دار فانی میں کبھی ایسا سوال نہیں کروں گا اور میں سب سے پہلے تیری عظمت و جلال اور اس بات پر ایمان لانے والا ہوں کہ قیامت تک اس دار فانی میں کوئی تجھ کو چشم فانی سے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

(حقانی ۴۱۹/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۹، ۱۲۰/ ۳)

حضرت موسیٰ ؑ کا شرف و امتیاز

۱۴۴، ۱۴۵۔ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کے ذریعہ لوگوں پر امتیاز دیا۔ پس جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اس کو لے لو اور شکر گزاری کرتے رہو۔ اور ہم نے (حضرت موسیٰ کے لئے) تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، سو اُن کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کے اچھے احکام پر عمل کریں۔ عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کے گھر دکھاؤں گا (کہ کیسے اجڑے پڑے ہیں)۔

اِصْطَفَيْتُكَ: میں نے تجھ کو امتیاز دیا۔ میں نے تجھ کو منتخب کر لیا۔ اِصْطِفَاءٌ سے ماضی۔

اَلْوَاح: تختیاں۔ واحد لَوْحٌ۔

سَاُورِیۡکُمۡ: بہت جلد میں تم کو دکھاؤں گا۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محرومی کا رنج ہوا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی کے لئے فرمایا کہ اے موسیٰ تمہیں دیدار سے محرومی پر رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ میں نے تمہیں اپنی نبوت و رسالت دے کر اور بلاواسطہ کلام کر کے تمہارے زمانے کے لوگوں پر تمہیں برگزیدگی اور برتری دی ہے اور تمہیں توریت عطا کی۔ کیا یہ شرف و امتیاز کم ہے۔ پس جو کچھ میں نے تمہیں دے دیا اس کا شکر کرو اور جو نہیں دیا اس کا رنج نہ کرو اور جو چیز تمہاری طاقت و برداشت سے باہر ہے اس کا سوال نہ کرو اور رویت کے حاصل نہ ہونے کا افسوس نہ کرو۔ یہ نعمت صرف آخرت کے لئے مخصوص ہے۔

پھر فرمایا کہ ان تختیوں میں نصیحت کی ہر بات اور ہر حکم کی تفصیل لکھ دی گئی ہے، سب حلال و حرام بتا دیا گیا ہے۔ لہذا اس کو طاعت کے عزم صمیم کے ساتھ لے لو اور اپنی قوم کو بھی اس پر اچھی طرح عمل کرنے کا حکم دو۔ بہت جلد ہم آپ کو ان لوگوں کا انجام اور ان کی تباہی و بربادی دکھا دیں گے جو میری طاعت سے گریز کرتے ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۲۱ / ۳، ابن کثیر ۲۴۶ / ۲)

تکبر کی سزا

۱۴۶، ۱۴۷۔ سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ وَ اِنۡ یَّرَوۡا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡا بِہَا ۚ وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الرُّشۡدِ لَا یَتَّخِذُوۡہُ سَبِیۡلًا ۚ وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الۡغَیِّ یَتَّخِذُوۡہُ سَبِیۡلًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا عَنۡہَا غٰفِلِیۡنَ ○ وَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الۡاٰخِرَۃِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ ؕ ہَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اس پر نہ چلیں اور اگر وہ گمراہی کا راستہ

دیکھ لیں تو اس پر چلنے لگیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے۔ وہ اسی کی سزا پائیں گے جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔

سَاَصْرِفُ: بہت جلد میں پھیر دوں گا۔ بہت جلد میں برگشتہ کردوں گا۔ صَرْفٌ سے مضارع۔

الرُّشْدِ: بھلائی۔ ہدایت۔ سیدھی راہ۔

الْغَيِّ: گمراہی۔ عذاب۔ ناکامی۔

لِقَآءَ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

حَبِطَتْ: وہ ناپید ہوگئے۔ وہ ضائع ہوگئے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے تنبیہ فرمائی کہ تم دوسروں کو دیکھ کر نہ بگڑ جانا، بلکہ جہاں تک ہو سکے اپنے ایمان کو قائم رکھنا۔ جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتے اور اتراتے ہیں، میں بہت جلد ان لوگوں کے دلوں کو اپنے احکام سے برگشتہ کردوں گا، کیونکہ ہمارا طریقہ یہی ہے کہ ہم متکبروں کے دلوں پر مُہر کردیتے ہیں تاکہ وہ حق بات کو سمجھ نہ سکیں، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف آیت ۵)

پھر جب وہ ٹیڑھی چال چلے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا بنا دیا۔

تکبر کی وجہ سے وہ عقل و فہم سے اس قدر دور ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ تمام نشانیاں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی ان کا یقین نہ کریں۔ اسی طرح اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اس پر نہیں چلیں گے اس کے برعکس اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو فوراً اختیار کرلیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے غرور و تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ضد و ہٹ دھرمی کی بنا پر ہماری آیتوں سے غفلت برتتے رہے۔ اس لئے سزا کے طور پر ان کے دل حق سے پھیر دئے گئے۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی۔ آخرت کی سزا یہ ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو، آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے اور جزاو سزا کو جھٹلایا تو ان کے وہ سب کام جن پر وہ نفع کی امید لگائے بیٹھے تھے سب برباد ہو جائیں گے۔ آخرت میں ان کو اپنے کرتوتوں کی سزا کے سوا کچھ

حاصل نہ ہو گا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۲۲ / ۳، حقانی ۴۲۱، ۴۲۲ / ۲)

بچھڑے کو پوجنا

۱۴۸، ۱۴۹۔ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

اور (حضرت) موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیور سے ایک بچھڑا بنا لیا جو کہ ایک جسم تھا جس کی گائے جیسی آواز تھی۔ کیا انہوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو رستہ دکھا سکتا ہے۔ اس کو انہوں نے اپنا معبود بنایا اور وہ (بڑے) ظالم تھے۔ اور جب وہ شرمندہ ہوئے اور دیکھا کہ وہ (واقعی) گمراہی میں پڑ گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارے گناہ معاف نہ کرے تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔

حُلِيِّهِمْ: ان کے زیورات۔ ان کے گہنے۔ واحد حُلِيٌّ۔

عِجْلًا: بچھڑا۔ گائے کا بچہ۔ گوسالہ۔

خُوَارٌ: گائے کی آواز۔

سُقِطَ: وہ گرا دیا گیا۔ سُقُوْطٌ سے ماضی مجہول۔

سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ: وہ بہت پچھتائے۔ وہ شرمندہ ہوئے۔

تشریح: ان آیتوں میں پھر اس واقعہ کا بیان ہے جو کوہِ طور پر گزرا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چالیس روز تک رہے۔ اپنی عدم موجودگی میں اپنے بھائی حضرت ہارون کو اپنا قائم مقام بنایا تھا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ ابتدائی طور پر حضرت موسیٰ کو تیس روز کے لئے کوہِ طور پر بلایا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس مدت میں دس روز کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح کل چالیس روز ہو گئے۔

جب تیس روز گزر گئے اور حضرت موسیٰ واپس نہ آئے تو بنی اسرائیل یہ سمجھے کہ حضرت موسیٰ فوت ہو گئے۔ چونکہ مصریوں کی صحبت میں رہ کر ان کے دلوں میں بت پرستی کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی مصریوں کی تقلید میں جو بیل کو پوجا کرتے تھے، اپنے لئے سامری سے سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنوالیا۔ سامری ایک بہت ہوشیار اور ماہر سنار تھا۔ اس نے بنی اسرائیل سے وہ زیورات لے کر، جو انہوں نے مصر سے نکلتے وقت قبطیوں سے عید کے بہانے سے مستعار لئے تھے، ایک بچھڑا ڈھالا اور ان سے کہا کہ تمہارا اور موسیٰ کا یہی خدا ہے۔ حضرت ہارونؑ کے منع کرنے کے باوجود سامری کے کہنے پر لوگوں نے سونے کا بت بنا ہی لیا۔ سورۃ طٰہ میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ (حقانی ۴۲۳ / ۲)

اس بچھڑے کی حقیقت صرف اتنی سی تھی کہ یہ حیوان بھی نہ تھا بلکہ حیوان کے مشابہ ایک بلا روح کا قالب تھا جس میں سے بچھڑے کی مانند آواز نکلتی تھی۔ ان نادانوں نے اسی کو خدا بنا لیا اور سب اس کی پوجا کرنے لگے، ناچتے ہوئے اس کا طواف اور اس کو سجدہ کرنے لگے اور بڑے فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ اس بچھڑے کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حقیقتاً بچھڑا بن گیا تھا، اس کا دھڑ گوشت پوست کے ساتھ اصل گائے کی طرح جاندار بن گیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا جسم تو سونے، چاندی کا تھا لیکن اس میں روح وغیرہ کچھ نہ تھی۔ اس کے منہ میں ہوا کی آمد و رفت سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نادان اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ محض ایک آواز نکالتا ہے۔ نہ وہ ان کی کسی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ کسی معاملے میں ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ نہ وہ ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی قسم کا نفع۔ بچھڑے کو معبود بنا کر انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ نے کوہِ طور سے واپس آکر اس جہالت و حماقت پر ان کو ملامت کی تو عقل و ہوش ٹھکانے آئے اور اپنی گمراہی کا احساس کر کے اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم بڑے خسارے میں رہیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔

(ابن کثیر ۲۴۷ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۲۸،۱۲۹ / ۲)

حضرت موسیٰ ؑ کا غضبناک ہونا

۱۵۰، ۱۵۱۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰىٓ اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا
خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ
وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ
وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ
وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ
○

اور جب (حضرت) موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی۔ تم نے اپنے رب کے حکم سے پہلے کیوں جلد بازی کی اور (حضرت موسیٰ نے) تختیاں (زمین پر) ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اس کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ حضرت ہارونؑ نے کہا کہ اے میرے ماں جائے! ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو مار ڈالیں سو تم مجھ پر دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور نہ مجھے ان ظالموں میں شمار کرو۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کرلے اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اَسِفًا: افسوس کرنا۔ پچھتانا۔ مصدر ہے۔
بِئْسَمَا: برا ہے جو کچھ کہ۔
خَلَفْتُمُوْنِيْ: تم نے میری جانشینی کی۔ خِلَافَۃٌ سے ماضی۔
يَجُرُّهٗ: وہ اس کو گھسیٹتا ہے۔ وہ اس کو کھینچتا ہے۔ جَرٌّ سے مضارع۔
اِسْتَضْعَفُوْنِيْ: انہوں نے مجھ کو کمزور سمجھا۔ اِسْتِضْعَافٌ سے ماضی۔
كَادُوْا: وہ قریب ہوئے۔ كَوْدٌ سے ماضی۔
تُشْمِتْ: تو ہنسائے۔ تو خوش کرے۔ اِشْمَاتٌ سے مضارع۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے توریت لے کر واپس آئے اور قوم کو بچھڑے کی پوجا میں مبتلا دیکھا تو انہوں نے غضبناک ہو کر قوم سے کہا کہ میرے بعد تم نے بچھڑے کی پرستش کر کے نہایت نامعقول کام کیا ہے۔ تم اپنے رب کا حکم آنے کا انتظار تو کر لیتے۔ تم نے جلد بازی کر کے گمراہی اختیار کر لی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے توریت کی وہ تختیاں جو ان کے ہاتھ میں تھیں نیچے رکھ دیں اور اپنے بھائی حضرت ہارون کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹا۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت ہارونؑ نے قوم کو بچھڑے کی پرستش سے روکنے میں کوتاہی کی ہو گی، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَالَ يَا هٰرُوْنُ مَامَنَعَكَ اِذْرَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ۔ اَنْ لَّاتَتَّبِعَنِیْ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ ○ (طٰہٰ ۔ آیات ۔ ۹۲، ۹۳)

اے ہارون جب تم نے ان کو گمراہی اختیار کرتے ہوئے دیکھا تو تمہیں میرے حکم پر چلنے سے کس نے روکا تھا۔ کیا تمہیں میری نافرمانی کی جرأت ہو گئی۔

حضرت ہارونؑ نے جواب میں کہا:

يَاابْنَ اُمَّ لَاتَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ وَلَابِرَاْسِیْ ۔ اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ (طٰہٰ، آیت ۔ ۹۴) ○

اے میرے ماں جائے، میری ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ کر نہ کھینچ۔ مجھے تو خوف تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ میرا انتظار کیوں نہیں کیا۔ اور بنی اسرائیل میں تفرقہ کیوں ڈال دیا۔

ان لوگوں نے تو مجھے کمزور خیال کر کے میری پرواہ نہیں کی اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔ پس تم دشمنوں کو مجھ پر مت ہنساؤ اور مجھے ان ظالموں میں شمار نہ کرو۔ حضرت ہارونؑ کا جواب سن کر حضرت موسیٰؑ کو بھائی کی بے قصوری کا یقین ہو گیا اور انہوں نے حضرت ہارونؑ کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ اے اللہ میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرما دے اور تو ہم دونوں کو اپنی رحمت میں لے لے، کیونکہ تو ہی سب رحم کرنے

والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲۴۸)

بچھڑے کی پرستش کا انجامِ بد

۱۵۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ○

بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنایا، ان کو جلد ہی ان کے رب کا غضب پہنچے گا اور دنیا کی زندگی میں ان کو ذلت پہنچے گی اور بہتان باندھنے والوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی اور اب تک اس پر قائم ہیں تو بہت جلد ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو گا اور وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے۔ اللہ کا غضب یہ تھا کہ ان کی توبہ قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔ پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کو قتل کیا تو ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ لیکن وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے۔ افترا۔ کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔

سفیان بن عینیہؒ کہتے ہیں کہ ہر صاحبِ بدعت اسی طرح ذلیل و خوار ہو گا۔ جو بدعت نکالتا ہے اس کو یہی سزا ملے گی۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کے چہرہ پر ذلت و رسوائی برستی ہے، اگرچہ وہ دنیاوی شان و شوکت رکھتا ہو۔ افترا۔ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک یہ سزا ملتی رہے گی۔ (ابن کثیر ۲/۲۴۸)

توبہ کا قبول ہونا

۱۵۳۔ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

اور جن لوگوں نے برے کام کئے، پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور

ایمان لے آئے، تو بیشک آپ کا رب توبہ کے بعد معاف کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تنبیہ کے بعد اپنے اس جرم سے، جو بچھڑے کی پرستش کی صورت میں ان سے سرزد ہوا تھا، توبہ کر لی اور توبہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر آپس میں قتال کی جو کڑی شرط لگائی گئی تھی اس کو پورا کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ جو لوگ اس قتل عام میں مارے گئے ان کو شہادت کا درجہ دیا گیا اور جو زندہ بچے ان کی مغفرت ہو گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، خواہ وہ گناہ کفر و شرک اور نفاق ہی کا ہو۔

پس جو لوگ برے اعمال کا ارتکاب کر لیں، خواہ وہ برے اعمال کبیرہ گناہ ہی ہوں، پھر اس کے بعد وہ توبہ کر لیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان لوگوں کو معاف فرمادے گا۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے۔ (معارف القرآن ۷۳ / ۴)

ہدایت و رحمت کا ذریعہ

۱۵۴۔ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ○

اور جب (حضرت) موسیٰ کا غصہ دور ہوا تو انہوں نے (توریت کی) تختیوں کو اٹھا لیا اور ان تختیوں پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت لکھی ہوئی تھی۔

سَكَتَ: وہ ساکت ہو گیا۔ وہ تھم گیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ سُکُوْتٌ سے ماضی۔

نُسْخَتِهَا: اس کا لکھا ہوا۔ اس کے مضامین۔ جمع نُسَخٌ۔

يَرْهَبُوْنَ: وہ ڈرتے ہیں۔ وہ خوف کھاتے ہیں۔ رَهَبٌ و رُهْبَةٌ سے مضارع۔

تشریح: جب حضرت ہارون کی معذرت اور قوم کی ندامت و توبہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ دور ہوا تو انہوں نے توریت کی وہ تختیاں زمین پر سے اٹھا لیں جو انہوں نے اس سے

پہلے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف کھینچتے وقت زمین پر رکھ دی تھیں۔ ان تختیوں میں جو مضامین لکھے ہوئے تھے ان میں ان لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت تھی جو اپنے مالک و خالق سے ڈرتے ہیں۔ نسخہ ہدایت سے اسی کو شفا ہوتی ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔

ستر افراد کا کوہِ طور پر جانا

۱۵۵۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۖ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝

اور (حضرت) موسیٰ نے ہمارے معین کردہ وقت کے لئے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب کر لئے۔ پھر جب ان کو زلزلے نے آلیا تو (حضرت) موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھے پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہماری قوم کے چند بیوقوفوں کی حرکت پر ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔ یہ تو صرف (تیری طرف سے) آزمائش ہے۔ ایسی آزمائشوں سے تو جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ سو تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما۔ اور تو ہی سب سے زیادہ معاف کرنے والا ہے۔

اِخْتَارَ: اس نے منتخب کر لیا۔ اس نے چن لیا۔ اِخْتِيَارٌ سے ماضی۔

لِمِيْقَاتِنَا: ہمارے مقررہ وقت کے لئے۔ ہماری مقررہ میعاد کے لئے۔

الرَّجْفَةُ: زلزلہ، کپکپاہٹ۔

شِئْتَ: تو نے چاہا۔ تو نے ارادہ کیا۔ مَشِيَّةٌ سے ماضی۔

السُّفَهَآءُ: بیوقوف۔ کم عقل۔ احمق واحد سَفِيْهٌ۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی کتاب توریت لا کر دی تو وہ اپنی کم عقلی اور کج فہمی سے کہنے لگے کہ ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔ ممکن

ہے آپ اپنی طرف سے لکھ لائے ہوں ۔ بنی اسرائیل کو اطمینان دلانے کے لئے حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی منتخب کر کے کوہ طور پر لانے کا اختیار دیا، تاکہ وہ بھی اللہ کا کلام سن لیں اور اس پر یقین کر لیں ۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہ طور پر لے گئے، جہاں انہوں نے اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، مگر وہ بد بخت کہنے لگے کہ ہمیں کیا معلوم کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یا کسی اور کی ۔ ہم تو جب یقین کریں گے جب اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر دیکھیں ۔ ان کی اس ہٹ دھرمی اور جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا غضب متوجہ ہوا، جس کے نتیجہ میں ان کے نیچے سے زلزلہ آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک، جس سے وہ سب بیہوش ہو کر گر پڑے ۔

سورہ بقرہ میں لفظ صاعقہ آیا ہے جس کے معنی بجلی کی کڑک کے ہیں اور یہاں لفظ رجفہ آیا ہے جس کے معنی زلزلہ کے ہیں ۔ ممکن ہے دونوں چیزیں ایک ساتھ واقع ہوئی ہوں ۔ اس واقعہ سے حضرت موسیٰ کو سخت صدمہ ہوا ۔ ایک تو اس لئے کہ یہ اپنی قوم کے منتخب لوگ تھے ۔ دوسرے اس لئے کہ قوم کو کیسے مطمئن کریں گے ۔ وہ تو یہی کہیں گے کہ حضرت موسیٰ نے ان سب کو کہیں لے جا کر قتل کرا دیا ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے میرے رب! میں جانتا ہوں کہ تیرا مقصد ان کو ہلاک کرنا نہیں، کیونکہ اس سے پہلے بہت سے واقعات ہو چکے ہیں جن میں ان کو ہلاک کیا جا سکتا تھا ۔ مثلاً فرعون کے ساتھ ان کو بھی غرق کر دیا جاتا یا بچھڑے کی پرستش کے وقت سب کے سامنے ان کو ہلاک کر دیا جاتا ۔ مگر تو نے ایسا نہیں کیا ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تو ان کو سزا دینا اور تنبیہ کرنا چاہتا ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چند بیوقوفوں کے عمل کی بنا پر تو ہم سب کو ہلاک کر دے ۔

پھر عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے جس کے ذریعہ تو بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دے گا کہ وہ تیری شکایت و ناشکری کرنے لگیں اور بہت سے لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھے گا تاکہ وہ اپنے رب کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھ کر مطمئن ہو جائیں ۔ اے اللہ! میں بھی تیری اس آزمائش سے مطمئن ہوں ۔ تو ہی ہماری خبر گیری کرنے والا ہے ۔ پس تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحمت و مہربانی فرما ۔ تو ہی سب معافی دینے والوں سے زیادہ معافی

دینے والا ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے ان کو زندہ کر دیا ۔

(معارف القرآن ۴/ ۷۴،۷۵)

حضرت موسیٰ کی دعاء

۱۵۶،۱۵۷۔ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی لکھ دے ۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے سو اس کو تو میں انہی کے لئے لکھوں گا جو پرہیز گاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ۔ جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے ہاں توریت و انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے، جو ان کو نیک کاموں کا حکم دے گا اور بری باتوں سے منع کرے گا اور پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال کرے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان کے بوجھ (سخت احکام) اور ان کے طوق (نافرمانی کی پھٹکاریں) جو ان کے گلے میں پڑے ہوئے تھے، وہ ان کو اتار ڈالے گا ۔ پھر جو کوئی اس نبی پر ایمان لائے

گا اور ان کی حمایت و مدد کرے گا اور وہ اس نور کی اتباع کریں گے جو اس کے ساتھ نازل کیا جائے گا، سو وہی لوگ کامیاب ہوں گے ۔

هُدْنَا: ہم نے توبہ کی ۔ ہم نے رجوع کیا ۔ هَوْدٌ سے ماضی ۔

اُصِيْبُ: میں پہنچاتا ہوں ۔ اِصَابَۃٌ سے مضارع ۔

يَضَعُ: وہ دور کرتا ہے ۔ وہ اتارتا ہے ۔ وَضْعٌ سے مضارع ۔

اِصْرَهُمْ: ان کے بوجھ ۔ یہاں وہ سخت احکام مراد ہیں جو یہودیوں پر تھے ۔

اَغْلٰلَ: طوق ۔ ہتھکڑیاں ۔

عَزَّرُوْهُ: انہوں نے ان کی مدد کی ۔ انہوں نے ان کو قوت دی ۔ تَعْزِيْرٌ سے ماضی ۔

تشریح: حضرت موسیٰ کی یہ دوسری دعاء ہے ۔ پہلی دعاء مصیبت دور ہونے کے لئے تھی ۔ اس دعاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا اور آخرت کی بھلائی کی درخواست کی ہے کہ اے اللہ ہم تیری طرف رجوع ہوتے ہیں اور تجھ ہی سے خیر و بھلائی کے امیدوار ہیں، اس لئے تو میری امت کو سب امتوں پر فائق کر دے ۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جس پر چاہتا ہوں اپنا عذاب نازل کرتا ہوں کوئی مجھ پر اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ میں مالک ہوں اور سب میرے بندے ہیں اور مالک کو اپنے بندوں پر ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے ۔ اور میری رحمت و مہربانی ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے اور ہر مومن و کافر پر بلا استحقاق عام ہے ۔ اگر اللہ کی رحمت عام نہ ہوتی تو کوئی کافر و فاجر اور کوئی نافرمان زندہ نہ رہتا ۔

اس عام رحمت کے علاوہ اللہ کی ایک خاص رحمت بھی ہے جو اس کے خاص بندوں پر نازل ہوتی ہے ۔ یہی خاص رحمت حضرت موسیٰ نے مانگی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ جس رحمتِ کاملہ اور خاصہ کا آپ نے سوال کیا ہے اس میں سے بنی اسرائیل کے اس شخص کو حصہ ملے گا جو متقی اور پرہیزگار ہو اور اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو مانتا ہو ۔ جس درجہ کا ایمان و تقویٰ ہو گا وہ اسی درجہ کی رحمت کا مستحق ہو گا ۔

پھر فرمایا کہ آخر زمانے میں جب نبوتِ محمدیہ کا دور دورہ ہو گا تو اس رحمتِ خاصہ سے وہ لوگ حصہ پائیں گے جو توریت و انجیل کی پیشن گوئیوں کے مطابق اس نبی امی کی اتباع کریں گے، جس کے اوصاف وہ توریت و انجیل میں لکھے ہوئے پائیں اور دل و جان سے ان کی مدد کریں گے ۔

وہ نبی امی لوگوں کو ہر اچھے کام کا حکم دے گا اور ہر برے کام سے منع کرے گا۔ وہ ان تمام پاکیزہ چیزوں کو لوگوں کے لئے حلال قرار دے گا جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر توریت میں ان کے لئے حرام کر دی گئی تھیں، جیسے اونٹ کا گوشت، بھیڑ، بکری اور گائے کی چربی وغیرہ۔ وہ امی نبی تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو لوگوں پر حرام کر دے گا، جیسے مُردار، خون، سُور کا گوشت، قمار، شراب اور سود وغیرہ۔ اگرچہ مشرکوں نے اپنی جہالت سے ان چیزوں کو اپنے اوپر حلال کر رکھا ہے۔ وہ یہودیوں پر سے ان کے بوجھ اور مشقت کے طوق اتار دے گا۔ وہ شریعت کو ان پر آسان اور ہلکا کر دے گا۔ پس جو لوگ اس امی نبی پر ایمان لائیں گے، اس کی تعظیم کریں گے، اس کے دشمنوں کے مقابلے پر اس کی مدد کریں گے اور اس نورِ ہدایت یعنی قرآن کریم کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، تو وہی لوگ کامیاب اور فلاح پانے والے ہیں۔ اخیر زمانے میں دین و دنیا کی بھلائی انہی لوگوں کو ملے گی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۲۔۱۳۴ / ۳)

بعثتِ عام

۱۵۸۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ سو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں بنی اسرائیل کی اس جاہلانہ درخواست کو بیان کیا گیا جو انہوں نے بت پرستوں کو دیکھ کر اپنے لئے بھی ایک مجسم معبود تجویز کرنے کے لئے حضرت موسیٰ سے کی تھی۔

پھر حضرت موسیٰ کا کوہِ طور پر جانا اور ان کا دیدارِ الٰہی کی درخواست کرنا مذکور تھا۔ اس کے بعد ان کی گؤ سالہ پرستی اور حضرت موسیٰ کا ستر منتخب آدمیوں کو کوہِ طور پر لے جانا اور اللہ کا کلام سننا بیان کیا گیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ذکر تھا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی آخر الزماں کی بعثت عام ہوگی اور آپؐ قیامت تک تمام عالم کے لئے نبی اور رسول ہوں گے۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں میں اعلان فرما دیجئے کہ میں سب عرب و عجم اور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے قیامت تک اللہ کا رسول ہوں، جس کی بادشاہت تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہی ہر شئے کا خالق و مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔

سابقہ انبیاء خاص اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم اور قبیلہ اور زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ نبوت آپؐ پر ختم ہو گئی اور آپ قیامت تک ساری دنیا کے پیغمبر ہیں۔ اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی شریعت۔ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں، آپؐ کی اطاعت سب پر لازم ہے۔ پس اہل کتاب میں سے جو شخص اس رحمت خاصہ میں شامل ہونا چاہے، جس کی حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی، تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا چاہئے۔ آپ کی اتباع کے بغیر کوئی ہدایت و فلاح نہیں پا سکتا۔

حق پرست جماعت

۱۵۹۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰىٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○

اور (حضرت) موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی راہ بتاتا ہے اور حق ہی سے انصاف کرتا ہے۔

تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی کجروی، کج بحثی اور گمراہی کا بیان تھا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی پوری قوم گمراہ اور بھٹکی ہوئی نہیں بلکہ ان میں اچھے لوگ بھی ہیں، جو حق کی اتباع کرتے ہیں اور حق کو سامنے رکھ کر عدل و انصاف سے فیصلے کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے توریت و انجیل کے زمانے میں ان پر پوری طرح عمل کیا

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو توریت و انجیل کی بشارت کے مطابق آپؐ پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کی اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی اس حق پرست جماعت کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ ۝ (آل عمران آیت ۱۱۳)

اہل کتاب میں سے ایک ایسا گروہ بھی ہے جو حق پر قائم ہے۔ وہ رات بھر اللہ کی آیتوں کو تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝

(القصص آیت ۵۲)

وہ لوگ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کتاب (توریت و انجیل) دی گئی تھی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں۔

(ابن کثیر ۲۵۶ / ۲، معارف القرآن ۹۳ / ۴)

بنی اسرائیل کے بارہ خاندان

۱۶۰۔ وَقَطَّعْنٰھُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اِذِ اسْتَسْقٰہُ قَوْمُہٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْھِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْھِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے الگ الگ کر دیئے اور جب (حضرت) موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے (حضرت) موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔ سو (عصا پتھر پر مارنے سے) بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر گروہ

نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ان پر من و سلویٰ اتارا (اور ان کو اجازت دی کہ) ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور انہوں نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

اَسْبَاطًا: قبیلے۔ خاندان۔ یہاں یہودیوں کے بارہ قبیلے مراد ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے اور بنی اسرائیل کہلائے۔

فَانْبَجَسَتْ: پس وہ پھوٹ نکلی۔ اِنْجَاسٌ سے ماضی

عَيْنًا: آنکھ، چشمہ۔

الْغَمَامَ: بادل۔ سفید ابر۔ واحد غَمَامَۃٌ

الْمَنَّ: ترنجبین۔ شبنم۔ اوس۔

السَّلْوٰی: بٹیر کے مشابہ ایک پرندہ۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے ان کی بارہ جماعتیں بنادیں۔ پھر جب وادیٔ تیہ میں بنی اسرائیل کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے پانی طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو وحی کے ذریعہ ایک پتھر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا جس سے بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے لئے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر خاندان نے اپنے لئے ایک چشمہ مخصوص کر لیا۔

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام ہے۔ یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مصر آئے تھے اور یہیں رہنے لگے تھے۔ فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا اصل وطن شام، جس پر ان کے بعد عمالقہ کا قبضہ ہو گیا تھا، ان سے آزاد کرانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ لوگ اپنا ملک آزاد کرانے کے ارادے سے روانہ ہو گئے۔ مگر شام کی حدود میں پہنچ کر جب ان کو عمالقہ کی قوت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ہمت ہار دی اور جہاد سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی سزا یہ دی کہ یہ لوگ چالیس برس تک وادیٔ تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے۔

وادیٔ تیہ ایک کھلا میدان تھا جہاں نہ کوئی سردی گرمی کا بچاؤ تھا اور نہ کھانے پینے کا سامان۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا سے معجزے کے طور پر اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرما دیا۔ چنانچہ جب پانی کی ضرورت پیش آئی تو پتھر سے بارہ چشمے نکال دیئے

جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا، دھوپ سے بچاؤ کے لئے ابر کا سایہ کر دیا اور بھوک کے لئے منّ و سلویٰ نازل فرما دیا اور حکم دیا کہ جس قدر کھا سکو اتنا ہی منّ و سلویٰ لے لیا کرو۔ مگر انہوں نے اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی۔ آخر وہ نعمت بند ہو گئی۔ غرض بنی اسرائیل نے ناشکری کر کے اپنا ہی نقصان کیا، کیونکہ ناشکری کے سبب آخرت میں اللہ کے عذاب کے مستحق ہوئے اور دنیا میں اپنا رزق کھو یا جو بلا مشقت اور بلا حساب اُخروی ان کو ملتا تھا۔

نافرمانی کی سزا

۱۶۱، ۱۶۲۔ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۚ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝

اور جب ان (بنی اسرائیل) کو کہا گیا کہ اس آبادی میں جا کر رہو اور اس میں جہاں سے چاہوں کھاؤ اور حِطَّۃٌ (ہمیں بخش دے) کہتے جاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا، تو ہم تمہارے سب گناہ معاف کر دیں گے۔ نیکی کرنے والوں کو ہم عنقریب اور زیادہ دیں گے۔ سو ان ظالموں نے اس کلمہ کو جو ان سے کہا گیا تھا دوسرے کلمہ سے بدل دیا۔ سو ہم نے بھی ان کو ظلم کے سبب ان پر آسمان سے عذاب بھیج دیا۔

تشریح: پھر جب وادیٔ تیہ میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا انتقال ہو گیا اور حضرت یوشعؑ پیغمبر ہو گئے تو وہ بنی اسرائیل کے باقی ماندہ نوجوانوں کو لے کر وادیٔ تیہ سے نکلے اور عمالقہ سے جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دی اور حکم دیا کہ تعظیم کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اور زبان سے لفظ حِطَّۃٌ کہتے ہوئے اس بستی میں داخل ہو جاؤ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف فرما دے گا اور تمہارے حق میں اپنی نعمت زیادہ کر دے گا۔

بنی اسرائیل کو ثواب و مغفرت کی بجائے گیہوں وغیرہ کی زیادہ خواہش تھی، اس لئے

انہوں نے بستی میں داخل ہوتے وقت حِطَّۃٌ کی بجائے حِنْطَۃٌ کہنا شروع کر دیا۔ پس اس جرم کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرما دیا، جس سے ان میں طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی اور ان کے بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے۔ ان واقعات کی مزید تفصیلات سورہ بقرہ کی آیات ۵۷۔۶۰ کے ذیل میں ملاحظہ فرمالیں۔

اصحابِ سبت کا واقعہ

۱۶۳۔ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان (یہود) سے اس بستی کے بارے میں تو پوچھئے جو سمندر کے کنارے آباد تھی۔ جبکہ وہ ہفتے کے (دن) کے بارے میں حد سے بڑھنے لگے، جبکہ ہفتہ کے دن مچھلیاں ان کے پاس پانی (کی سطح) کے اوپر آنے لگیں اور جب ہفتہ (کا دن) نہ ہوتا (مچھلیاں پانی کی سطح پر) نہ آتیں۔ ان کی نافرمانی کے سبب ہم اسی طرح ان کو آزمانے لگے۔

حَاضِرَةَ: روبرو۔ دست بدست۔ کنارے۔

اَلسَّبْتِ: سنیچر کا دن۔ ہفتہ کا دن۔

حِيْتَانُهُمْ: ان کی مچھلیاں۔ واحد حُوْتٌ۔

شُرَّعًا: پانی کی سطح کے قریب تیرتی ہوئی (مچھلیاں)۔ پانی کے اوپر ظاہر ہونے والی۔ شُرَّعٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس آیت میں بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کا کفرانِ نعمت اور ان کی سرکشی کے واقعہ کا بیان ہے۔ یہود بھی اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ احکام خداوندی سے جان بوجھ کر انحراف کرنا یہود کی فطری اور آبائی خصلت ہے۔ جس کی سزا ان کو ملتی رہی۔ اسی لئے ان کو انسانی صورت سے حیوانی صورت میں مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا جو انتہائی ذلت اور عبرت ناک

سزا ہے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۸ / ۳)

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بحر قلزم کے کنارے واقع ایلہ نامی شہر میں بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آیا ۔ ہفتہ کا دن بنی اسرائیل کے لئے نہایت محترم اور عبادت کے لئے مقرر تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز ان پر مچھلی کا شکار حرام فرما دیا تھا مگر چونکہ یہ لوگ نافرمانی کے عادی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لئے ان کی اس طرح آزمائش کی کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں دریا کی سطح پر اس کثرت سے جمع ہوتیں کہ دریا کا پانی بھی دکھائی نہ دیتا ۔ باقی دنوں میں مچھلیاں بالکل دکھائی نہیں دیتی تھیں ۔ یہ لوگ مچھلی کے شوقین تھے ، اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی ظاہری صورت برقرار رکھتے ہوئے یہ تدبیر اختیار کی کہ وہ ہفتے کے دن دریا کے قریب گڑھے کھود کر دریا کا پانی ان میں چھوڑ دیتے تھے ۔ پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی بڑی مقدار میں گڑھوں میں جمع ہو جاتی تھیں ۔ جب گڑھے پانی سے بھر جاتے تو گڑھوں میں پانی آنے کا راستہ بند کر دیتے ۔ پھر اگلے روز ان گڑھوں سے مچھلیاں نکال لیتے تاکہ ہفتے کے دن شکار کرنا ان پر صادق نہ آئے ۔ گویا اس طرح معاذ اللہ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے تھے ۔

نافرمانوں کو بندر بنا دینا

۱۶۴ - ۱۶۶ ۔ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنا چاہتا ہے یا ان کو سخت عذاب دینا چاہتا ہے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید

وہ ڈر بھی جائیں۔ پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو برائی سے منع کرتے تھے اور ہم نے ظالموں کو ان کی نافرمانی کے سبب سخت عذاب میں مبتلا کردیا۔ پھر جب وہ اس چیز میں حد سے بڑھ گئے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔

مَعْذِرَةً: عذر پیش کرنا۔ اسم بھی ہے اور مصدر میمی بھی۔

بَئِيْسٍ: سخت برا۔ بَأْسٌ و بُؤْسٌ سے صفت مشبہ۔

عَتَوْا: انہوں نے سرکشی کی۔ انہوں نے نافرمانی کی۔ عُتُوٌّ سے ماضی۔

قِرَدَةً: بندر۔ لنگور۔

خٰسِئِيْنَ: ذلیل کئے ہوئے۔ خوار کئے ہوئے۔ خَسْأٌ سے اسم فاعل بمعنی مفعول۔

تشریح: یہود پر ہفتے کے دن مچھلی کا شکار کرنا منع تھا۔ اس وقت ان میں تین قسم کے لوگ تھے:

(۱) وہ جو ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنے کا حیلہ اختیار کرکے نافرمانی کرتے تھے۔

(۲) جو اس بارے میں بالکل خاموش رہے۔ انہوں نے نہ تو خود نافرمانی کی اور نہ دوسروں کو اس سے منع کیا۔

(۳) جو خود بھی نافرمانی سے بچتے رہے اور دوسروں کو بھی نافرمانی سے منع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے شکار کرنے والوں سے ملنا جلنا بھی ترک کردیا اور بستی کے درمیان ایک دیوار تعمیر کرلی۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عذاب میں گرفتار ہونے والوں اور عذابِ الٰہی سے نجات پانے والوں کا حال بیان فرمایا ہے۔ مگر جو لوگ شروع سے آخر تک خاموش رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر سے سکوت فرمایا۔ نہ ان کے عذاب کا ذکر کیا اور نہ نجات کا۔ اس لئے کہ جزا عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ انہوں نے نہ تو نجات کا کام کیا اور نہ عذاب کا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے میں سکوت فرمایا۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ جن لوگوں کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ان کے بارے میں قیاس آرائی نہ کی جائے۔

یہود پر ہفتے کی دن کی تعظیم فرض تھی، اس دن ان پر مچھلی کا شکار حرام تھا اور دنیاوی

کاموں میں مشغولیت بھی ممنوع تھی، مگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مسلسل خلاف ورزی کرتے ہوئے حیلوں بہانوں سے ہفتے کے دن مچھلی کا شکار جاری رکھا اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حرمت کو پامال کر دیا۔ اس وقت بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں نے جو نہ تو خود شکار کرتے تھے اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتے تھے، شکار سے منع کرنے والے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جو تمہاری نصیحت کا کوئی اثر نہیں لیتے اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک و برباد کرنے والا ہے۔ اگر یہ سب کے سب ہلاک نہ ہوئے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو سخت عذاب ضرور دے گا۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کے جواب میں منع کرنے والے لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا ہم پر فرض کیا ہے۔ اسی لئے ہم ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ شاید وہ کسی وقت ہماری نصیحت کا اثر قبول کرتے ہوئے اپنی نافرمانی سے باز آجائیں اور توبہ کر لیں۔

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی اور وہ سرکشی میں حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو ان کو برائی سے روکتے تھے اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے ظالموں کو ان کی نافرمانی کے سبب سخت عذاب میں پکڑ لیا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے ان کو بندر بنا دیا۔ پھر تین دن بعد وہ سب مر گئے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۹-۱۵۱ / ۳، ابن کثیر ۲۵۷-۲۵۸ / ۲)

یہود کی دائمی ذلت

۱۶۷۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تیرے رب نے (بنی اسرائیل کو) خبر دی تھی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت تکلیف پہنچاتے رہیں گے۔ (محکوم رکھیں گے)۔ بیشک آپ کا رب جلد عذاب دیتا ہے اور بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) نہایت مہربان بھی ہے۔

لَيَبْعَثَنَّ : البتہ وہ ضرور بھیجے گا۔ البتہ وہ ضرور مسلط کرے گا۔ بَعْثٌ سے مضارع۔
يَسُوْمُهُمْ : وہ ان کو ستاتا ہے۔ وہ ان کو تکلیف دیتا ہے۔ سَوْمٌ سے مضارع۔
سُوْءَ : برائی۔ گناہ۔ آفت۔

ربط : گزشتہ آیتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں اب بھی بعض لوگ خدا پرست اور انصاف دوست ہیں جو لوگوں کو راہِ راست کی ہدایت کرتے ہیں، جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔ ایسے حق پرست لوگ ہی اس رحمتِ خاصہ میں داخل ہیں، جس کی حضرت موسیٰ نے دعاء کی تھی۔ انہی اہل کتاب میں ظالم و سرکش بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات کے باوجود سرکشی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے آباو اجداد کی سرکشی اور کفرانِ نعمت کا بیان ہے کہ احکامِ خداوندی سے جان بوجھ کر انحراف کرنا بنی اسرائیل کی جبلی اور آبائی خصلت ہے، جس کی ان کو ہمیشہ سزا ملتی رہی۔ اسی لئے ان کی صورتیں مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا، جو انتہائی ذلت اور عبرتناک سزا ہے۔ اس آیت میں یہود کی دائمی ذلت کا بیان ہے کہ قیامت تک ان پر دوسرے لوگ مسلط رہیں گے اور ان کی کہیں حکومت نہ ہوگی۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ بنی اسرائیل کے بارے میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم احکامِ الٰہی کی مخالفت اور گناہ کا ارتکاب کرو گے اور سرکشی میں مبتلا رہو گے تو قیامت تک تمہیں ذلت و حقارت کا عذاب ملتا رہے گا، دوسرے لوگ تم پر مسلط ہوتے رہیں گے اور تمہاری کہیں حکومت نہ ہوگی اور تم ہمیشہ دوسروں کے زیرِ اثر اور مغلوب رہو گے۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد سے آج تک ان پر دشمن کا تسلط ہے۔ کبھی یونانی، کشدانیوں اور کلدانیوں نے ان کو غلام بنایا، کبھی نصرانیوں کے زیرِ تسلط رہے اور ان کو جزیہ و خراج دیتے رہے۔ اسلام آیا تو اللہ کے نبی نے ان پر غلبہ رکھا۔ وہ ذمی تھے اور جزیہ دیتے تھے۔ تقریباً چودہ سو سال تک وہ مسلمان حکومتوں کے باجگزار رہے۔ اب تقریباً ۴۴ سال سے جو اسرائیل کے نام سے حکومت قائم ہے وہ یہودیوں کی حکومت نہیں ہے بلکہ حقیقت میں وہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی چھاؤنی ہے اور اس چھوٹے سے علاقے کے یہودی امریکہ اور مغربی ممالک کے سہارے سے زندہ ہیں اور امریکی حکومت کے غلام ہیں۔ وقتاً فوقتاً ان پر قہرِ الٰہی نازل ہوتا رہتا ہے اور لوگوں کے ہاتھوں ان کو سخت اذیتیں ملتی رہتی ہیں۔ آخر کار وہ دجال کے مددگار بن کر نکلیں گے اور مسلمان ان کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے قتل میں مسلمانوں

کا ساتھ دیں گے۔ یہ سب قرب قیامت میں ہو گا۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافروں سے جلد بدلہ لینے والا ہے۔ وہ دنیا میں کافروں پر عذاب نازل کرتا ہے اور اہل ایمان کو اپنی مغفرت و رحمت سے نوازتا ہے۔

(حقانی ۴۳۴ / ۴، ابن کثیر ۲۵۹ / ۲)

بنی اسرائیل کی گروہ در گروہ تقسیم

۱۶۸۔ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ز وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○

اور دنیا میں، ہم نے بنی اسرائیل کو متفرق جماعتوں میں تقسیم کر کے بکھیر دیا۔
ان میں سے بعض تو نیک تھے اور بعض دوسری طرح کے بھی تھے اور ہم نے
ان کو نعمتوں اور سختیوں سے آزمایا تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گروہ در گروہ کر کے دنیا میں پھیلا دیا۔ اس سے ان کی طاقت ایسی منتشر ہوئی کہ آئندہ کبھی ان میں آپس میں اتفاق نہ ہو گا اور نہ ان کو اجتماعی قوت حاصل ہو گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۔ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۴)

اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم زمین پر سکونت پذیر رہو۔
جب آخرت کا دن آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر لیں گے۔

پھر فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سب لوگ برابر نہ تھے۔ ان میں اچھے لوگ بھی تھے اور برے بھی۔ مگر ان کی اکثریت منکروں اور بدکاروں کی تھی۔ ہم نے ان کو راحت و آرام اور خوف و مصیبت کا زمانہ دے کر دونوں طرح آزمایا تاکہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کر کے برے کاموں سے باز آجائیں۔

ناخلف جانشین

۱۶۹، ۱۷۰۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ
عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ
مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ
لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ
الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُصْلِحِيْنَ ۝

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف کتاب کے وارث ہوئے جو اس خسیس دنیا کا مال و متاع (ناجائز طور پر) لے لیتے اور کہتے کہ ہمیں معاف ہو جائے گا اور اگر ان کے پاس ویسا ہی مال و متاع اور آجائے تو اس کو بھی لے لیں۔ کیا کتاب میں ان سے یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سچ بات کے سوا اور کچھ نہ کہیں گے اور جو کچھ اس کتاب میں تھا اس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا۔ اور پرہیز گاروں کے لئے آخرت کا گھر بہتر ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں تو ہم بھی نیکوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔

عَرَضَ: مال و متاع۔ سامان۔ جمع عُرُوْضٌ

مِیْثَاقُ: عہد۔ پیمان۔ وَثَاقَۃٌ سے اسم آلہ۔ جمع مَوَاثِیْقُ۔

دَرَسُوْا: انہوں نے پڑھا۔ دَرْسٌ سے ماضی۔

یُمَسِّکُوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ تھامتے ہیں۔ وہ پکڑتے ہیں۔ تَمْسِیْکٌ سے مضارع۔

تشریح: ایک زمانے میں بنی اسرائیل میں اچھے اور برے سب طرح کے لوگ تھے۔ پھر ان لوگوں کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف لوگ بنے کہ وہ توریت کا وارث بننے کے باوجود تھوڑے سے دنیاوی فائدے اور اس کی شان و شوکت کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنے دل کو یہ کہہ کر بہلا لیتے ہیں کہ پھر توبہ کر لیں گے، اس کے بعد جب دوبارہ دنیا سمیٹنے کی کوئی صورت پیدا

ہوئی پھر حسبِ سابق دنیا کے بدلے دین کو بیچ دیا، آیتوں میں تحریف کر دی، غلط مسئلہ اور غلط حکم بتا دیا، دنیاوی فائدے کے لئے نہ حلال کو دیکھا اور نہ حرام کو۔ بس فائدہ حاصل کر لیا اور پھر توبہ کرنے بیٹھ گئے۔ پھر دنیا کا کوئی فائدہ سامنے آیا تو پھر ان کے قدم ڈگمگا گئے۔ یہ بڑے ناخلف لوگ تھے۔ انبیاء کے بعد یہی لوگ توریت و انجیل کے وارث تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد بھی لیا تھا کہ حق بات کے سوا کوئی دوسری بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا، لوگوں کو حق بات کی تلقین کرنا اور حق کو چھپانا نہیں، لیکن انہوں نے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا۔ وہ بخشش کی آرزو تو رکھتے ہیں مگر گناہوں کو نہیں چھوڑتے اور نہ توبہ پر قائم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے تو آخرت کا گھری بہتر ہے۔ پھر تم دنیا پر کیوں فریفتہ ہو۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

پھر فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ اب بھی کتاب اللہ کو تھامے ہوئے ہیں، اس کے اوامر و نہی پر عمل کرتے ہیں، گناہوں سے باز رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، تو ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ (ابن کثیر ۲۶۰ / ۲)

پہاڑ کا معلق ہونا

۱۷۱۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے اوپر سائبان کی طرح معلق کر دیا اور وہ ڈرے کہ وہ ان پر گر پڑے گا (تو ہم نے ان سے کہا کہ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو، تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

نَتَقْنَا: ہم نے بلند کیا۔ ہم نے معلق کر دیا۔ نَتْقٌ سے ماضی۔

ظُلَّةٌ: ابر۔ عذاب کا بادل۔

وَاقِعٌ: واقع ہونے والا۔ کرنے والا۔ وُقُوْعٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمائی تو انہوں نے بنی اسرائیل کو فریضہ تبلیغ سے متعلق اللہ کا حکم سنایا اور انہیں توریت کو قبول کرنے اور اس کے

احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ بنی اسرائیل کو یہ بات گراں گزری۔ چنانچہ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کتاب میں دئے ہوئے احکام سخت اور دشوار ہیں اس لئے ہم سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اس پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوہِ طور کے ایک حصے کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے سروں پر معلق کر دیا۔ پھر ان سے کہا گیا کہ یہ اللہ کی وحی اور اس کے احکام ہیں۔ اس میں حلال و حرام اور امر و نہی کا ذکر ہے۔ پس تم اس کو قبول کر لو۔ اگر تم توریت اور اس کے احکام کو نہیں مانو گے تو یہ پہاڑ تمہارے سروں پر گرا دیا جائے گا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ پہاڑ اب ان پر گر ہی جائے گا، تب انہوں نے مجبوراً توریت اور اس کے احکام کو قبول کیا۔

(ابن کثیر ۲۶۰۔۲۶۱ / ۲)

عہدِ الست

۱۷۲۔ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنْفُسِهِمْ ۚ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَآ ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوٓا إِنَّمَآ أَشْرَكَ آبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ۝ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہی کو ان پر گواہ بنا کر (یہ کہا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ سب نے جواب دیا، ہاں، ہم گواہ ہیں۔ یہ گواہی اس لئے لی تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہو کہ تمہیں تو اس کی خبر نہ تھی، یا یہ کہنے لگو کہ ہمارے باپ دادا نے تو ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے۔ (اے خدا) کیا تو ہمیں اس فعل پر ہلاک کرتا ہے جو بیہودہ لوگوں نے کیا۔ اور ہم آیتوں کو اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ باز آجائیں۔

ظُهُوْرِهِمْ : ان کی پیٹھیں۔ ان کی پشتیں۔ واحد ظَهْرٌ۔

اَلَسْتُ : کیا میں نہیں ہوں۔
ذُرِّيَّةٌ : اولاد۔ جمع ذَرَارِیٌّ
اَلْمُبْطِلُوْنَ : اہلِ باطل۔ جھوٹ کہنے والے، اِبْطَالٌ سے اسم فاعل۔

ربط : گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس عہد کا ذکر فرمایا تھا جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور جس کی خلاف ورزی پر وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ہوئے۔ ان آیتوں میں اس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے عالمِ ارواح میں لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے، حضرت آدم کی پشت سے نکالا اور ان کو عقل اور بولنے کی قوت دے کر پوچھا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں۔ سب نے کہا کہ بیشک آپ ہمارے پروردگار ہیں۔

تشریح : جمہور مفسرین اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تمام ذریت (اولاد) سے لیا جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے تمام اولادِ آدم کو نکالا جو چیونٹیوں کی طرح نکل پڑے۔ پھر ان کو عقل و گویائی عطا کر کے کہا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؟ (کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟) سب نے کہا، کیوں نہیں۔ بیشک تو ہمارا پروردگار ہے۔ ہم اس بات پر گواہ ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ تو ہی ہمارہ رب ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ چونکہ یہ عہد عالمِ ارواح میں لیا گیا تھا، دنیا میں آنے کے بعد عرصہ دراز گزر جانے کے باعث اکثر لوگ اس سے غافل ہو گئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس عہد کی یاد دہانی کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ قیامت کے روز لوگ اپنی غفلت و بھول کا عذر نہ کر سکیں۔ یا یہ کہنے لگیں کہ شرک و بت پرستی تو ہم سے پہلے ہمارے بڑوں نے اختیار کی تھی۔ ہم تو ان کی اولاد تھے اور ان کے بعد پیدا ہوئے۔ صحیح و غلط اور اچھے یا برے کو نہیں جانتے تھے۔ اس لئے جو کچھ بڑوں کو کرتے ہوئے دیکھا ہم نے بھی اسی کو اختیار کر لیا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ تو رب العالمین ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔ پس کیا تو ہمیں دوزخ میں ڈال کر بڑوں کے اس جرم کی سزا دے گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دوسروں کے فعل کی سزا نہیں بلکہ یہ تو تمہاری غفلت کی سزا ہے میں نے پیغمبروں کے ذریعہ تمہیں یہ عہد یاد دلا دیا تھا۔ نیز اس ازلی اقرار سے انسان کے اندر ایسی بصیرت و صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ اگر تم ذرا بھی غور و فکر سے کام لیتے تو یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا کہ پتھر کے جن بتوں کو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے یا آگ، پانی، درخت یا انسان، ان میں سے

کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کو کوئی انسان اپنا رب اور پروردگار کہہ سکے۔

جس طرح ہم نے عہد الست کو بیان کیا اسی طرح کھول کھول کر ہم اپنی ربوبیت اور الوہیت کی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کریں اور کفر و شرک چھوڑ کر اپنی فطرت کی طرف لوٹ جائیں۔ (حقانی ۴۳۵ / ۲، روح المعانی ۱۰۰۔۱۰۳ / ۹)

خواہشِ نفس کی پیروی کا انجام

۱۷۵۔۱۷۷۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ
الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا
وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ
اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ
○ سَآءَ مَثَلًا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا
يَظْلِمُوْنَ ○

اور آپ ان کو اس شخص کا حال بھی سنا دیجئے جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا تو اس کے پیچھے شیطان لگ گیا۔ پھر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی برکت سے اس کا مرتبہ بلند کر دیتے۔ لیکن وہ تو خود پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا، تو اس کی مثال کتے کی مثال کی مانند ہو گئی۔ اگر تم اس پر سختی کرو تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دو تب بھی ہانپے۔ یہی حال ان لوگوں (اہلِ مکہ) کا ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پس آپ یہ حالات ان سے بیان کرتے رہئے تاکہ یہ لوگ غور و فکر کریں۔ کیسی بری مثال ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

نَبَاَ: خبر۔ اطلاع۔ واقعہ۔ اسم ہے۔ جمع اَنْبَآءٌ۔ نبا ایسی خبر کو کہتے ہیں جو اہمیت و عظمت والی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے ذرائع سے حاصل ہوئی ہو جن سے اس

کی صحت کا یقین ہو جائے یا کم از کم گمان غالب ہو جائے۔

فَانْسَلَخَ: پس وہ نکل گیا۔ پس وہ گزر گیا۔ اِنْسِلَاخٌ سے ماضی۔

یَلْهَثْ: وہ زبان باہر نکالتا ہے۔ وہ ہانپتا ہے۔ وہ سخت پیاسا ہوتا ہے۔ لَهْثٌ سے مضارع۔

الْكَلْبِ: کتا۔ بھونکنے والا جانور۔

سَاۤءَ: وہ برا ہے۔ سُوْءٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ، محمد بن اسحاقؒ، سدیؒ وغیرہ نے ان آیتوں کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ جب فرعون کے غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عمالقہ سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور شام کے علاقہ، کنعان میں جا کر قیام کیا تو کنعان کے کچھ آدمی بلعم کے پاس گئے، جو ایک عالم اور صاحبِ تصرف درویش تھا اور اس کی دعاء قبول ہوتی تھی۔ انہوں نے بلعم سے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت مزاج آدمی ہیں، ان کے پاس لشکر بھی بہت ہے، وہ اپنی قوم کو لے کر ہمارے ملک میں آگئے ہیں تاکہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دیں اور ہماری جگہ بنی اسرائیل کو آباد کر دیں۔ ہم تمہاری قوم ہیں اور تمہاری دعا قبول ہوتی ہے، اس لئے تم ہمارے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ہماری طرف سے واپس کر دے۔ بلعم نے کہا کہ کمبختو! حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ فرشتے اور مومن ہیں میں ان کے لئے کیسے بد دعاء کروں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اگر میں تمہارے کہنے کے مطابق کروں گا تو میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔ لوگ پھر بھی عاجزی کرتے رہے اور اس پر دباؤ ڈالتے رہے، آخر بلعم نے ان سے کہا کہ اچھا میں اپنے رب سے معلوم کر لوں کہ ایسی دعاء کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔

بلعم کی عادت یہ تھی کہ جب تک اس کو خواب میں اجازت نہیں مل جاتی تھی وہ دعا نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے خلاف بد دعاء کرنے کے معاملے میں بھی اس نے استخارہ کیا، مگر خواب میں اس کو بد دعاء نہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ بیدار ہونے کے بعد اس نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ مجھے استخارہ میں بد دعاء کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

بلعم کا جواب سن کر اس کی قوم نے اس کو کچھ تحفے اور ہدایہ پیش کئے جو اس نے قبول کر لئے۔ وہ ایک طرح کی رشوت تھی۔ اس کے بعد لوگوں نے پھر اس سے بد دعاء کرنے کی

درخواست کی اور بلعم نے پہلے کی طرح جواب دیا کہ میں اپنے رب سے استخارہ کر لوں۔ چنانچہ اس نے استخارہ کیا مگر اس مرتبہ اس کو کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے قوم کو بتادیا کہ میں نے استخارہ کیا تھا مگر مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ قوم نے کہا کہ اگر تمہارا بد دعا کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی ممانعت فرمادیتا۔ یہ لوگ عاجزی کرتے رہے اور برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ان کے بہکانے میں آگیا۔

چنانچہ بلعم ایک خچر پر سوار ہو کر کوہِ حسبان کی طرف گیا، تاکہ اس کے اوپر چڑھ کر بنی اسرائیل کے لشکر کا معائنہ کرے، مگر وہ پہاڑ پر کچھ دور تک چڑھا تھا کہ اس کا خچر بیٹھ گیا۔ اس نے نیچے اتر کر خچر کو مارا۔ خچر کھڑا ہو گیا تو بلعم پھر اس پر سوار ہو گیا مگر زیادہ دور نہیں چلا تھا کہ پھر بیٹھ گیا۔ بلعم نے پھر اسے مارا تو اللہ تعالیٰ نے خچر کو بات کرنے کی طاقت عطا فرمادی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت تمام کرتے ہوئے کہا کہ کمبخت تو کہاں جارہا ہے؟ کیا تجھے میرے سامنے فرشتے نظر نہیں آتے، جو مجھے واپس جانے کو کہہ رہے ہیں؟ تو اللہ کے نبی اور مومنوں کے خلاف دعا کرنے جارہا ہے۔ لیکن وہ باز نہ آیا اور پھر خچر کو مارنے لگا۔ چنانچہ اس مرتبہ خچر اس کو لے کر اللہ کے حکم سے حسبان نامی پہاڑ پر چڑھ گیا، جہاں پہنچ کر وہ حضرت موسیٰ اور مومنوں کے لئے بد دعا کرنے لگا۔

جب وہ بد دعاء کے کلمات اپنی زبان سے نکالتا تو اس کی زبان پھر جاتی تھی اور بد دعا کے کلمات اس کی قوم کے لئے ادا ہوتے۔ جب وہ دعاء کے کلمات اپنی قوم کے لئے کہتا تو اس وقت بنی اسرائیل کا لفظ زبان سے نکلتا۔ اس کی قوم والوں نے اس سے کہا کہ اے بلعم کیا تجھے معلوم ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ تو بنی اسرائیل کے لئے دعاء اور ہمارے لئے بد دعاء کر رہا ہے۔ بلعم نے جواب دیا کہ اس پر میرا کچھ اختیار نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کرادیا جاتا ہے۔ میں مجبور ہوں۔

بد دعاء کرنے کے وبال میں اس کی زبان باہر نکل کر سینے پر لٹک گئی اور وہ اپنی قوم سے کہنے لگا کہ لوگو! میری دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو گئیں۔ اب مجھے تمہارے لئے مکاری سے کام لینا پڑے گا، کیونکہ اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہا۔ لہذا اب تم اپنی عورتوں کو بنا سنوار کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان سے کہہ دو کہ وہ بنی اسرائیل کے مردوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر ان میں سے ایک شخص بھی زنا کا مرتکب ہو گیا تو تم ان کے مقابلے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ لوگوں نے اس کے مشورے کو مان لیا۔

جب اہل کنعان کی عورتیں، بن سنور کر بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو ایک کنعانی عورت جس کا نام کسبتی بنتِ صور تھا، ایک اسرائیلی سردار کی طرف سے گزری ۔ اس سردار کا نام زمری بن شلوم تھا ۔ جو شمعون بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا پوتا اور اپنی قوم کا سردار تھا ۔ کسبتی کا باپ صور بھی اپنی قوم کا سردار تھا ۔ زمری نے کسبتی کو پسند کر لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت موسیٰ کے سامنے لے گیا اور کہنے لگا کہ میرا خیال ہے کہ آپ یہی کہیں گے کہ یہ عورت تیرے لئے حرام ہے ۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ ہاں یہ تیرے لئے حرام ہے، تو اس کے قریب بھی نہ جانا ۔ زمری کہنے لگا، خدا کی قسم اس معاملے میں، میں آپ کی بات نہ مانوں گا ۔ پھر وہ عورت کو لے کر خیمے کے اندر چلا گیا اور اس سے قربت کی ۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فوراً طاعون مسلط کر دیا جو ساری قوم میں پھیل گیا ۔

حضرت موسیٰ کی قوم کا سردار فنحاص بن عیزار بن ہارون اس وقت موجود نہ تھا، جب زمری نے زنا کیا ۔ پھر جب اس کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ اپنا لوہے کا چھوٹا نیزہ اٹھا کر زمری کے خیمہ میں داخل ہو گیا جہاں وہ دونوں محو خواب تھے ۔ فنحاص نوجوان اور قوی تھا ۔ اس نے دونوں کو اپنے نیزے میں پرو کر اٹھایا ۔ اسی حالت میں وہ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ جو تیری نافرمانی کرتا ہے، ہم اس کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں ۔ اب تو طاعون کی بیماری ختم کر دے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و مہربانی سے بنی اسرائیل سے طاعون اٹھا لیا ۔ یہ آیت اسی بلعم کے بارے میں نازل ہوئی ۔ (مظہری ۴۸۳ ۔ ۴۸۴ / ۳، ابن کثیر ۲۶۶ ۔ ۲۶۷ / ۲)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ نصیحت و عبرت کے لئے آپ لوگوں کو اس شخص کا حال سنا دیجئے جس کو، ہم نے اپنی آیات و احکام کا علم دیا تھا ۔ پھر وہ ان آیات و احکام سے اس طرح باہر نکل گیا جس طرح سانپ کینچلی سے باہر نکل آتا ہے ۔ پھر شیطان نے اس کے پیچھے لگ کر اس کو قابو کر لیا اور اس کو بالکل گمراہ کر دیا ۔ اب اس کی ہدایت کی کوئی توقع نہیں ۔

پھر فرمایا کہ اگر وہ ان آیتوں اور احکام پر عمل کرتا تو، ہم ان آیات و احکام کے ذریعہ اس کے مراتب بلند کر دیتے اور اس کو شیطان سے محفوظ فرما دیتے، مگر وہ ہماری آیات و احکام پر عمل کرنے کی بجائے دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگا ۔ اس لئے وہ پستی میں جا گرا اور اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی، جو دوڑنے میں بھی ہانپتا ہے اور بیٹھے ہوئے بھی ہانپتا

ہے۔ یعنی وہ اضطراری حالت کے بغیر بھی گناہ کی طرف مائل ہے اور اضطراری حالت میں بھی۔
ہماری آیتوں کو تکبر کی وجہ سے دیدہ و دانستہ جھٹلانے والوں کی بھی یہی مثال ہے۔
حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں جو یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ ان کے پاس کوئی رہبر و ہادی آئے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بلائے اور ان کو اس کے صحیح طریقے سکھائے پھر جب وہ ہادی اور رہبر ایسی واضح اور کھلی نشانیوں کے ساتھ آگئے جن کی صداقت و حقانیت میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی تو وہ ان کی تکذیب کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے روگردانی کرنے لگے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں، جو بعثتِ نبوی سے پہلے آپؐ کی صفات و علامات توریت میں پڑھ کر آپؐ کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ پھر جب آپؐ تشریف لے آئے تو سب سے زیادہ دشمنی اور مخالفت انہی لوگوں نے کی اور توریت کے احکام سے ایسے نکل گئے جیسے بلعم بن باعور نکل گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ مثال تمام کفار اور معاندین و مکذبین پر صادق آتی ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد بھی احکام الٰہیہ چھوڑ کر کتے کی طرح دنیا کی حرص و طمع میں پڑے رہے۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ان لوگوں کو یہ واقعات سنا دیجئے تاکہ وہ غور و فکر کر کے راہِ راست پر آجائیں اور برے انجام سے ڈریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کا برا حال ہے۔ ہماری آیتوں کی تکذیب کر کے وہ اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے ہیں کہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے ساتھ برا معاملہ ہوگا۔

(معارف القرآن ۱۲۱۔ ۱۲۲ / ۴)

ہدایت و گمراہی

۱۷۸۔ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

جس کو اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو وہی خسارے میں ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جس کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت و رہنمائی کر دی وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کر دیا وہ خسارہ اور نقصان اٹھانے والا ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے اور بار بار بتایا گیا ہے کہ ہدایت و گمراہی، خیر و شر، اچھائی و برائی سب کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ صحیح اور غلط دونوں راستے بتادئے اور اس کو ایک خاص قسم کا اختیار بھی دے دیا ہے۔ اب اگر وہ چاہے تو اپنے اس اختیار کو استعمال کر کے صحیح اور سیدھا راستہ اختیار کر لے، جو اس کو ثواب اور جنت کا مستحق بنادے گا اور چاہے غلط راستہ اختیار کر لے، جو اس کو عذاب اور جہنم کا مستحق بنادے گا۔

آیت میں ہدایت پانے والے کے لئے صیغہ واحد لاکر اس طرح اشارہ کر دیا گیا کہ ہدایت کا راستہ صرف ایک ہی دینِ حق ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کا طریقہ رہا ہے۔ اس لئے حق کی پیروی کرنے والے خواہ کسی زمانے کے ہوں، کسی نبی کی امت ہوں اور کسی دین و مذہب سے متعلق ہوں، وہ سب ایک ہیں اس کے برعکس گمراہی کے مختلف اور بے شمار راستے ہیں، اس لئے گمراہوں کو جمع کے صیغہ سے ذکر فرمایا۔

جہنم کا ایندھن

۱۷۹۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں مگر وہ سمجھ نہیں سکتے اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھ نہیں سکتے اور ان کے کان ہیں مگر وہ سن نہیں سکتے۔ یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہی لوگ بے خبر ہیں۔

ذَرَاْنَا: ہم نے پیدا کیا۔ ہم نے پھیلادیا۔ ذَرْءٌ سے ماضی۔

يَفْقَهُوْنَ: وہ سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ فِقْہٌ سے مضارع۔
اَنْعَام: مویشی۔ چوپائے۔
اَضَلُّ: بہت گمراہ، ضَلَالَۃٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ہم جنت کے رازق ہیں اسی طرح جہنم کے بھی رازق ہیں۔ اسی لئے ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے رزق کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہم مالک و خالقِ مطلق ہیں، جو چاہیں مقدر کریں۔ تقدیر کا کسی کو علم نہیں۔ بندہ کا فرض بندگی اور بلاچون وچرا اطاعت ہے۔ اس کو چاہیئے کہ جو حکم اس کو دیا جائے اس کو بجالائے۔

انسانوں اور جنوں کو دوزخ کا رزق بنانے کا سبب یہ ہے کہ ہم نے ان کو سمجھنے کے لئے دل، دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سننے کے لئے کان دئے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو ان کو صحیح استعمال کر کے اور اپنے اختیار و قدرتِ خداداد کو کام میں لاکر صراط مستقیم پاسکتے ہیں اور نفع و نقصان کو سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ نہ تو وہ قلوب سے یہ بات سمجھتے ہیں کہ بت ان کے اپنے ہی ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں اور قضاو قدر میں یہ بت کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ عالم تغیرات اور اس میں گوناگو تصرفات تو دیکھتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ کوئی قادر و مختار پس پردہ ان کو ہلا جلا رہا ہے۔ دنیا کے عمدہ محلات اور عالی شان عمارتوں کے خرابات دیکھ کر بھی یہ نہیں سمجھتے کہ ایک روز ہمارے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آنا ہے اور ہمیں بھی یہاں سے چلے جانا ہے۔

اسی طرح وہ نہ تو آنکھوں سے صحیح چیزوں کو دیکھتے ہیں اور نہ کانوں سے حق سنتے ہیں۔ ایسے لوگ چوپایوں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ چوپایوں کو جس قدر قدرت عطا ہوئی ہے وہ اس کو صحیح موقع پر کام میں لاتے ہیں۔ یہی صفات ان کے دوزخی ہونے کا سبب ہیں اور یہی لوگ توجہ دلانے کے باوجود آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کا ٹھکانا مقرر ہو چکا، کسی کا دوزخ، کسی کا جنت۔ لوگوں نے عرض کیا کہ پھر لکھے ہوئے پر تکیہ کرکے کچھ نہ کیا کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کئے جاؤ۔ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا ہوا ہے اس سے ویسے ہی عمل آسانی سے سرزد ہوتے ہیں۔ اچھوں سے اچھے اور بروں سے برے (متفق علیہ)۔
(معارف القرآن ۱۲۶/ ۴، حقانی ۴۴۰/ ۲)

دعاء کا حکم

۱۸۰۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ
يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، سو ان ناموں سے اسی کو پکارو۔ اور جو لوگ اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ عنقریب وہ اپنے کئے کی سزا پالیں گے۔

وَذَرُوْا: اور تم چھوڑ دو۔ اور تم کنارہ کشی کرو۔ وَذْرٌ سے امر۔

يُلْحِدُوْنَ: وہ توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ حق سے پھرتے ہیں۔ اِلْحَادٌ سے مضارع۔

فَادْعُوْا: پس تم پکارو۔ پس تم دعاء کرو۔ دَعْوَةٌ سے امر۔ قرآن کریم میں یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ؛(۱) اللہ کا ذکر، اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تمجید کے ساتھ، (۲) حاجات و مشکلات کے وقت، اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب و آفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کے لئے درخواست کرنا۔ یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔ پس معنی یہ ہوئے کہ حمد و ثنا اور تسبیح کے لائق بھی صرف اسی کی ذات ہے اور مشکلات و مصائب سے نجات اور حاجت روائی بھی صرف اسی کے قبضہ میں ہے۔ اسی لئے حمد و ثنا بھی اسی کی کرو اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے بھی اسی کو پکارو۔ (معارف القرآن ۱۲۹/ ۴)

تشریح: غافلین کے ذکر کے بعد مومنین کو متنبہ فرمانے کے لئے اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا، غفلت دور کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ پس تم اس کو اچھے ناموں اور اچھی صفات سے یاد کرو۔ اچھے ناموں سے مراد وہ نام ہیں جو صفاتِ کمال کے اعلیٰ درجے پر دلالت کرنے والے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کمال کا اعلیٰ درجہ جس سے اوپر کوئی اور درجہ نہ ہو وہ صرف خالق کائنات ہی کو حاصل ہے۔ اس کے سوا مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہر کامل سے دوسرا شخص اکمل اور ہر فاضل سے دوسرا شخص افضل ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں تو اس کو انہی اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارنا ضروری و لازم ہے۔

آیت کے اگلے جملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں تحریف و کجروی سے کام لیتے ہیں، آپ ایسے لوگوں سے قطع تعلق کر لیں اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ بہت جلد ان کو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں کجروی کی سزا مل جائے گی۔ (معارف القرآن ۱۳۱۔ ۱۳۲ / ۴)

اسماء الٰہیہ میں الحاد و کجروی کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء و صفات کا جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں، غیر اللہ پر اطلاق کیا جائے، جیسا کہ مشرکین عرب غیر اللہ کو الٰہ اور معبود کہتے تھے یا کسی کو رزّاق، غفّار، قدّوس اور غنی وغیرہ کہنا۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے غیر مناسب اسماء و صفات کے ساتھ موسوم کرنا جو اس کی تعظیم و اجلال کے لائق نہیں، جیسے نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو اب یعنی باپ کہتے ہیں۔ سوم اللہ تعالیٰ کو ایسے نام اور صفت سے پکارنا جو ادب کے خلاف ہو، جیسے یوں کہنا کہ اے محروم کرنے والے، اے بندوں کے خالق وغیرہ چہارم اللہ تعالیٰ کے لئے جو نام و صفات حدیث و شریعت سے ثابت نہیں، اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ناموں کا اطلاق بھی کجروی میں داخل ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو یا کریم کہنا تو صحیح ہے مگر یا سخی کہنا صحیح نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو عالم اور حکیم کہنا صحیح ہے مگر عاقل اور طبیب کہنا صحیح نہیں۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۶۸۔ ۱۶۹ / ۳)

امتِ محمدیہ کا امتیاز

۱۸۱۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝

اور ہماری مخلوق میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو حق بات کی ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف کرتی ہے۔

تشریح: جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ان میں سے ایک جماعت امتِ محمدیہ ایسی ہے جس نے ہر قسم کی افراط و تفریط اور کجروی سے علیحدہ ہو کر سچائی اور انصاف و اعتدال کا طریقہ اختیار کیا اور اسی کی وہ لوگوں کو دعوت دیتی ہے۔ اگر ان میں آپس میں کوئی تنازع پیدا ہو جائے تو وہ اپنے جھگڑوں اور غیروں کے معاملات کا فیصلہ عدل و انصاف کے ساتھ کرتی ہے۔

ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو

تلاوت کر کے ارشاد فرمایا کہ اس آیت میں جس امت کا ذکر ہے وہ میری امت ہے، جو اپنے تمام تنازعات کے فیصلے حق و انصاف کے ساتھ کریں گے اور لینے دینے کے تمام معاملات میں حق و انصاف کو سامنے رکھیں گے۔

حضرت موسیٰ کی امت میں بھی ایک گروہ ان صفات کا حامل تھا، جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسىٰ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○

(الاعراف، آیت ۱۵۹)

اور (حضرت) موسیٰ کی قوم میں بھی ایک ایسی جماعت ہے جو حق بات کی ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف کرتی ہے۔

مگر امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے ان صفات میں خصوصی امتیاز بخشا ہے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو حق کے تابع بنایا۔ جس جماعت کی قیادت و رہنمائی کی وہ بھی محض حق کے تقاضوں کے تحت کی اور باہمی تنازعات میں بھی ہمیشہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ صحابہ و تابعین کرام کی پوری تاریخ اس کی آئینہ دار ہے۔ جب سے امتِ محمدیہ نے ان صفات کو نظر انداز کرنا شروع کیا، اسی وقت سے اس کا تنزل و انحطاط شروع ہو گیا۔ (معارف القرآن ۱۳۵ / ۴)

ازلی جہنمیوں کا حال

۱۸۲۔ ۱۸۳۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ○

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسا پکڑیں گے ان کو خبر بھی نہ ہو گی اور میں ان کو ڈھیل دوں گا۔ بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ : عنقریب ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے۔ عنقریب ہم ان کو بتدریج لے جائیں گے۔ اِسْتِدْرَاجٌ سے مضارع۔

حَيْثُ : جہاں۔ جس جگہ۔

اُمْلِيْ : میں ڈھیل دوں گا۔ اِمْلَاءٌ سے مضارع۔

کَیۡدِیۡ : میری تدبیر۔ میرا مکر۔ میری چالاکی۔
مَتِیۡنٌ : مضبوط۔ قوی۔ محکم

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ان ازلی جہنمیوں کا حال بیان فرمایا ہے جو دنیا میں اس کے معجزات کو جھٹلاتے ہیں اور فرمایا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو لوگ دنیا میں ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، ہم فوراً ان کا مواخذہ کریں اور نہ یہ کوئی معیار ہے کہ جس شخص پر دنیا میں مال، رزق اور صحت وغیرہ کے اعتبار سے تنگی و سختی ہے تو وہ جہنمی ہے اور عتابِ الٰہی میں گرفتار ہے اور جو خوشحال ہے وہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے۔ بلکہ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، ہم ان کے کفر و گناہ اور تکذیب کے باوجود ان پر رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں اور ان کو ہر قسم کی نعمتوں اور آسائش میں رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ عیش و عشرت میں مست اللہ کی سزا سے بے فکر ہو کر، جرائم کے ارتکاب پر زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں اور منعمِ حقیقی کو بالکل بھول جاتے ہیں تو ہم ان کو دفعتاً ایسی ناگہانی بلا میں گرفتار کر دیتے ہیں جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی یا جب ان کو موت آجاتی ہے تو ان کی ساری عیش و آسائش جاتی رہتی ہے اور وہ عذاب و ذلت میں جا پڑتے ہیں (حقانی ۲/۴۴۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۝

(الانعام آیات ۴۴۔۴۵)

پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دئے، یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر خوش ہو کر اترائے جو ان کو دی گئی تھیں، تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔ پس اس وقت وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔ پھر ان ظالموں کی جڑ ہی کٹ گئی۔

پس پہلے تو اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو تھوڑا سا پکڑتا ہے۔ اگر اس وقت وہ گڑگڑا کر توبہ کر لیں تو بچ جاتے ہیں اور اگر وہ اللہ کی طرف رجوع نہ کریں تو پھر ان پر نعمتوں اور آسائشوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ پھر اگر وہ نعمتوں کی شکر گزاری اور انعام و احسان سے متاثر

ہونے کی بجائے خوب گناہوں میں غرق ہو جاتے ہیں تو دفعتاً بے خبری میں ان کو پکڑ لیا جاتا ہے۔

مکذبین کی گمراہی کا سبب

۱۸۴۔۱۸۶۔ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۔ مَابِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○

کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ان کا رفیق (پیغمبر) دیوانہ نہیں۔ وہ تو بس صاف صاف ڈرانے والے ہیں اور کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کی طرف نظر نہیں کی اور نہ اس طرف کہ شاید ان کی اجل قریب آپہنچی ہو۔ پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں سرگرداں ہی چھوڑے رکھتا ہے۔

جِنَّةٌ: جنون۔ سودا۔ دیوانگی۔ جُنُوْنٌ سے اسم مصدر۔

مَلَكُوْتِ: اختیار کامل۔ حقیقی حکومت۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے لئے مخصوص ہے۔

اقْتَرَبَ: وہ قریب ہوا۔ وہ نزدیک ہوا۔ اِقْتِرَابٌ سے ماضی۔

حَدِيْثٍ: بات۔ خبر۔

تشریح: ان آیتوں میں آخرت سے غفلت اور گمراہی کا سبب بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے اسی لئے کبھی تو ان کو نبوت و رسالت کے بارے میں شبہات لاحق ہوتے ہیں اور کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و معجزات میں غور و فکر کر لیتے تو آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں ان کے تمام شکوک و شبہات رفع ہو جاتے۔ اسی طرح اگر آسمان و زمین کی خلقت میں غور کر لیتے تو ان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہتا۔

ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انہی لوگوں کے درمیان رہے۔ یہ لوگ آپؐ کے حال سے پوری طرح واقف ہیں۔ دنیاوی لذات سے کنارہ کشی اور ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہنا، دن رات لوگوں کو حکمت و دانائی کی باتیں بتانا اور ان کو وعظ و نصیحت کرنا اور آخرت کے عذاب سے خبردار کرنا، یہ سب کسی مجنون اور دیوانے سے سرزد نہیں ہو سکتیں۔ ان کی عقل و حکمت کے سامنے تو ساری دنیا کے عقلاء و حکماء حیران ہیں۔ ان کے بارے میں جنون کا گمان کرنا خود جنون ہے۔ حقیقت میں وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ تمہیں حق کی طرف بلاتے اور آخرت کے عذابِ شدید سے خبردار کرتے ہیں۔ اگر تم ضد و عناد کو چھوڑ دو تو تم پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

کیا یہ لوگ چاند، سورج، ستاروں، پہاڑوں اور دریاؤں میں غور و فکر نہیں کرتے اور کیا دوسری مخلوقات اور قسم قسم کی چیزوں کو نہیں دیکھتے؟ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی نے تو پیدا کی ہیں۔ یہ سب خالق کے کمال قدرت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان لوگوں نے اس بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ کہیں ان کی موت قریب نہ آگئی ہو۔ یہ لوگ اس بات سے ڈر کر ہی توبہ کر لیتے کہ کہیں کفر کی حالت میں نہ مر جائیں۔ موت سے غفلت انسان کو تمام خرافات و جرائم میں مبتلا کرتی ہے اور موت کے استحضار سے انسان بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔

یہ لوگ قرآن کے بعد اب کون سی کتاب پر ایمان لائیں گے، حالانکہ قرآن تو آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی کتاب نازل ہوگی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی آئے گا، کیونکہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کی کتاب آخری کتاب ہے جس سے تمام سابقہ کتابیں منسوخ ہو گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو توفیق سے محروم کر دے تو اس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔ ان معاندین و مکذبین کو ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے محروم کر کے سرکشی کے لئے ڈھیل دے رکھی ہے اور یہ اسی میں سرگرداں اور حیران پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ راہِ راست پر نہیں آئیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷۰۔۱۷۱/ ۳)

احوالِ قیامت

۱۸۷۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ؕ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْئَلُوْنَکَ كَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کے قائم ہونے کا وقت کب ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی اس کے وقت کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہو گا۔ وہ تم پر اچانک ہی آئے گی۔ وہ آپ سے اس طرح سوال کرتے ہیں جیسے گویا آپ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ بس اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

مُرْسٰهَا: اس کا ٹھہرنا۔ اس کا رکنا۔ اِرْسَاءٌ سے مصدر میمی۔

یُجَلِّیْهَا: وہ اس کو ظاہر کرے گا۔ وہ اس کو روشن کرے گا۔ تَجْلِیَةٌ سے مضارع۔

حَفِیٌّ: بحث کرنے والا۔ خوب واقف ہونے والا۔ تحقیق کرنے والا۔ حَفَاوَةٌ سے صفت مشبہ۔

شانِ نزول: بعض کے نزدیک یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہود کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی۔ مگر پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہود مدینہ میں رہتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہود کے کسی گروہ نے مکہ آکر آپؐ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا ہو، واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ نے حضرت قتادہؓ وغیرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ہمارے قرابت دار ہیں، اس لئے آپ ہمیں

اشارے کے طور پر بتادیجئے کہ قیامت کب آئے گی۔

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جمل بن ابی قشیر اور سمول بن زید نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ اگر آپ نبی ہیں، جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے، تو یہ بتائیے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۴۹۵ / ۳، ابن کثیر ۲۷۱ / ۲)

تشریح: اس آیت میں قیامت کا حال بیان کیا گیا ہے۔ مشرکین مکہ نے تمسخر کے طور پر آپؐ سے سوال کیا تھا کہ آپ قیامت کے آنے کی باتیں کرتے اور ہمیں اسے ڈراتے ہیں۔ اگر آپ کا خیال صحیح ہے تو آپ ہمیں وہ سال، تاریخ اور وقت بتائے جب قیامت آئے گی، تاکہ وقت آنے پر ہم اس کے لئے تیاری کر لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ قیامت کے آنے کا صحیح وقت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس کا علم نہ تو اس سے پہلے کسی کو دیا گیا ہے نہ اب کسی کو معلوم ہے اور نہ آئندہ کوئی اس کے بارے میں جان سکے گا۔ پس اس کا جو وقت مقرر ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اس پر ظاہر ہو جائے گی، اس لئے آدمی کو ہر وقت اس کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ قیامت کا حادثہ آسمانوں اور زمین پر بہت گراں گزرے گا کیونکہ وہ بے خبری میں اچانک آئے گی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص (خریدنے اور بیچنے والا) اپنے درمیان میں کپڑا پھیلائے ہوئے ہوں گے اور خریدنے بیچنے نہ پائیں گے کہ قیامت آجائے گی۔ کوئی آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہو گا اور اس کا پانی پلانے نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ کوئی آدمی اونٹنی کا دودھ دوہ کر لوٹ رہا ہو گا اور پینے نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی۔ کوئی شخص لقمہ اٹھا کر منہ میں لے جانا چاہتا ہو گا اور کھانے نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (مظہری ۴۹۵ / ۳)

قیامت کے وقت کو ظاہر نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس کے ہولناک واقعات کا تصور کر کے برائیوں سے بچتے رہیں۔ کیونکہ جب آدمی یہ تصور کرے گا کہ قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا، اس وقت اس کے تمام چھوٹے بڑے اور اچھے برے اعمال پیش کئے جائیں گے، جس کے نتیجہ میں یا تو جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ملیں گی یا دوزخ کا شدید عذاب ملے گا، تو وہ گناہوں اور برائیوں کو چھوڑ کر اعمال صالحہ کی بجا آوری کی طرف متوجہ رہے گا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ آپ ؐ کو اپنی قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آپ ؐ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے آپ ؐ نے اللہ تعالیٰ سے تحقیق کر کے اس کا صحیح وقت اور تاریخ معلوم کر لی ہو، مگر آپ ؐ کسی وجہ سے ان کو بتا نہیں رہے ۔ پس آپ ان کو بتا دیجئے کہ بلاشبہ قیامت کی صحیح تاریخ اور وقت اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی نبی جانتا ہے اور نہ فرشتہ ۔ لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا پورا علم نہیں تو یہ گویا آپ ؐ کے نبی نہ ہونے کی علامت ہے ۔

بشیر و نذیر

۱۸۸۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنے لئے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں، مگر اتنا ہی جتنا کہ اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی بات جانتا تو بہت سے فوائد حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا ۔ میں تو بس ایمان لانے والی قوم کو خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی تھی جو حق کو قبول کر لینے کے بعد محض دنیاوی حرص و طمع کی بنا پر احکام خداوندی سے انحراف کرتے ہیں اور شیطان کے اشاروں پر چلتے ہیں ۔ پھر مومنوں کو ذکرِ الٰہی کی ترغیب دی گئی ۔ اس کے بعد گمراہوں اور آخرت سے غافل لوگوں کی غفلت و گمراہی کا سبب بتایا گیا کہ یہ لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے، اسی لئے کبھی تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت میں شک کرنے لگتے ہیں ۔ اگر یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور معجزوں میں غور کر لیتے تو ان کو آپ ؐ کی نبوت و رسالت میں شک و شبہ نہ ہوتا ۔ اسی طرح اگر یہ آسمان و زمین کی خلقت میں غور کر لیتے تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت میں کوئی شبہ نہ ہوتا ۔ پھر یہ بتایا گیا کہ جس طرح کسی شخص کو اپنی موت کا علم نہیں اسی طرح تمام

کائنات کی موت یعنی قیامت کا بھی اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو، وہ نہ تو اختیار کامل رکھتا ہے اور نہ علم محیط ۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور زمین کے خزانوں کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ میں دوسروں کے لئے تو کیا خود اپنے لئے بھی کوئی نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کی قدرت نہیں رکھتا، سوائے اس کے کہ جس قدر اللہ چاہے ۔ اگر میں غیب کا حال جانتا تو اپنے لئے بہت سی وہ بھلائیاں اور منافع حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے فوت ہو جاتی ہیں ۔ اگر مجھے پہلے سے ان حالات و واقعات کا علم ہو جایا کرتا، جن سے مجھے سابقہ پڑتا رہتا ہے، تو مجھے کبھی پریشانی نہ اٹھانی پڑتی اور میں ہر طرح کے رنج و تکلیف اور نقصان سے اپنے آپ کو بچا لیا کرتا اور نہ میں کبھی لڑائیوں میں مغلوب ہوتا ۔

پس نہ تو میں دیوانہ ہوں، نہ غیب کا جاننے والا اور نہ میرے اختیار میں کسی قسم کا نفع و نقصان ہے ۔ میں تو محض اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خبردار کرنے والا اور مومنوں کو بشارت دینے والا ہوں ۔

عقیدہء توحید

۸۹، ۱۹۰۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

وہی تو ہے (اللہ) جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اس کے پاس آکر آرام پائے ۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو اس کا ہلکا سا حمل رہ گیا سو وہ اس کو لئے ہوئے پھرتی رہی ۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اپنے رب سے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہمیں

صالح (بچہ) عطا کیا تو ہم تیری شکر گزاری کریں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو صحیح
سالم بچہ عطا فرما دیا تو وہ اللہ کی دی ہوئی چیز میں اللہ کو شریک بنانے لگے۔ سو
اللہ تعالیٰ ان کے شریک بنانے سے برتر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں عقیدہ توحید کو بیان فرمایا ہے جو اسلام کا سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ دنیا جہاں کے لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے پیدا کئے گئے ہیں اور حضرت آدم ہی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا گیا۔ پھر ان کی نسل کو اتنا بڑھایا کہ لوگ خاندان اور قبیلے بن گئے اور انہی میں سے ان کے جوڑے بنا دیئے، تاکہ لوگ ایک دوسرے سے محبت کریں اور باہم سکون حاصل کریں۔

پھر جب ان میں سے مرد نے عورت سے مقاربت کی تو اس عورت نے ہلکا سا بوجھ محسوس کیا اور وہ تکلیف کے بغیر اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب عورت بھاری ہو جاتی ہے اور دونوں کو حمل کا یقین ہو جاتا ہے تو ان کو طرح طرح کے خیالات آنے لگتے ہیں اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی خوب شکر گزاری کریں گے۔ عام طور پر کسی نعمت کے حصول کے پہلے لوگ اس قسم کی دعائیں کرتے ہیں اور اللہ سے عہد و میثاق باندھتے ہیں، مگر جب مطلوبہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے تو سب کچھ فراموش کر دیا جاتا ہے۔ دوسری آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو خوشی میں آکر اللہ کے ساتھ اس کام میں اوروں کو بھی شامل کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ ستاروں کی تاثیر سے پیدا ہوا ہے، کوئی کہنے لگا کہ یہ تو ہمارے بتوں نے ہمیں عطا کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے بلند و بالا ہے۔

شرک کا اِبطال

۱۹۱۔۱۹۳۔ اَيُشْرِكُوْنَ مَالَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ وَلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ وَاِنْ
تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ
اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ○

کیا وہ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہ وہ ان کی مدد کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی کچھ مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو راہِ راست کی طرف بلاؤ تو وہ تمہارے کہنے پر نہ چلیں گے۔ تمہارے لئے برابر ہے خواہ تم ان کو بلاؤ یا خاموش رہو۔

تشریح: جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں، ان کی تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں۔ ان کو دوسری مخلوقات پر کسی بات کی بھی قدرت حاصل نہیں۔ نہ یہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ نہ ان میں دیکھنے کی طاقت ہے اور نہ سننے کی۔ اس لئے نہ وہ اپنے پوجنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ بت تو عام جمادات ہیں، اس لئے حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ ان کو پوجنے والے ان سے کہیں زیادہ افضل ہیں کہ وہ سن بھی سکتے ہیں اور دیکھ بھی سکتے ہیں، وہ چل پھر بھی سکتے ہیں اور دوسروں کی بات کا جواب بھی دے سکتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج آیات ۷۳-۷۴)

بلاشبہ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کو پوجتے ہیں وہ تو ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے، خواہ سب کے سب مل کر ہی کیوں نہ کوشش کریں۔ یہی نہیں بلکہ اگر مکھی ان کے کھانے کی کوئی چیز لے اڑے تو یہ اس سے واپس تک نہیں لے سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں کس قدر ضعیف اور بے قدرت ہیں۔ انہوں نے خدا کی قدر نہیں پہچانی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا قوی اور غالب ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا:

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کو تم خود گھڑتے ہو (الصفت آیت ۔ ۹۵)

پھر فرمایا کہ وہ بت اپنی عبادت کرنے والوں کی ذرا بھی مدد نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اگر کوئی

ان کے ساتھ بُرا برتاؤ کرے تو وہ خود اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً اگر کوئی ان کو توڑنے لگے تو وہ اپنے آپ کو بھی توڑنے سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ اگر تم ان کو کوئی بات بتانے کے لئے پکارو تو وہ تمہاری پکار بھی نہیں سن سکتے۔ تمہارا ان کو پکارنا اور خاموش رہنا سب برابر ہے۔ پس ایسے عاجز جو پکار بھی نہ سن سکیں وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں۔ (ابن کثیر ۲۷۶/ ۲)

شرک کا مزید ابطال

۱۹۴، ۱۹۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنَ ○ اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ○

بیشک جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ بھی تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکار کر دیکھو، اگر تم سچے ہو تو ان کو تمہاری بات کا جواب دینا چاہئے کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں؟ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب معبودوں کو بلا لو پھر سب مل کر میرے بارے میں جو تدبیر کرنا چاہو کر لو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ بیشک میرا مددگار تو اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی اور وہی نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔

تشریح: یہ بت مخلوق ہونے کے باوجود ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق پر امتیاز حاصل ہو سکتا ہے، گو ان کے ظاہری ہاتھ پاؤں وغیرہ سب کچھ تم بناتے ہو، لیکن ان اعضاء میں وہ قوت نہیں جس سے ان کو اعضاء کہا جاسکے، کیونکہ نہ تو وہ تمہارے پکارنے سے اپنے مصنوعی پاؤں سے چل کر آسکتے ہیں اور نہ وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے

ہیں ۔ تم ان کو پکارتے پکارتے تھک جاؤ گے مگر وہ تمہاری پکار کا کبھی جواب نہ دے سکیں گے، کیونکہ تمہارا ان کو پکارنا یا خاموش رہنا ان کے لئے سب برابر ہے ۔ ان میں سننے، سمجھنے اور جواب دینے کی قوت ہی نہیں ۔ پھر تم ایسی عاجز و بے بس مخلوق کو کیوں معبود بناتے ہو ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپؑ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے تمام باطل معبودوں کو جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، میری ضرر رسانی کے لئے بلا لو اور جس قدر تدبیریں تم سے ہو سکیں وہ سب کر لو اور مجھے ذرا سی مہلت بھی نہ دو ۔ مجھے تمہارے معبودوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کیونکہ میرا حامی و مددگار اور حفاظت کرنے والا تو اللہ ہی ہے جس نے مجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ۔ وہی دنیا و آخرت میں اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے ۔ اس لئے مجھے نہ تو تمہاری طرف سے کوئی خوف ہے اور نہ تمہارے معبودوں کی طرف سے ۔

مشرکین کا حال

۱۹۷، ۱۹۸۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ○

اور تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو راہِ راست کی طرف بلاؤ تو وہ سنیں گے بھی نہیں اور آپ ان بتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف تک رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے ۔

تشریح: تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد تو کیا کریں گے ۔ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے ۔ اگر کوئی ان کو توڑنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے اگر تم ان کو کچھ بتانے کے لئے پکارو تو وہ تمہاری پکار بھی نہیں سن سکتے، کیونکہ ان کے کان ہی نہیں ۔ ان باطل معبودوں کی مورتیوں کو دیکھنے والے اگرچہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ان کی طرف دیکھ رہی ہیں مگر حقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں دیکھتیں ۔

یہی حال مشرکوں کا ہے کہ جو آپ کی دعوت اسلام کو نہ دل سے سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں بظاہر وہ اپنی آنکھوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر وہ دل سے ایسا نہیں کرتے ۔

اخلاقِ قرآنی

۱۹۹، ۲۰۰۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے درگزر کرتے رہیئے اور ان کو اچھی باتوں کا حکم دیتے رہیئے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہیئے اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیے۔

بِالْعُرْفِ: نیکی کا۔ اچھائی کا۔ بھلائی کا۔

اَعْرِضْ: تو منہ پھیر لے۔ تو کنارہ کرلے۔ اِعْرَاضٌ سے امر۔

يَنْزَغَنَّكَ: وہ تجھ کو فتنہ میں ڈال دے گا۔ وہ تجھ کو شبہ میں ڈال دے گا۔ نَزْغٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر یہ مشرکین واضح دلائل کے بعد بھی آپ سے اپنے معبودوں کے بارے میں مجادلہ کریں تو ان معاندین پر غصہ کرنے کی بجائے ان سے درگزر فرمایئے اور ان کو نیک کام کا حکم دیجئے۔ شاید وہ نصیحت قبول کرلیں اگر یہ لوگ جہالت سے پیش آئیں تو آپ ان پر غصہ کرنے کی بجائے ان سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اگر کسی وقت ان کی جہالت پر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آپ کو غصہ پر آمادہ کردے تو آپ اس سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگیئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبان کی بات کو سننے والا اور دل کی بات کو جاننے والا ہے۔ وہ خود آپ کو بدلہ دے گا، آپ کو انتقام لینے کی ضرورت نہیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (جنت کے اندر) اپنے مکان کا بلند ہونا اور درجات کا اونچا ہونا پسند کرتا ہو تو اس کو چاہئے کہ جو شخص اس کی حق تلفی کرے، اس سے درگزر کرے اور جو اس سے قرابت منقطع کرے، وہ اس سے قرابت جوڑے رکھے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برابر دینے والا واصل (قرابت) نہیں۔ قرابت جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر اس سے رشتہ داری توڑ دی جائے تو وہ اس کو جوڑے رکھے۔ (مظہری)

متقیوں کی صفت

۲۰۱، ۲۰۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا
فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ
لَا يُقْصِرُوْنَ ○

بیشک جب پرہیزگاروں کو کوئی شیطانی وسوسہ چھوتا ہے تو وہ فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اسی وقت (راہِ راست) دیکھنے لگتے ہیں اور جو ان (شیطانوں) کے بھائی ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ پھر وہ کمی نہیں کرتے۔

مَسَّهُمْ: اس نے ان کو مس کیا۔ اس نے ان کو چھوا۔ وہ ان کو پہنچا۔ مَسٌّ سے ماضی۔

طٰٓئِفٌ: وسوسہ، پھر جانے والا۔ چکر لگانے والا۔ طَوْفٌ وطَوَافٌ سے اسم فاعل۔

الْغَيِّ: گمراہی۔ عذاب۔ ناکامی۔ مصدر ہے۔

يَمُدُّوْنَهُمْ: وہ ان کو بڑھاتے ہیں۔ وہ ان کو کھینچتے ہیں۔ مَدٌّ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور ممنوعات سے بچتے رہتے ہیں اگر ان کو کوئی شیطانی وسوسہ آجائے تو وہ فوراً چونک جاتے ہیں، ذکر الٰہی میں لگ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے پناہ مانگنے لگتے ہیں، اللہ کے اوامر و نہی اور ثواب و عذاب کو یاد کرتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شیطانی خیال ہے۔ اس طرح شیطانی وسوسہ کی کدورت ان کے دل سے دور ہو جاتی ہے اور وہ صحیح راستہ پر آجاتے ہیں۔

جو لوگ فاسق و بدکار ہیں، ان کو شیطان گمراہی پر آمادہ کرتا رہتا ہے اور برائی اختیار کرنے میں ان کی مدد کرتا ہے اور وہ گناہ کے کاموں میں ان کے لئے آسانی پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کی غفلت و معصیت برابر بڑھتی رہتی ہے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔

مشرکین کی کج بحثی

۲۰۳۔ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ

مَايُوْحٰىٓ اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ ان کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اپنی طرف سے گھڑ لائے (چھانٹ لائے) ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے ۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں اور ایمان رکھنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے ۔

شانِ نزول: بعض مشرکین شرارت اور کج بحثی کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص معجزے طلب کرتے تھے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۸ / ۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب آپ ان مشرکین کی خواہش اور مطالبے کے مطابق کوئی معجزہ اور نشانی ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اس معجزہ کو اپنی طرف سے کیوں نہیں بنالیتے ۔ جس طرح آپ طرح طرح کے معجزے دکھاتے ہیں اسی طرح آپ ہماری فرمائش پر بھی ایک معجزہ دکھا دیجئے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ معجزے دکھانا میرا کام نہیں، نہ میں خود آیات بناتا ہوں اور نہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ سے معجزہ طلب کرتا ہوں ۔ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے ۔ آیات کا اتارنا اور معجزات کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔ وہ جب چاہتا ہے انہیں اتارتا اور ظاہر کرتا ہے اور جب چاہتا ہے تو نہیں ظاہر کرتا ۔ البتہ یہ قرآن جو مجھ پر نازل ہوا ہے یہ میرا سب سے بڑا معجزہ ہے ۔ جب تم اس کو نہیں مانتے تو اور کس چیز کو مانو گے ۔ یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ دکھائی دیتا ہے اور اہلِ ایمان کے لئے یہ ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے ۔ ہدایت و رہنمائی اور اللہ کی رحمت و عنایت اسی کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے ۔

تلاوتِ قرآن کے آداب

۲۰۴۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○
اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں توحیدِ خداوندی کا مفصل بیان تھا، جس میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ اور باطل معبودوں کے نقائص کو بیان کیا گیا جو ان کے معبود نہ ہونے کی دلیل ہیں۔ اس آیت میں تلاوت قران کریم کے آداب کا بیان ہے اور اگلی دو آیتوں میں ذکر الٰہی کے آداب بیان کئے گئے ہیں۔

شانِ نزول: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ آپؐ نے جواب نہ دیا۔ اس سے پہلے لوگ نماز میں کلام کر لیا کرتے تھے اور اپنے کام کے لئے کہہ دیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر (میرے) سلام کا جواب دیا اور فرمایا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور آیت **وَاِذَا قُرِءَی الْقُرْآن** ..... نازل ہوئی۔ (مظہری بحوالہ ابن ابی حاتم و ابن مردویہ)

حضرت قتادہؒ کی روایت میں ہے کہ شروع میں جب لوگوں کو نماز کا حکم دیا گیا تو وہ نماز میں بات کر لیا کرتے تھے۔ آدمی آتا لوگ نماز میں مشغول ہوتے تو آنے والا پوچھ لیتا کہ تم کتنی نماز پڑھ چکے۔ پڑھنے والے بتادیتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کان لگا کر سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی یہ حکم خاص مقتدی کے لئے نازل ہوا۔ مقتدی کے لئے یہ جائز نہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرے بلکہ اس کے لئے توجہ سے سننا اور خاموش رہنا واجب اور ضروری ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ قرآن کریم کا ادب و احترام یہ ہے کہ جب اسی کی تلاوت کی جائے تو سننے والے اس پر اپنے کان لگائیں اور پوری توجہ اور خاموشی سے اسے سنیں اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم کا رحمت

ہونا اس کے مذکورہ آداب بجالانے پر موقوف ہے۔ اگر کسی نے اس کے مذکورہ آداب کی خلاف ورزی کرکے اس کی بے حرمتی کی تو وہ رحمت کی بجائے اللہ کے قہر و غضب کا مستحق ہوگا۔

ذکرِ الٰہی کے آداب

۲۰۶،۲۰۵۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝

اور اپنے رب کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور غافل نہ رہا کرو۔ بیشک جو لوگ آپ کے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور وہ تو اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

تشریح: قرآن کریم کی تلاوت کے بعد ذکرِ الٰہی کا درجہ ہے۔ ان آیتوں میں ذکر کے پانچ آداب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) ذکر آہستہ آواز سے دل میں ہونا چاہئے، بلند آواز میں نہیں کرنا چاہئے۔ (۲) تضرع و زاری اور عاجزی و خوف کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ (۳) خوف و خشیت کے ساتھ ہو۔ (۴) خاص طور پر صبح و شام کے اوقات میں اس کا اہتمام ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ دونوں اوقات قبولیت کے ہیں۔ (۵) ذکر الٰہی سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

پروردگار کی یاد سے غفلت ایک قسم کا تکبر ہے۔ قربِ خداوندی کے طالب اس سے حد درجہ اجتناب و احتراز کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ کے مقرب فرشتے بھی مقرب ہونے کے باوجود اللہ کی عبادت و بندگی سے تکبر نہیں کرتے۔ وہ دن رات اسی کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں۔ وہ خاص اسی کو سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ ہی قربِ خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا (سجدہ کی حالت میں) زیادہ دعا کیا کرو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۹، ۲۰۰ / ۳، مظہری)

مقالاتِ زواریہ

ترتیب: سید فضل الرحمن

- فقیہ العصر حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً ۱۴۰ نثری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔
- طلباء، علماء، مقررین اور واعظین کے لئے ایک بیش بہا تحفہ، اور عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔
- تمام تقاریر اور مضامین کی زبان نہایت سادہ، اندازِ بیاں عام فہم اور قرآنی آیات واحادیث کی دلنشیں تشریح ہے۔
- تمام قرآنی آیات کی اصل عربی عبارت اور اسکا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔
- بعض ایسے جدید مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو اہلِ علم کے ہاں اختلافی رہے ہیں۔
- روزمرہ پیش آنے والے مسائل و مشکلات پر تبصرہ اور سماجی ومعاشرتی برائیوں کے انسداد و سد باب کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئی ہیں۔
- اس مجموعہ کو درج ذیل سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

  (۱) قرآنی تعلیمات، (۲) ایمان و دعوت اسلام، (۳) احکام دین،
  (۴) تجارت و معیشت، (۵) اخلاق و حقوق، (۶) تصوف و سلوک،
  (۷) سیرت و سوانح
- خوبصورت اور دلکش رنگین سرورق، اعلیٰ کمپیوٹر کمپوزنگ، نہایت نفیس آفسٹ طباعت اور مضبوط جلد بندی کی اضافی خوبیوں کے ساتھ۔ اہلِ علم کے لئے ایک گرانقدر تحفہ،

بہت جلد طباعت کے مراحل سے گزر کر شائع ہو رہی ہے،